"بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ، فاذا ھو زاھق"

''ہم اس طرح حق (کا گرز) باطل (کے سر پر) مارتے ہیں
کہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے، اور وہ ملیا میٹ ہو جاتا ہے''

کتاب مستطاب

تبصرۃ المغموم

علیٰ اجوبۃ

اصلاحِ الرسوم

بقلم حقیقت رقم

جناب ڈاکٹر ملک افتخار حسین اعوان

ناشر

ادارہ دقائق اسلام سرگودھا۔ پاکستان

"بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ، فاذا ھو زاھق"

''ہم اس طرح حق (کا گرز) باطل (کے سر پر) مارتے ہیں
کہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے، اور وہ ملیامیٹ ہو جاتا ہے''

کتاب مستطاب

تبصرۃُ المغموم

علیٰ اجوبۃ

اصلاحِ الرُّسوم

بقلم حقیقت رقم

جناب ڈاکٹر ملک افتخار حسین اعوان

ناشر

ادارۂ دقائقِ اسلام سرگودھا۔ پاکستان

نام کتاب: تبصرة المغموم علی اجوبہ اصلاح الرسوم

مصنف: ڈاکٹر ملک افتخار حسین اعوان

طابع: سید اظہار الحسن رضوی

مطبع: اظہار سنز پرنٹرز، 9 ریٹی گن روڈ، لاہور

فون نمبر 7220761

ایڈیشن: اوّل

تعداد: 1100

ہدیہ: -/125 روپیہ

ملنے کا پتہ

ا۔ مکتبہ السبطین

296/9 سیٹلائٹ ٹاؤن B بلاک، سرگودھا

۲۔ جامعہ علمیہ سلطان المدارس اسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی، سرگودھا

فہرستِ مضامین

	صفحہ
اظہار تشکر و امتنان	6
گفتار اولین	7
حق و باطل کی باہمی کشمکش	7
پاکستان میں اس کشمکش کا آغاز کب ہوا؟	8
اس کشمکش میں کون جیتا کون ہارا	8
نئی ہنگامہ آرائی اور اس کا سبب؟	9
اس روش کا انجام؟	10
اسلام امن و سلامتی کا دین ہے	10
ہلڑ بازی کم علمی اور فرومائیگی کی دلیل ہے	11
اصلاح الرسوم کے جواب میں لکھی جانے والی کتابوں کے نام	11
ایک سے زائد جواب کیوں؟	12
لکھنے والوں کے اقسام؟	13
اس منڈی میں ہر قسم کا مال موجود ہے	13
ان جوابی کتابوں میں کیا ہے؟	14
پہلا باب	
اذان و اقامت میں شہادت ثالثہ کے جزو ہونے کا اثبات	16
اذان میں شہادت ثالثہ کب داخل ہوئی؟	23
چوتھی صدی سے لے کر پندرھویں صدی تک شہادت ثالثہ کے بارے میں چند علماء محققین کی رائے	29
ایک مضحکہ خیز استدلال کا ابطال	37
جناب بلالؓ والی اذان کیا تھی	39
وہ اذان جو شب معراج آسمانوں پر جبرائیلؑ نے دی	40
وہ اذان جو چہاردہ معصومینؑ نے دی	40
انقلاب زمانہ	40
انتصار المظلوم کا تذکرہ	41
فصل اول اذان کے متعلق	41
ہمارا صرف ایک سوال ہے یا صرف ایک چیلنج ہے	50
تشہد میں شہادت ثالثہ داخل کرنے والوں پر تبصرہ	52
متعلقہ امور پر صاحب تبصرہ الہموم کا حقیقت افروز تبصرہ	52
ایک اور علامۃ البلوی غلطی کا ازالہ	53
تبصرہ بر اصلاح الرسوم کا تذکرہ	55
تائید معصومؑ کا تذکرہ	57

احسن المفہوم کا تذکرہ	61
تبصرہ المہموم کا تذکرہ	65
بعض مراجع تقلید کے بیانات	68
ایک ضروری وضاحت	69
ایک عذر لنگ کا اجمالی جواب	69
احقاق الحق کا تذکرہ	70
دیدہ دلیری کی انتہا	81
ایک علمی لطیفہ	82
مصافحہ کا مسئلہ	82
بعد از نماز مخصوص زیارات پڑھنے کا مسئلہ	84
نزول وظہور آئمہ	85
رسوم الشیعہ کا تذکرہ	86
پہلی خلاف شریعت حرکت	87
دو باتوں کی وضاحت	89
ولایت تکوینی کا اجمالی تذکرہ	89
اذان میں اشہد ان علیا ولی اللہ کا اضافہ	89
تشہد میں علی ولی اللہ	90
فقہ الرضا کا اجمالی تذکرہ	90
مخصوص تعداد میں درود پڑھنے وغیرہ (علمی مباحث میں غلط مبحث کی بدترین مثالیں)	93
کچھ رسوم عزاداری کے بارے میں	94
مہندی اور سیج کا جلوس	95
علم تعزیہ اور ذوالجناح کا تذکرہ	96
کچھ زنجیر تلوار اور قمہ کے ماتم کے بارے میں	97
کچھ لوہے کی کڑی پہننے اور لٹیں رکھنے کے بارے میں	98
ایک ضروری وضاحت	100
کچھ خاندانی قبرستان یا مقامات مقدسہ کی طرف میت کی منتقلی کے بارے میں	100
کچھ تصوف وعرفان کے بارے میں	101
دوسرا باب	
بعض عقائد حقہ کا بیان اور بعض غلط تاویلات کے جوابات	103
ایک عیاری کی پردہ دری	104
بعض مولفین کی ناسمجھی اور کوڑھ مغزی کی	
ایک اور مثال	110
صاحب ایضاح المہموم کا ایک اور علمی کارنامہ	111
ولایت تکوینی کا اجمالی تذکرہ	112
بعض مراجع کے فتووں سے مذکورہ بالا مطلب کی تائید مزید	115
تیسرا باب	
عام علماء واعلام کے خلاف بالعموم اور رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق (شیخی المذہب ہو۔) کا بیان	117
اس تبصرہ کا تجزیہ	123

آپ کے تصنیفات وتالیفات	127	آیت اللہ شیخ محمد حسین ال کاشف الغطاء	204
عالم اجل وفاضل بے بدل مجتہد مطلق سرکار آقائی خالصی کا مختصر تعارف	134	علامہ بزرگ شیخ علی بن شیخ عبداللہ بحرانی	205
چوتھا باب		علامہ شیخ محمد جواد مغنیہ	205
الصفر قات یعنی اصلاح الرسوم کے مختلف ابواب کے بوگس جوابات کے محققانہ جوابات لاجواب	153	جناب آقائی آسنخیر مدظلہ	206
تبصرہ المہموم کا تبصرہ	153	آیۃ اللہ فاضل لنکرانی فرماتے ہیں	206
تبصرہ اصلاح الرسوم	158	علامہ سید مرتضیٰ عسکری	207
ایضاح موہوم	166	آیت اللہ آقائی سید ناصر مکارم شیرازی	208
انتصار المظلوم	181	جناب شیخ احمد وائلی فرماتے ہیں	209
علمی لطیفہ	199	آقائی سید کاظم حائری	210
زنجیر اور قمہ کے ماتم کو ناجائز جاننے والے چند اعلام کے نام	201	حضرت آقائی سید باقر الحکیم	210
		پانچواں باب	
		آیت اللہ نجفی صاحب پر بعض مولفین وغیرہ کے ذاتی رکیک اور بودے ایرادات واعتراضات	

باسمہ سبحانہ

اظہار تشکر و امتنان

جب کتاب مستطاب تبصرۃ المغموم علی اجوبۃ اصلاح الرسوم مکمل ہوگئی تو اب اس کی طباعت و اشاعت کی فکر دامنگیر ہوئی تو خدائے قادر وقوی جزائے خیر عطا فرمائے جناب شرافت مآب الحاج لیاقت علی حفظ اللہ القوی آف پیر محل ضلع خانیوال حال وارد نیو پورٹ (برطانیہ) کو جب ان کو کسی طرح ہماری اس کوشش وکاوش کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی روایتی دریا دلی اور سبقت الی الخیرات کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی طباعت کے جملہ اخراجات اپنے ذمہ لے لیے۔ لہٰذا اب یہ کتاب مستطاب جن ظاہری و باطنی خوبیوں کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہو کر مؤمنین کرام کے مقدس ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے یہ انہی جناب کے مالی تعاون کا نتیجہ ہے۔ ہماری مخلصانہ دعا ہے کہ خدائے کریم ان کی اس قربانی کو شرفِ قبول سے نوازے اور ان کے والدین شریفین کی مغفرت فرمائے اور ان کی اولاد امجاد کے مستقبل کو روشن و تابناک بنائے اور ان کو دنیا و آخرت میں اس کار خیر کی بہترین جزاء مرحمت فرمائے۔ فان اللہ لایضیع اجر المحسنین۔

میں ہوں آپ کا ممنون احسان

ڈاکٹر افتخار حسین اعوان۔ سرگودھا

۱۷ اگست ۲۰۰۹ء

گفتار اولین

موسیٰؑ و فرعونؑ و شبیرؑ و یزیدؑ
این دو قوت از حیات آمد پدید

(۱) حق و باطل کی باہمی کشمکش:

حق و باطل کی باہمی کشمکش و کشاکش کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ آغاز خلقتِ کائنات سے شروع ہے اور فنائے ممکنات تک جاری رہے گی (ولا یزالون مختلفین) حکیم علی الاطلاق کو اپنی مخلوق کا یہ امتحان لینا مقصود ہے کہ کفر و شرک فسق و فجور اور رسم و رواج کی تاریکیوں میں رشد و ہدایت کا چراغ کون روشن کرتا ہے اور پھونکوں سے اُسے بجھانے کی ناکام کوشش و کاوش کون کرتا ہے؟؟

حق کُش اور باطل کوش لوگ شہرت کی طلب، دولت کی ہوس اور حسد کی تپش سے ایسے مدہوش ہوتے ہیں کہ وہ یہ واضح حقیقت بھی نہیں سمجھ سکتے کہ

چراغے راکہ ایزد بر فروزد اگر کس پُف کند ریشش بسوزد

بھلا وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

(۲) پاکستان میں اس کشمکش کا آغاز کب ہوا؟

اہل پاکستان تیس چالیس سال سے (جب سے بعض افاضل نجف اشرف سے تکمیل علوم کی سند لے کر واردِ پاکستان ہوئے اور تقریر وتحریر کے ذریعہ سے حقائق اسلام اور معارف ایمان کی نشر واشاعت شروع کی) بہت قریب سے اس قسم کے مناظر دیکھ رہے ہیں کل کی بات ہے کہ ۶۶۔۱۹۶۵ء میں جب یکے بعد دیگرے احسن الفوائد اور اصول الشریعہ جیسی عظیم کتابیں شائع ہوئیں اس وقت علماء سوء شیخی مبلغین، غلو نواز بے لگام مقررین اور جاہل ذاکرین نے ان کتابوں کے مصنف ومؤلف اور ان کے ہمنوا علماء اعلام کے خلاف کیا ہڑبونگ مچایا۔ کس طرح شور وشر پھیلا کر آسمان سر پر اٹھایا۔ اور کس طرح اصل حقائق کو مسخ کر کے اور غلط پروپیگنڈہ کر کے عوام کو علماء کرام سے بدظن ومتنفر کرنے کا کس طرح سوانگ رچایا۔ ع

لے نہا ہمہ راز است کہ معلومِ عوام است

ہزاروں تقریریں ہوئیں۔ دس سے زائد جوابی کتابیں شائع ہوئیں۔ سب وشتم میں امیر شام کو بھی پیچھے چھوڑ دیا گیا۔ اور الزام واتہام لگانے میں ڈاکٹر گوئبلز کو بھی مات کر دیا گیا، مگر اس ہاؤ ہو اور شور وشر کا نتیجہ کیا نکلا؟

(۳) اس کشمکش میں کون جیتا کون ہارا:

بفضلہ تعالیٰ علماء اعلام کی شب و روز کی محنتوں اور کاوشوں سے حقائق نکھر کر سامنے آ گئے۔ ملک میں ایک ذہنی انقلاب آ گیا غلو وشیخیت کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں اور لوگ ان

مزدوران استعمار کے چنگل سے آزاد ہونے لگے۔ تاجرانِ خون حسینؑ کا زور ٹوٹا اور لوگ غلط وصحیح اور حق وباطل میں امتیاز کرنے لگے۔ بدعملی کا سیلاب تھم گیا اور لوگ عمل وعبادت کی طرف راغب ہونے لگے۔ والحمدللہ۔

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہوگئے

انجام کار یہ لوگ ہر جگہ (اور ہر محاذ پر) ناکام ونامراد ہوئے۔ کچھ عمر رسیدہ لوگ راہ سپار ملک عدم ہوئے۔ اور جو زندہ بچے وہ منقارِ زیر پر ہوگئے۔

الغرض۔ الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا۔ الحمدللہ

(۴) نئی ہنگامہ آرائی اور اس کا سبب؟

البتہ اس شکست وہزیمت کی وجہ سے زندہ بچ جانے والوں کے دلوں میں کینوں کے دفینے جمع ہوتے رہے اور حسد وبغض کے یہ پتلے اپنی اس آگ کو بجھانے کے لیے ہمیشہ مناسب موقع کی تاک میں رہے اور یہ موقع ان کو بڑی مدت اور سخت انتظار کے بعد گزشتہ سال ۱۹۹۵ء میں اس وقت ملا۔ جب سابقہ دو عظیم کتابوں کے مصنف ومؤلف محقق دوران مجتہد العصر والزمان آیۃ اللہ...... سرکار علامہ الشیخ محمد حسین النجفی دامت برکاتہ کی نئی ولولہ انگیز باطل وبت شکن کتاب ''اصلاح الرسوم الظاہرہ بکلام العترۃ الطاہرہ'' منظر عام پر آئی۔ تو ایک بار پھر ان لوگوں کی باسی ہانڈی میں ابال آگیا۔

انہیں شکایت ہے ہم فقیروں کے نامۂ حریت رقم سے
کہ اس کی معجز نگاریوں سے عجب حقائق نکھر رہے ہیں

اور ایک بار پھر پورا ملک میدانِ کارزار بن گیا۔ حسینی سٹیجوں پر سنت معاویہ پر عمل ہونے لگا۔ صادقین کے منبروں پر کذب و افتراء اور علماء اعلام پر الزام و اتہام کا بازار گرم ہونے گا۔ شریفوں کی عزت کو نیلام کیا جانے لگا اور حمیت و شرافت کا جنازہ نکلنے لگا۔ الغرض وہ طوفان بدتمیزی مچایا گیا اور اس طرح چیخ چیخ کر زمین و آسمان سر پر اٹھایا گیا۔ کہ آسمان کے قدسی بھی الحفیظ والامان کا ورد کرنے لگے۔

مذہب کے علمبردار یہاں مصروف ہیں شر پھیلانے میں
انصاف کے دعویدار ہیں جو کرتے ہیں وہی انصاف کا خون

(۵) اس روش کا انجام؟

کچھ عرصہ تک تو قوم خاموش تماشائی بن کر ان لوگوں کا یہ نیا کھیل دیکھتی رہی اور کچھ عاقبت نااندیش لوگ ان رقاصوں کو اس رقص بندی پر داد بھی دیتے رہے۔ مگر کاٹھ کی ہنڈیا کب تک چولہے پر چڑھ سکتی ہے اور کاغذ کی ناؤ کب تک پانی پر تیر سکتی ہے۔ بالآخر عام لوگ ان لوگوں کی اس روش و رفتار سے تنگ آ گئے۔ اور اہل حق بھی اسلحۂ حق و صدق سے لیس ہو کر سامنے آ گئے اور جب ہر جگہ ان کی مزاحمت شروع ہو گئی اور لوگ ان بے لگاموں کے منہ میں لگام دینے لگے اور ان کے گلوں میں پٹے ڈالنے لگے۔ تو تب ان کا کہیں جا کر یہ زور اور شور تھا اور اب اپنے جلسوں، جلوسوں میں یہ بورڈ آویزاں کرنے پر مجبور ہو گئے کہ ”یہاں کسی کے خلاف کچھ نہیں کہا جائے گا“

(۶) اسلام امن و سلامتی کا دین ہے:

حالانکہ یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام امن و سلامتی کا علمبردار ہے۔ اس میں

شرانگیزی، فتنہ خیزی اور مذہب کے نام پر خون ریزی کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس کی نظر میں ''الفتنہ اشد من القتل'' کا مصداق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے نام پر فتنہ وفساد پھیلانے والے یا مذہبی حقائق سے یکسر جاہل ہوتے ہیں یا پھر خود لامذہب ہوتے ہیں۔ کیونکہ

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

(۷) ہلڑ بازی کم علمی اور فرومائیگی کی دلیل ہے:

نیز یہ بات بھی کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ ہلڑ بازی اور پر تشدد کارروائی وہی لوگ کرتے ہیں جن کے علمی ترکش میں کوئی تیر نہیں ہوتا اور بکواس بازی وہی لوگ کرتے ہیں جو علمی گفتگو کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

ہر طرح فتنے جگاتے ہیں جگانے والے
آگ پانی میں لگاتے ہیں لگانے والے

بہرحال جب یہ لوگ اس میدان میں ناکام ہوئے تو انہوں نے تحریر کی طرف رُخ موڑا (اے کاش کہ وہ پہلے ہی ایسا کرتے) کیونکہ کسی اہل علم کی علمی تحقیق سے اختلاف کرنا اور اپنے نقطہ نظر کا اظہار کرنا ہر اہل علم کا پیدائشی حق ہے۔

(۸) اصلاح الرسوم کے جواب میں لکھی جانے والی کتابوں کے نام:

چنانچہ اب تک آٹھ دس کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ جیسے (۱) ایضاح الموہوم (۲) القول الفیصل یا پردہ اٹھتا ہے (۳) انتصار المظلوم (۴) تبصرہ بر اصلاح الرسوم (۵) تائید معصوم (۶) احسن المفہوم (۷) تبصرۃ المہوم (۸) احقاق الحق (۹) اور رسوم الشیعہ

وغیرہ اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

(۹) ایک سے زائد جواب کیوں؟

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کسی کتاب کا جواب ایک ہی کافی ہوتا ہے (اگر وہ جواب ہو) یا دو یا پھر زیادہ سے زیادہ تین۔ مگر یہاں تو اصول الشریعہ کے جوابوں کی طرح نہ رکنے والا سلسلہ جاری ہے۔ آٹھ تو آچکے اور نا معلوم ابھی اور کتنے آئیں گے۔ اور کون کون لوگ خریداران یوسفؑ کی فہرست میں اپنا نام درج کرائیں گے۔ تو اب حقیقت حال دو حال سے خالی نہیں ہے (۱) یا تو ان لکھاریوں کے دل و دماغ پر یہ بات مسلّط ہے۔ کہ ان سے اصلاح الرسوم کا جواب نہیں دیا جا رہا (اور نہ ہی یہ بات ان کے بس کا روگ ہے) جیسا کہ ان میں سے ہر شخص اپنی کتاب کو سراہتے ہوئے دوسروں کی کاوش کو "لیس بشیٔ" کہہ رہا ہے۔

(۲) یا پھر یہ لوگ اس شغل کو آمدنی کا ایک معقول ذریعہ علماء اعلام کے خلاف قلمکاری کر کے سستی شہرت حاصل کرنے کا بہترین وسیلہ اپنے بونے قد کو بڑھانے کا واسطہ اور اس طرح ہاتھوں پر خون لگا کر شہیدوں میں اپنا نام درج کرانے کا کامیاب ترین نسخہ جانتے ہیں (دراصل یہاں یہ دونوں جذبے کار فرما ہیں۔ کیونکہ یہ قضیہ مانعۃ الجمع نہیں ہے۔ بلکہ مانعۃ الخلو ہے کما لایخفیٰ)

(۱۰) لکھنے والوں کے اقسام؟

ارباب علم و دانش جانتے ہیں کہ لکھنے والوں Writers کی کئی قسمیں ہوتی ہیں (۱) کچھ اعلائے کلمہ حق کی خاطر قلم اٹھاتے ہیں (۲) کچھ قوم وملت کی خدمت کے لیے دست و قلم کو حرکت دیتے ہیں (۳) اور کچھ دین و مذہب اور ملک وملت کے مفاد وحمایت میں قلم بدست ہو کر میدانِ تحریر میں قدم رکھتے ہیں (۴) اور کچھ قلمکار محض اس لیے قلم اٹھاتے ہیں کہ دُنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ بھی موجود ہیں اور وہ اپنی ذات کی معرفی کرانے اور سستی شہرت کے بام تک پہنچنے کے لیے علماء اعلام کے کلامِ حق ترجمان پر غلط سلط تنقید کے تیر برساتے ہیں اور اپنا اُلّو سیدھا فرماتے ہیں۔

(۱۱) اس منڈی میں ہر قسم کا مال موجود ہے

اصول الشریعہ کی طرح اب اصلاح الرسوم کیخلاف قلم بکف لوگوں میں بھی ہر قسم کے لوگ نظر آتے ہیں کچھ مادر زاد علامے، کچھ خانہ ساز مولانے، کچھ علم و عمل سے عاری مُلّانے، کچھ (ایک آدھ) عبا بردوش و عمامہ پوش اور کچھ سوٹڈ بوٹڈ مدہوش، کچھ باریش اور کچھ بے ریش۔ کچھ بڈھے اور کچھ (زیادہ تر) بچے۔ الغرض اس منڈی میں ہر قسم کا مال موجود ہے۔ مثلاً

کچھ جھوٹے ہیں کچھ سچے ہیں، کچھ بڈھے ہیں کچھ بچے ہیں
کچھ فتنہ و شر کے بانی ہیں، کچھ دین کے دشمن جانی ہیں
کچھ مفتی اور مُلّانے ہیں، کچھ جاہل اور سیانے ہیں

کچھ ابن علیؑ کے تاجر ہیں کچھ کاسہ لیس مہاجر ہیں

بولیں تو خطیب شہر بھی ہیں، گھولیں تو سیاسی زہر بھی ہیں

کچھ موتی ہیں، کچھ مالا ہیں، کچھ دال میں کالا کالا ہیں

اب قوم کی خاطر مرتے ہیں، اسلام کا بھی دم بھرتے ہیں

(۱۲) ان جوابی کتابوں میں کیا ہے؟

ان کتابوں میں ہے کیا؟ ہم ان جوابی کتابوں کے مؤلفین کا علمی حدود اربعہ اور ان کا علمی قد کاٹھ بیان کرنے سے پہلوتہی کرتے ہوئے کہ

کہیں ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

یہاں مختصراً صرف یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کتابوں میں کیا ہے؟

(۱) کذب وافتراء ہے (۲) دجل وفریب ہے (۳) الزام واتہام ہے (۴) سب و شتم ہے (۵) تنابز بالالقاب ہے (۶) اپنی خودستائی ہے اور دوسرے اہل علم و ایمان کی رسوائی ہے۔ (۷) ابلہ فریبی اور دھوکہ دہی ہے (۸) طعن و تشنیع ہے اور اہل ایمان کی ہجوِ قبیح ہے (۱۱) علم و فضل کا نام نہیں ہے اور دیانت و امانت کا نشان نہیں ہے (۱۲) جہالت و ضلالت عام ہے اور علمی حقائق و ایمانی معارف کا فقدان ہے (۱۳) جمود ہے۔ تقلید ہے۔ نہ تحقیق ہے اور نہ تدقیق ہے (۱۴) روایت ہے مگر درایت نہیں ہے (۱۵) نقل ہے مگر عقل نہیں ہے (۱۶) قیاسات ہیں، ذاتی خیالات ہیں (۱۷) ذاتیات ہیں (۱۸) ہفوات ہیں خرافات ہیں (۱۹) جھوٹے الزامات ہیں اور صریحی لغویات ہیں (۲۰) خرافات ہیں اور بکواسات ہیں۔

الغرض یہ کتابیں (استثناء آیات مبارکہ واسمائے مقدسہ) عفونت وغلاظت کا وہ پلندہ ہیں کہ اگر ان کو جلایا جائے اور کوئی تندرست وتوانا آدمی وہ آگ تاپ لے تو بعید نہیں ہے کہ وہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہو جائے۔

ان حالات میں اگرچہ ان کتابوں کے جواب کی ضرورت تو نہ تھی مگر محض اس خیال کے پیش نظر کہ کوئی بزعم خویش برخود غلط مؤلف ومرتب اپنے (ہفوات) وخرافات کو لاجواب نہ سمجھ بیٹھے۔ ان سب کتابوں کا ایک مختصر کتاب میں علمی تجزیہ اور فنی پوسٹ مارٹم پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ واللہ من وراء القصد

میں ہوں قوم وملت کا خادم

ڈاکٹر افتخار حسین اعوان سرگودھا پاکستان

۳ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ بمطابق ۲۱ مئی ۱۹۹۶ء

نظر ثانی ۲۳ صفر ۱۴۳۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم و بہ نستعین

(یہ کتاب چند ابواب پر مشتمل ہے)

پہلا باب

اذان واقامت میں شہادتِ ثالثہ کے جزء نہ ہونے کا اثبات

قارئین کرام نے اصلاح الرسوم میں پڑھا ہوگا کہ صدر المحققین حضرت علامہ نجفی صاحب مدظلہ نے لکھا تھا کہ ''یہ حقیقت اگرچہ تلخ ہے۔ مگر ہے بہر حال حقیقت کہ یہ فقرہ (شہادت ثالثہ) عہد رسالت سے لے کر امام زمانہ کی غیبت کبریٰ تک کسی دور میں بھی نہ جزء اذان رہا ہے اور نہ ہی اذان میں کہا گیا ہے یہ زمانہ مابعد کی ایجاد ہے'' (اصلاح الرسوم ۹۷) مزید برآں لکھا ہے کہ ''اذان کی کل اٹھارہ فصلیں ہیں ہماری تمام کتب احادیث میں سب سے زیادہ مستند و معتبر کتب اربعہ میں...... ان سب میں اذان کی اٹھارہ فصول لکھی ہیں۔ کتاب الوافی اور وسائل الشیعہ میں اٹھارہ فصلیں درج ہیں نیز ہماری تمام چھوٹی اور بڑی فقہی کتابیں جو ہمارے دینی مدارس میں درساً پڑھائی جاتی ہیں۔ یعنی علامہ حلی کے تبصرہ سے لے کر محقق حلی کی شرائع الاسلام تک اور شہید اوّل کی لمعہ سے لے کر شہید ثانی کی شرح لمعہ تک تمام کتابوں میں اذان کے اٹھارہ جملے ہی لکھے ہیں۔ اسی طرح موجودہ دور کے تمام مراجع تقلید شیعانِ جہان کے رسائل عملیہ اور توضیحات المسائل میں اذان کے اٹھارہ کلمے ہی مذکور ہیں۔ انہی حقائق کی بنا پر رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمۃ

نے اذان کے اندر کمی وبیشی کرنے کو مفوضہ کی کارستانی قرار دیا ہے اور پھر مفوضہ پر لعنت کی ہے...... ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان میں اشہد ان علیاً ولی اللہ کا اضافہ انہی لوگوں (خاندانِ رسالت کی محبت و پیروی کے دعویداروں) کے ذہنی ابتکار کا شاہکار ہے" (اصلاح الرسوم صفحہ ۹۷،۹۸)

پس اس کتاب کے شائع ہوتے ہی ان الفاظ و عبارات کو بہانہ بنا کر مولویوں، ذاکروں، پیروں، ملنگوں اور باوا سرکاروں اور ان کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے خرکاروں نے وہ ہڑبونگ مچایا اور پورے ملک میں وہ طوفانِ بدتمیزی کھڑا کیا کہ جس کا کسی بھی مہذب قوم کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چہ جائیکہ قوم شیعہ یا اس کے منبروں یا اس کی گردن پر مسلط لوگ مگر یہ سب کچھ ہوا اور دُنیا نے اپنی نظروں سے یہ تماشہ دیکھا اور ایسا کرنے والوں کی عقل وخرد اور دین و دانش کا ماتم کیا۔ حالانکہ عقل و دانش اور دین و دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ بموجب ارشاد خداوندی "بشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ" (اے رسول! میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دو جو ہر کہنے والے کی بات کو توجہ سے سنتے ہیں اور پھر عمدہ بات کی پیروی کرتے ہیں اور فرمان مرتضوی انظر الی ماقال ولا تنظر الی من قال۔

(ہمیشہ یہ دیکھو کہ کہنے والے کی بات کیا ہے...... یہ نہ دیکھو کہ اس کی ذات کیا ہے)

ان حقائق کو ٹھنڈے دل و دماغ سے پڑھتے اور سنتے پھر یا تو قبول کرتے یا اپنے مرجع کی طرف رجوع کرکے ان کے فتویٰ پر عمل کرتے یا پھر علمی متانت، خاندانی رزانت اور دلائل کی طاقت سے ان حقائق کا رد اور توڑ پیش کرکے ان کو غلط ثابت کرتے۔ اور قطعی دلائل سے ثابت کرتے کہ جو اذان خدا نے مقرر فرمائی۔ جو جبرئیل امین بارگاہِ رب جلیل سے

بارگاہ رسالت میں لائے اور جواذان آنحضرتؐ نے اپنے مؤذن جناب بلالؓ کو تعلیم فرمائی اور جواذان جناب بلالؓ آنحضرتؐ کے آخری لمحاتِ حیات تک دیتے رہے اس میں شہادت ثالثہ داخل تھی۔ اسی طرح تاریخ اسلام اور فرمانِ آئمہ علیہم السلام سے ثابت کرتے کہ حضرت علی علیہ السلام سے لے کر حضرت امام زمانہ تک آئمہ اہلبیت جواذان دیتے تھے یا اپنے شیعوں کو تعلیم فرماتے تھے۔ اس میں شہادتِ ثالثہ شامل تھی۔ یعنی اذان کے فصول بیس تھے تو اس سے سرکار علامہ نجفی صاحب کا دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا اور دنیا ان لوگوں کے علم و فضل اور تحقیق و تدقیق کی داد دیتی اور ان کے ہنر و کمال کا لوہا مان جاتی۔ اور پھر علامہ صاحب بھی تسلیم کر لیتے اور وہ اپنے قلم سے اسے جز واذان لکھ دیتے اور سارا جھگڑا ختم ہو جاتا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ نہ تقریریں اور نہ تحریریں

تقریروں میں جو کچھ ہوا اور جس بھونڈے انداز میں ہوا اور امیر شام کی سنت پر جس طرح عمل ہوا اس کا اجمالی تذکرہ اس کتاب کے مقدمہ میں کیا جا چکا ہے۔ اب آیئے آپ کو ایک جھلک دکھائیں۔ کہ جوابی کتابوں کی تحریروں میں علم و فضل کے کیا کیا گل کھلائے گئے ہیں اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دلائل کے کیا کیا انبار لگائے گئے ہیں؟

اور علامہ صاحب کی سخت کلامی کا شکوہ کرنے والوں نے خود اسلامی اخلاق کے کیا اعلیٰ نمونے پیش فرمائے ہیں۔

ایضاح الموہوم کا تذکرہ

باملاحظہ ہوشیار!! چنانچہ انہی جواب لکھنے والوں میں سرکار علامہ کا ایک سبق حرام، بے ادب گستاخ اور تاجر خون حسینؑ بھی ہے جس نے سب سے پہلے اصلاح الرسوم کے جواب

میں ایضاح الموہوم لکھ کر بقول سعدی شیرازی

ع کم ذات چوں عالم شود بخشش کند استاد را

اپنی کم ذاتی کم ظرفی اور بد باطنی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ جس کا حرف اول کسی ابن زیاد نے لکھا اور مقدمہ اس جاہل مرکب نے تحریر کیا ہے۔ جس کا زائچہ شمر ذی الجوشن نے لکھا ہے اور اس کی تقریظ پاکستان میں شیخیوں کے سب سے بڑے ایجنٹ نے لکھی ہے۔

بہر حال وہ اصلاح الرسوم کی مندرجہ بالا عبارت کی خود ساختہ وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یعنی بہت بڑی بدعت ہے اور ہر بدعت حرام، ضلالت اور جہنم کا ایندھن ہے۔ لہٰذا ڈھکو صاحب کے نزدیک یہ شہادت اذان میں بدعت حرام ضلالت اور جہنم کا ایندھن ہے" (ایضاح الموہوم صفحہ ۴۸) حالانکہ اصلاح الرسوم کی پوری بحث اذان میں جو صفحہ ۹۶ سے شروع ہو کر صفحہ ۹۹ کی سطر ۸ پر جا کر ختم ہوتی ہے کہیں بھی لفظ بدعت، یا لفظ حرام یا لفظ ضلالت یا لفظ جہنم کا ایندھن مذکور نہیں ہے۔ مختلف مقامات سے اینٹ اور روڑے اکٹھے کر کے کنبہ جوڑا جا رہا ہے۔ مثلاً تیسرے باب کا عنوان ہے "بدعات" یہ ایک اینٹ ہے۔ "اختراع وایجاد کا معنی بدعت ہے یہ دوسرا روڑا ہے۔ بدعت حرام ہے۔ یہ تیسرا روڑا لہٰذا اذان میں شہادت ثالثہ بدعت اور حرام ہے یہ بھان متی کا کنبہ ہے۔ یعنی

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا

حالانکہ بحث اذان سے پہلے جو قریبی عنوان ہے وہ یہ ہے "اذان میں تحریف" (اصلاح الرسوم صفحہ ۹۵) اور یہ لفظ بدعت کا مترادف نہیں ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں خدائے جبار فرماتا ہے۔ "والذین فی قلوبھم زیغ یتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنہ وابتغاء تاویلہ" کہ جن لوگوں کے دِل ٹیڑھے ہوتے ہیں وہ فتنہ وفساد پھیلانے

کی خاطر متشابہات کی پیروی کرتے ہیں اور غلط تاویلیں کرتے ہیں'' الغرض۔

ہر طرح فتنے جگاتے ہیں جگانے والے
آگ پانی میں لگاتے ہیں لگانے والے

پھر صفحہ ۷۶ پر لکھتے ہیں ''مولانا ڈھکو صاحب نے اپنی کتاب اصلاح الرسوم کے صفحہ ۹۶ سے لے کر صفحہ ۹۹ تک نہ جانے کس کس کی ضد میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اذان کے باب میں صرف اور صرف یہی ثابت کیا ہے کہ اشھدان علیا ولی اللہ اذان و اقامت میں اختراع ہے زمانہ مابعد کی ایجاد ہے۔ نہاں خانہ دماغ کے سوا ہماری کسی بھی مستند فقہی کتاب میں درج نہیں ہے یعنی بدعت اور حرام ہے۔ افسوس صد افسوس مولانا موصوف نے اتنی وسعت نظر کے دعویدار ہونے کے باوجود صدر المحققین اور سلطان المتکلمین ہونے کے باوجود، اجتہاد کے مدعی ہونے کے باوجود آیات قرآنی، فرامین معصومین علیہم السلام اور تاریخی حقائق کی روشنی میں استنباط فرما کر کلمہ ''اشھدان علیا ولی اللہ کو اذان و اقامت میں نہ جز ثابت کیا ہے نہ مستحب نہ تبرکا نہ تیمنا اور نہ قربۃ الی اللہ (ایضاح الموسوم صفحہ ۷۶) جناب من ۔علامہ ڈھکو صاحب مجبور ہیں۔ وہ پابند شریعت ہیں آپ کی طرح خلیع العذار اور مطلق العنان نہیں ہیں کہ اپنے خیالات و قیاسات پر احکام کی دیوار استوار فرمائیں یا شریعت میں اپنے قیاسات کے گھوڑے دوڑائیں۔

وہ مجتہد ضرور ہیں مگر شیعہ کے اجتہاد کی چکی اللہ کے قرآن اور چودہ معصومینؑ کے فرمان کے قطب کے اردگرد گھومتی ہے۔ بنابریں جو چیز نہ قرآن میں ہو۔ نہ چودہ کے فرمان میں اور نہ ہی معصومینؑ کے عمل میں تو وہ اسے بلا سند و بلا دلیل کس طرح مستحب یا تبرک و تیمن قرار دے سکتے ہیں؟؟ اگر نبیؐ نے یا کسی امامؑ نے اذان و اقامت میں یہ فقرہ پڑھا ہوتا یا کسی

کو پڑھنے کا حکم دیا ہوتا۔ تو یہ فقرہ مستحب ہوتا اور اگر نبیؐ و امامؑ نے یہ تبرک و تیمن حاصل کیا ہوتا تو دوسروں کے لیے بھی تبرک و تیمن قرار پاتا۔ مگر یہ بات قرآنی آیات اور معصومینؑ کی روایات اور تاریخی شواہد و حقائق سے ثابت نہیں ہے۔ تو سرکار علامہ ڈھکو صاحب جیسا صدر المحققین اور ذمہ دار عالم دین کس طرح بلا بینہ و برہان ایسا فتویٰ دے سکتا ہے؟؟

قوم کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ اگر شہادت ثالثہ مستحب ہے تو کیا محمدؐ و آل محمد علیہم اللہ اس مستحب کے تارکِ تھے اور اگر یہ اولیٰ ہے تو کیا وہ تارک اولیٰ تھے؟

ذرا زحمت فرما کر یہ دعویٰ آپ ثابت کر دیں، ہم ضمانت دیتے ہیں کہ سرکار موصوف اس فقرہ کو اپنے قلم سے جزء اذان و اقامت قرار دے دیں گے۔

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے۔ فیصلہ دل کا؟

بعد ازاں صاحب الیضاح الموہوم نے سر الایمان اور الشہادۃ الثالثہ فی الاذان جیسے عربی رسائل سے جو ۱۹۵۸۔۱۹۵۷ء میں خاص ضرورت کے تحت نجف اشرف میں شائع ہوئے تھے نقل کرتے ہوئے تقریباً بہتر علماء و فقہاء کے فتاویٰ نقل کیے ہیں۔ جن میں سے بعض نے شہادت ثالثہ کو اذان میں مستحب قرار دیا ہے۔ بعض نے بطور تبرک و تیمن پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اور بعض نے قربۃ الی اللہ کے قصد سے اسے پڑھنے کا فتویٰ دیا ہے۔''

ہم الیضاح الموہوم کے طفل مکتب مرتب پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مذہب شیعہ خیر البریہ میں کسی بھی مجتہد کا فتویٰ صرف اس کی ذات یا اس کے مقلدین کے لیے حجت ہوتا ہے دوسروں کے لیے سند نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر آپ بہتر کی بجائے ہزار فقہاء کے فتاویٰ بھی نقل کر دیں تو پھر بھی اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ورنہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر ان مجتہدین کا فتویٰ علامہ ڈھکو صاحب کے لیے حجت ہے تو پھر ان کا فتویٰ اُن کے لیے کیوں حجت نہیں ہے؟؟

یہاں صرف دلیل سے بات بنے گی۔ اور دلیل بھی وہ جو قرآنی آیات سے ہو یا معصومین علیہم السلام کے مستند روایات سے ہو غرضیکہ وہ ثبوت سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی گفتار سے ہو یا ان کی روش و رفتار سے ہو اور جب تم ایسا نہیں کر سکتے (اور صبح قیامت کے طلوع ہونے تک نہیں کر سکتے) تو پھر آئیں بائیں شائیں کرنے سے احکام شریعت ثابت نہیں ہو سکتے۔

تو ئی نشنا سندہ راز است و گرنہ

اینہا ہمہ راز است کہ معلومِ عوام است

بعد ازاں صاحب ایضاح الموہوم اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۰ پر زیر عنوان "شہادت ثالثہ کے مخالف صرف شیخ صدوق کیوں؟؟" لکھتے ہیں "اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں قم کے فقہاء میں سے شہادت ولایت کی اذان واقامت میں مخالفت کرنے والوں میں صرف ایک شیخ صدوق کا نام لیا جاتا ہے اور آج تک مولانا ڈھکو صاحب بھی قوم شیعہ کو یہ نہ بتا سکے کہ اس صدی کے اور کس کس فقیہہ نے اس فتویٰ میں شیخ صدوق کی تائید کی ہے؟ جب کہ شیخ صدوق کا زمانہ غیبت کبریٰ کا زمانہ تھا اور شیخ صدوق کے ہمعصر قم کے ایک مورخ علامہ حسن بن محمد بن حسن قمی متوفی ۳۷۸ھ نے تاریخ قم کے باب ۱۶ میں لکھا ہے کہ ان کے زمانہ میں قم کے شیعہ فقہاء مجتہدین کی تعداد ۲۶۶ تھی جب کہ علماء اہلسنت کی تعداد ۱۴ تھی۔ علامہ مجلسی کے والد علامہ محمد تقی مجلسیؒ نے اللوامع شرح من لایحضرہ الفقیہہ صفحہ ۱۴۹ طبع ایران میں تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ شیخ صدوق کے والد کے زمانہ میں قم میں دو لاکھ محدثین مقیم تھے۔ حوزہ علمیہ قم کے اتنے کثیر تعداد اعلام میں سے صرف شیخ صدوق کا نام ہی کیوں ملتا ہے کہ وہ شہادت ولایت در اذان کے منکر تھے۔ اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ تمام کے تمام فقہاء اس فتویٰ میں شیخ صدوق کے مخالف تھے اور وہ سب کے سب شہادت الولایہ

فی الاذان کے حامی و مؤید تھے (صفحہ ۱۹۰ الیضاح الموہوم)

مؤلف الیضاح نے یہاں صفحہ ۱۹۰ پر یہ بتایا ہے کہ اس شہادت کے منکر صرف شیخ صدوق ہیں۔ اور صرف دو صفحہ کے بعد (صفحہ ۱۹۳) پر زیر عنوان ''منکرین شہادت ولایت دراذان'' لکھتے ہیں۔ ''ہم قوم کو اس حقیقت سے برملا آگاہ کرنے کی جسارت کرتے ہیں کہ عہد رسالت سے لے کر موجودہ دور تک منکرین شہادت ولایت علی دراذان بلکہ دشمنان شہادت ولایت صرف اور صرف دو شیخ ہیں شیخ خالصی اور شیخ محمد حسین ڈھکو تیسرا کوئی نہیں (۱۰۳ الیضاح) الیضاح کے مرتب کی اس روش و رفتار کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اہل حق کی شدید مخالفت کی وجہ سے عقل و ہوش کھو بیٹھے ہیں اور ان پر ہزیانی کیفیت طاری ہوگئی ہے۔ کبھی چودہ سو سال کی مدت میں صرف ایک منکر شہادتِ ولایت بتاتے ہیں اور کبھی ان کو چھوڑ کر صرف اور دو بتاتے ہیں اور تیسرے کی نفی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ الغرض گویا وہ زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔

کبھی گرتا ہوں ساغر پر کبھی جھکتا ہوں مینا پر
میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

اذان میں شہادت ثالثہ کب داخل ہوئی؟

قبل اس کے کہ ہم مؤلف کی اس دروغ گوئی کا پردہ چاک کریں ہم قارئین کرام کو بڑے اختصار کے ساتھ اذان میں شہادت ثالثہ کے ادخال و اضافہ کی تاریخ سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں جس سے اور بھی بہت سارے رازہائے بستہ فاش ہوجائیں گے اور حق و حقیقت روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوجائے گی۔ انشاء اللہ سو واضح ہو کہ جیسا کہ سرکار علامہ

ڈھکو صاحب نے اصلاح الرسوم کے صفحہ ۹۷ پر لکھا ہے کہ "اب رہی یہ بات کہ اس کا اضافہ کب ہوا کس نے کیا۔ اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہے۔ البتہ شیخ صدوق علیہ الرحمۃ (متوفی ۳۸۱ھ) کی کتاب من لا یحضرہ الفقیہ سے (جو چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئی) معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک یہ فقرہ رائج ہو چکا تھا۔ جبھی تو ان کو اس کے خلاف آواز بلند کرنا پڑی" اس اجمال کی بقدر ضرورت یہاں کچھ تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمۃ ۳۰۶ھ میں بمقام قم پیدا ہوئے اور ۳۸۱ھ میں پچھتر سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ وہ ۳۲۹ھ تک (جو کہ ان کے والد ماجد اور حضرت شیخ کلینیؒ کا سنہ وفات ہے) قم میں مقیم رہے اور اپنے والد ماجد اور قم مقدسہ کے دوسرے علماء و فقہا سے علم و فضل حاصل کرتے رہے جب ۳۲۹ھ سے امام زمانہؑ کی غیبت کبریٰ شروع ہوتی ہے اس وقت تک اذان میں شہادت ثالثہ کا کہیں کوئی نام و نشان نظر نہیں آتا ورنہ حضرت شیخ کلینیؒ جن کی ولادت ۲۵۰ھ میں ہوئی (امام زمانہؑ کی ولادت سے پانچ سال پہلے) اور وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی (یعنی امام زمانہؑ کی غیبت کبریٰ والے سال) اور انہوں نے اپنی زندگی کے ۶۹ سال غیبت صغریٰ کے دور میں گزارے۔ دس سال امام حسن عسکری علیہ السلام کے حین حیات میں اور ۶۹ سال امام زمانہؑ کی غیبت صغریٰ کے زمانہ میں اور اس دوران اپنی یگانۂ روزگار کتاب اصول و فروع کافی بیس سال کی مدت میں محنت شاقہ برداشت کر کے تالیف فرمائی جو کہ سولہ ہزار سے زائد احادیث پر مشتمل ہے۔ انہوں نے اذان و اقامت سے متعلق 35 حدیثیں درج کی ہیں مگر شہادت ثالثہ کے بارے میں ایک روایت بھی درج نہیں کی۔ وہی اٹھارہ فصول والی اذان لکھی ہے حالانکہ بقول مؤلف ایضاح ان کے دور میں ۲۶۶ یا دو لاکھ علماء فقہاء موجود تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ صدوق کو اپنے والد ماجد

کے علاوہ دولاکھ (فرضی) فقہاء و علماء سے بھی شہادت ثالثہ کے بارے میں کوئی ایک آدھ حدیث بھی نہ مل سکی ورنہ وہ اسے اپنی کتاب میں ضرور درج کرتے۔ باقی رہی ان علماء کی تائید یا تردید؟ تو جب اس وقت اس شہادت کا کوئی نام ونشان ہی نہ تھا تو وہ اس کی تردید یا تائید کس طرح کرتے؟ ورنہ اگر ہمت ہے تو اپنے فرضی دولاکھ علماء میں سے صرف دو علماء کی جانب سے اس فقرہ کی تائید ثابت کردیں اور ہم سے منہ مانگا انعام حاصل کریں یہاں یہ امر بھی مدنظر رہے کہ آج ایک ہزار سال کے بعد بھی پورے قم کی آبادی شاید دولاکھ نفوس پر مشتمل نہیں ہے۔ تو اس وقت صرف وہاں کے علماء و مجتہدین کی تعداد دولاکھ کہاں سے آگئی تھی؟ نقل کے لیے عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاریخ گھڑی نہیں جاتی جسے کوئی ترکھان گھڑے۔ بلکہ وہ بیان کی جاتی ہے۔ یا سعد الابل خلاصہ کلام اینکہ ان کے بعد حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمہ متوفی ۴۶۵ھ (جو کتب اربعہ میں سے دو کتابوں یعنی تہذیب الاحکام اور الاستبصار کے مؤلف ہیں) نے اپنی تہذیب و استبصار میں (جو ہزاروں حدیثوں پر مشتمل ہیں) وہی اٹھارہ فصول والی اذان درج فرمائی ہے جو حضرت شیخ کلینیؒ اور حضرت شیخ صدوقؒ نے آئمہ اہلبیت کی صحیح السند حدیثوں کی روشنی میں درج فرمائی تھی۔

بعد ازاں گیارہویں صدی ہجری میں حضرت علامہ فیض کاشانیؒ نے کتب اربعہ کی حدیثوں کو مختصر تشریح و توضیح کے ساتھ یکجا جمع کیا اور اس عظیم کتاب کا نام "الوافی" رکھا۔ اس میں بھی شہادت ثالثہ دراذان کے بارے میں کوئی حدیث نہیں ہے۔ وہی اٹھارہ فصول والی اذان مذکور ہے۔ ان کے بعد علامہ محقق جناب شیخ حر عاملی متوفی (۱۱۰۴ھ) نے اپنی مشہور آفاق کتاب وسائل الشیعہ تالیف فرمائی۔ جس میں کتب اربعہ کے علاوہ سینکڑوں کتب احادیث کا انتخاب لاجواب موجود ہے۔ مگر اس میں بھی شہادت ثالثہ کے متعلق کوئی

حدیث درج نہیں ہے۔ وہی اٹھارہ جملوں والی اذان کا تذکرہ ہے بعد ازاں ان کے معاصر حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ متوفی (۱۱۱۱ھ) اپنی دائرۃ المعارف بحار الانوار لکھی مگر اس میں بھی شہادت ثالثہ در اذان کے سلسلہ میں کوئی ایک حدیث بھی نہیں ملتی۔ اور سب کے آخر میں خاتمۃ المحدثین جناب محدث نوری نے چودھویں صدی ہجری میں مستدرک الوسائل اور ان کے تلمیذ رشید محدث قمیؒ نے سفینۃ البحار لکھی۔ مگر انہوں نے بھی وہی اٹھارہ فصلوں والی اذان ہی تحریر فرمائی۔ اور شہادت ثالثہ کے بارے میں کسی حدیث کے موجود ہونے کی شہادت فراہم نہیں فرمائی اور یہی کیفیت ہماری فقہی کتابوں کی ہے۔ کہ علامہ حلیؒ کے تبصرہ سے لے کر شرائع الاسلام اور اس کی شرح "مدارک و مسالک" اور جواہر الکلام و غنائم الایام تک، اور لمعہ اور اس کی شرح لمعہ وغیرہ تک نہ کوئی آیت ہے اور نہ سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی کوئی روایت ہے ان حقائق کی روشنی میں صدر المحققین علامہ محمد حسین النجفی مدظلہ، کا یہ قول کس قدر مبنی بر حقیقت ہے کہ "یہ کہنا بلا مبالغہ درست ہے کہ اذان کے بیس فصول والی بات ان لوگوں کے نہاں خانہ دماغ کے سوا ہماری کسی مستند فقہی کتاب میں درج نہیں ہے" (اصلاح الرسوم صفحہ ۹۹) اس سے جز بز ہونے اور ناک بھوں چڑھانے کی کیا ضرورت ہے، قل ھا تو برھا نکم ان کنتم صادقین۔

بہر حال اذان میں شہادت ثالثہ کے اضافہ و ادخال پر گفتگو ہو رہی تھی کہ یہ اضافہ کس وقت اور کس دور اور کس سن و سال میں ہوا؟ تو تاریخی شواہد و قرائن سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ کام چوتھی صدی کے وسط میں عمل میں لایا گیا جبکہ ایران میں آل بویہ کی حکومت قائم ہوئی کیونکہ یہ بات تاریخ کے طالب علموں پر پوشیدہ نہیں ہے کہ جب ۳۳۸ھ میں (امام زمانہؑ کی غیبت کبریٰ کے آٹھ نو سال بعد) ایران میں بنی عباس کی حکومت ختم ہوگئی اور

آل بویہ کے شیعہ سلاطین کو اقتدار حاصل ہوا اور وہ ۴۴۷ھ تک برسرِ اقتدار رہے۔ اور شیعیان علیؑ جو مدتوں سے دشمن آل محمد حکام وسلاطین کے ظلم وجور کی چکیوں میں پس رہے تھے۔ پہلی بار سکھ کا سانس لیا۔ اور امن وچین اور پوری آزادی سے اپنی زندگیاں گزارنے لگے۔ اور اس دور میں مفوضہ فرقہ نے (جو کہ غالیوں کی ہی ایک قسم ہے) وہ گل کھلائے جو اب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ صدوقؒ ۳۳۹ھ تک (یعنی امام زمانہ کی غیبت کبریٰ کے دس سال بعد تک) قم ہی میں مقیم رہے۔ اس کے بعد انہوں نے مختلف دیار وامصار کے سفر اختیار کیے۔ چنانچہ ۳۴۷ھ میں رے ۳۵۲ھ میں مشہد وبغداد اور نیشا پور تشریف لے گئے ۳۵۴ھ میں کوفہ اور ۳۵۵ھ میں دوبارہ بغداد کا سفر کیا اور ۳۶۸ھ میں ایلاق جاتے ہوئے پھر نیشا پور قیام فرمایا جب قم سے باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ دیلمی حکومت میں مفوضہ بالکل شتر بے مہار کی طرح آزاد ہو گئے ہیں اور ایسی ایسی حدیثیں گھڑ گھڑ کر بیان کر رہے ہیں جن کا علماء قم کو کوئی علم نہیں ہے۔ چنانچہ جب وہ نیشا پور پہنچے تو وہاں کے علماء وفقہاء نے آپ سے درخواست کی کہ وہ مذہب شیعہ کے عقائد پر ایک تحقیقی کتاب لکھ دیں چنانچہ حضرت شیخ نے نیشا پور کے مجتہدین ومحدثین کی درخواست پر ۱۲ شعبان بروز جمعہ ۳۶۸ھ ۴۴ ابواب پر مشتمل عقائد شیعہ پر ایک کتاب لکھی جو کہ عقائد شیخ صدوق کے نام سے مشہور ہے جسے پڑھ کر تمام مجتہدین ومحدثین نے اسے "دین امامیہ" قرار دیا ہے۔ اسی کتاب کے باب نمبر ۳۷ میں حضرت شیخ صدوقؒ نے مفوضہ کی مذمت اور ان کے عقائد باطلہ کی تفصیل درج کی ہے اور اسی رسالہ اعتقادیہ کی مکمل اور مفصل شرح سرکار علامہ محمد حسین النجفی مجتہد العصر نے اردو زبان میں لکھ کر اور شائع کر کے قوم شیعہ پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ بہر حال اس سفر میں جب حضرت شیخ نیشا پور سے ایلاق پہنچے اور

۳٦۸ھ میں قم پہنچے تو وہاں جناب سید محمد بن حسن بن اسحاق نے ان سے فرمائش کی کہ وہ ابن زکریا رازی کی کتاب کی طرز پر فقہ امامیہ پر ایک کتاب لکھ دیں چنانچہ انہوں نے ان کی درخواست پر من لایحضرہ الفقیہہ لکھی (جیسا کہ پہلے یہ حقیقت بیان کی جا چکی ہے) اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یعنی ۳۷۹ھ تک شہادت ثالثہ اذان میں داخل ہو چکی تھی۔ چونکہ اب تک آل بویہ کی حکومت کو قائم ہوئے پورے اکتیس (۳۱) سال گزر چکے تھے اور چونکہ سلاطین بویہ شہادت ثالثہ کا اعلان کرنے والوں کو شیعہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا مفوضہ کی دیکھا دیکھی دوسرے شیعوں نے بھی اسے اظہار ایمان کے طور پر اپنا لیا تھا اس لیے حضرت شیخ صدوقؒ نے اس کتاب کے باب الاذان میں بروایت ابوبکر حضرمی اور کلیب اسدی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی حدیث شریف درج کرنے کے بعد جو کہ اٹھارہ فصول پر مشتمل ہے فرماتے ہیں۔

''ھذا ھو الاذان الصحیح لایزاد فیہ ولا ینقص منہ و المفوضۃ لعنھم اللہ قدوضعوا اخباراً وزادوا فی الازان محمد وال محمد خیرالبریۃ مریتن وفی بعض روایا تھم بعد اشھد ان محمداً رسول اللہ، اشھد ان علیاً ولی اللہ مرتین و منھم من رویٰ بدل ذلک اشھدان علیاً امیر المومنین حقاً مرتین ولا شک ان علیاً ولی اللہ وانہ امیر المومنین حقاً وان محمداً و آلہ صلوات اللہ علیھم خیر البریۃ لاکن لیس ذلک من اصل الاذان وانما ذکرت ذلک لیعرف بھزہ الزبادہ المدسّون انفسھم فی جملتنا ولیسوا امنا''

یہ ہے وہ صحیح اذان جس میں نہ زیادتی روا ہے اور نہ کمی کرنا مباح ہے مفوضہ پر خدا

لعنت کرے جنہوں نے کچھ اخبار گھڑ لیے ہیں اور اذان میں محمد و آل محمد خیر البریہ دوبار اور ان کے بعض اخبار کے مطابق اشھدان محمداً رسول اللہ کے بعد دوبار اشھدان علیاً ولی اللہ دوبار کہتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ علیؑ اللہ کے ولی ہیں اور وہ یقیناً مومنوں کے امیر بھی ہیں اور حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام خیر البریہ بھی ہیں مگر یہ جملے اصل اذان سے نہیں ہیں اور یہ وضاحت میں نے اس لیے کر دی ہے تاکہ اس زیادتی کے ذریعہ وہ لوگ پہچان لیے جائیں جو متہم بالتفویض ہیں۔ اور دھوکہ سے اپنے آپ کو ہم (شیعوں) میں داخل کرتے ہیں جب کہ وہ ہم میں سے نہیں ہیں"

(چوتھی صدی سے لے کر پندرھویں صدی تک شہادت ثالثہ کے بارے میں چند علماء محققین کی رائے)

یہ ہے۔ حضرت شیخ صدوقؒ کی شہادت ثالثہ دراذان پر تنقید شدید کا پس منظر۔ چونکہ ان کے دور میں پہلی بار یہ فقرہ اذان جیسی توقیفی عبادت میں داخل کیا گیا تھا تو انہوں نے جوش للہی کے جذبے سے سرشار ہو کر اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ جس پر مؤلف "ایضاح" جز بز ہوئے۔ اور اپنی کتاب صفحہ ۴۹ پر ان کے بارے میں ہرزہ سرائی اور ژاژ خائی کر کے اپنی عاقبت کو تباہ کر رہے ہیں۔ سچ ہے کہ ماہ نور می افشاند وسگ بانگ می زند۔ سگ را بگو کو خشم تو با ماہتاب چیست؟

نیز قارئین کرام حضرت شیخ کے کلام کو پڑھیں کہ آیا اس میں جزء اذان سمجھ کر کسی قسم کے اضافہ کی ممانعت کی گئی ہے۔ یا ہر قسم کی کمی وبیشی سے سختی سے منع کیا گیا ہے حضرت شیخ

صدوقؒ نے واضح کر دیا ہے کہ اذان صرف وہ ہے جو اٹھارہ فصول والی ہے۔

(۲) ان کے بعد شیخ طوسیؒ کا دور آیا۔ ان کے سامنے مفوضہ کی من گھڑت حدیثیں موجود تھیں مگر انہوں نے ان کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور تہذیب و استبصار میں صرف وہی حدیثیں درج فرمائیں جن میں یہ فصول اذان اٹھارہ بیان ہوئی ہیں اور نہایہ میں بھی یہی روش برقرار رکھی البتہ جب وہ اپنی کتاب المبسوط لکھ رہے تھے اور شہادت ثالثہ در اذان روز بروز پھیلتی جا رہی تھی تو اس میں انہوں نے یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھی کہ "اما قول اشھدان علیاً امیر المومنین و آل محمد خیر البریہ علی ما ورد فی شواذ الاخبار فلیس بمعول علیه ولو فعله الانسان لم یأثم به (یأثم ن د) یعنی اشھدان علیاً امیر المومنین و آل محمد خیر البریہ جو کہ بعض شاذ روایات میں وارد ہے۔ وہ قابل اعتماد نہیں ہیں اور اگر کوئی شخص یہ کہے تو گنہگار نہ ہوگا (پرانے نسخہ میں یاثم ہے) یعنی گنہگار ہوگا کتاب المبسوط حال میں ایران میں تصحیح کے ساتھ شائع ہوئی ہے اس میں یاثم بہ وارد ہے جس کا ترجمہ ہے۔ کہ اگر کوئی یہ فقرہ کہے تو وہ گنہگار ہوگا۔

(۳) شیخ عبدالجلیل قزوینی اپنی کتاب "الیقین" میں لکھتے ہیں جو کہ ۵۶۶ھ میں لکھی گئی ہے۔ "اگر کسے در فصولِ۔ بانگِ نماز بعد از شہادتین بگوید اشھدان علیا ولی اللہ۔ بانگ نماز باطل باشد۔ و نام علیؑ در بانگِ نماز بدعت است"

(۴) حضرت محقق حلی علیہ الرحمہ (متوفی ۶۷۶ھ) نے شرائع الاسلام میں تو اس شہادت ثالثہ کا نفیاً یا اثباتاً کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا۔ البتہ اپنی کتاب المعتبر میں فصول اذان پر گفتگو کرنے اور اٹھارہ فصول ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "وما یقال من الزیادة علی ذلک فھو بدعة" اور جو کچھ اس سے زائد (اذان میں) کہا جاتا ہے وہ بدعت ہے۔

(۵) جناب علامہ حلیؒ اپنی کتاب ''تذکرۃ الفقہاء'' میں اذان کی بحث میں فرماتے ہیں اما ماروی فی شواذ الاخبار من قول ان علیًا ولی اللہ و آل محمد خیر البریۃ فمما لایعمل علیہ فی الاذان فمن عمل بہ کان مخطئاً ''یہ جو بعض شاذ (ونادر) اخبار میں وارد ہے یعنی ''علیاً ولی اللہ و آل محمد خیر البریہ یہ اذان میں نا قابل عمل ہے اور جو شخص ایسا کرے وہ خطا کار یعنی گنہگار ہے''

(۶) جناب شہید اول علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ''اللمعہ'' میں فصول اذان و اقامت کے تذکرہ کے بعد فرماتے ہیں ''ولا یجوز اعتقاد شرعیۃ غیر ھذہ الفصول فی الاذان والاقامۃ کا الشھادۃ بالولایہ وان محمد اُو آلہ خیر البریہ وان کان الواقع کذلک ''یعنی ان فصول کے علاوہ کسی اور چیز کے جائز ہونے کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے جیسے شہادت بالولایہ یا یہ کہنا کہ ان محمداً و آلہ خیر البریہ'' اگرچہ وہ حضرات دراصل ایسے ہی ہیں بنا بریں حضرت شہید اول کے اس فتویٰ سے واضح ہے کہ اذان میں کسی قسم کی کوئی کمی یا بیشی کرنا جائز نہیں ہے۔

(۷) بعد ازاں حضرت شہید ثانی (متوفی ۹۶۵ھ) نے اس کی شرح میں لکھا ''لعلی علیہ السلام و ان محمداً والہ خیر البریۃ او خیر البشر وان کان الواقع کذلک فما کل واقع حقاً یجوز ادخالہ فی العبادات المفروضۃ شرعاً المحدودۃ من اللہ تعہ فیکون ادخال ذلک فیھا بدعۃ و تشریعاً کما لوزادفی الصلوٰۃ رکعۃ او تشھداً ونحوذلک من العبادات وبالجملہ فزلک من احکام الایمان لامن فصول الاذان''

یعنی جیسے اذان میں اشھدان علیاً ولی اللہ یا اشھدان محمد والہ خیر البریہ یا خیر البشر کہنا جائز

نہیں ہے اگر چہ حقیقت الامر اسی طرح ہے۔ مگر ایسا تو نہیں ہے کہ ہر وہ چیز جو حق ہو اسے ان عبادات میں داخل کر دیا جائے جو خدا کی طرف سے فرض ہیں اور اسی کی طرف سے ان کی حد بندی کی جا چکی ہے پس اس امر کا اذان میں داخل کرنا بدعت ہوگا اور اپنی طرف سے شریعت سازی ہوگی (جو کہ حرام ہے) جیسے کوئی شخص نماز میں ایک رکعت یا تشہد کا اضافہ کر دے (کہ یہ بدعت بھی ہے اور حرام بھی) خلاصہ یہ ہے کہ اس بات کا تعلق احکام ایمان سے ہے نہ کہ فصول اذان سے"

نیز حضرت شہید ثانی روضی الجنان میں فرماتے ہیں "اما اضافة ان علیاً ولی الله وال محمد خیر البریه و نحو ذلک فبدعة و اخبار ھا موضوعة الخ ...... یعنی اذان میں علی ولی اللہ اور آل محمد خیر البریہ کا اضافہ کرنا بدعت ہے اور اس قسم کے اخبار وضعی اور جعلی ہیں" مدارس دینیہ کے ان مورکھ مدرسین پر تعجب ہوتا ہے کہ جو لوگ شب و روز طلبہ کو شرح لمعہ پڑھاتے ہیں وہ کس طرح اصلاح الرسوم کی مخالفت کا شغل فرماتے ہیں۔

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

بہر حال۔ گر ہمیں مکتب است و ہمیں ملا۔ کار طفلاں تمام خواہد شد

(۸) جناب مقدس اردبیلیؒ اپنی کتاب شرح ارشاد علامہ میں حضرت شیخ صدوقؒ کا کلام نقل کر کے فرماتے ہیں "فیبتغی اتباعه لانه الحق" اس کلام کی پیروی کی جانی چاہیے کیونکہ یہ برحق ہے (کہ اس جملہ کا اذاں میں داخل کرنا بدعت ہے)

(۹) جناب مجلسیؒ اوّل (متوفی ۱۰۷۰ھ) اپنی کتاب حدیقہ المتقین میں فرماتے ہیں "ہمچنین اشہد ان علیا ولی اللہ و محمد و علی خیر البشر و امثال انہا را نگوید اگر چہ علی ولی خدا است و محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و علی علیہ السلام بہتر از ہمہ خلائق اند ولیکن داخل اذان و اقامت نیست

''اسی طرح اشھدان علیا ولی اللہ اور محمد و علی خیر البشر (اذان و اقامت میں) نہ کہا جائے۔ اگرچہ حضرت علیؑ ولی خدا ہیں اور جناب نبیؐ و علیؑ تمام مخلوقات سے بہتر و برتر بھی ہیں مگر یہ شہادت اذان و اقامت میں سے نہیں ہے۔

(۱۰) جناب محقق سبزواری اپنی کتاب ''ذخیرۃ المعاد'' میں فرماتے ہیں ''واما اضافہ ان علیاً ولی اللہ وال محمد خیر البریہ و امثال ذلک فقد صرح الاصحاب بکونھا بدعۃ'' یعنی باقی رہا (اذان و اقامت میں) اشھدان علیا ولی اللہ وال محمد خیر البریۃ کا اضافہ تو اصحاب نے تصریح کی ہے کہ یہ بدعت ہے۔''

(۱۱) حضرت علامہ ملا محسن کاشانی صاحب تفسیر صافی (متوفی ۱۰۹۱ھ) نے اپنی مشہور آفاق کتاب ''الوافی'' میں اذان سے متعلقہ تمام حدیثوں کو جمع کرنے کے بعد حضرت شیخ صدوق کا مذکورہ بالا تبصرہ بلا کم و کاست نقل کر دیا ہے اور اپنی طرف سے اس پر کوئی نقد و تبصرہ نہیں کیا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انہیں حضرت شیخ کی تحقیق سے مکمل اتفاق ہے۔

(۱۲) حضرت شیخ حر عاملی علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۱۰۴ھ) سب سے بڑی حدیثوں کی اجتہادی کتاب وسائل الشیعہ کے مؤلف جس کی طرف رجوع کئے بغیر کسی مجتہد کا اجتہاد مکمل نہیں ہوتا) اپنی اس عظیم کتاب میں اذان کی تمام متعلقہ حدیثیں درج کرنے کے بعد آخر میں حضرت صدوق العلماء کا تبصرہ نقل کرتے ہیں اور خود اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے جس کا صریحی مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت شیخ کی تحقیق سے حرف بحرف متفق ہیں۔

(۱۳) جناب شیخ جعفر کاشف الغطاءؒ اپنی کتاب کشف الغطاء میں فرماتے ہیں ''لیس من الاذان قول اشھدان علیا ولی اللہ او ان محمداً و الہ خیر البریہ وان علیاً امیر المومنین حقا مرتین لانہ من وضع المفوضۃ لعنھم اللہ علی

ماقاله الصدوق ''یعنی اشہدان علیا ولی اللہ یا ان محمد وآلہ خیر البریہ یا اشہدان علیا امیر المومنین کا دودو بار کہنا اذان واقامت میں سے نہیں ہے کیونکہ یہ مفوضہ فرقہ لعنہم اللہ کی وضع اورمن گھڑت ہے۔''

(۱۴) جناب صاحب المواہب درۂ نجفیہ کی شرح میں فرماتے ہیں ''وکیف کان فلا اشکال فی عدم دخول ذلک فی ما هیة الاذان والاقوی انه لیس جزء مستحباً له لعدم الدلیل علی الجزئیة مطلقاً فالا تیان به بقصدها بدعة و تشریع

یعنی بہرحال اس بات میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ یہ (شہادت ثالثہ) اذان کی حقیقت میں داخل نہیں ہے۔ اور اقوی یہ ہے کہ یہ مستحبی اجزا میں سے بھی نہیں ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا اس شہادت کا بقصد جزئیت بجالانا بدعت ہے اور نئی شریعت سازی ہے (جو بالاتفاق حرام ہے)

(۱۵) جناب وحید بہبہانی اپنی کتاب شرح مفاتیح ملا فیض کاشانی میں فرماتے ہیں ''قد عرفت کیفیة الاذان والاقامة وان لیس فیهما اشهدان علیاًولی الله ولا محمد و آل محمد خیر البریة وغیره ذلک فمن ذکر شیئاً من ذلک بقصد کونه جزء لله ذان فلا شک فی حرمته لکونه بدعة''۔ یعنی آپ اس سے پہلے اذان واقامت کی کیفیت جان چکے ہیں اور یہ کہ ان میں اشہدان علیاً ولی اللہ یا اشہدان محمداً وآل محمد خیر البریۃ وغیرہ داخل نہیں ہیں۔ پس جو شخص بقصد جزئیت یہ جملے کہے اس کی حرمت میں کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بدعت ہے۔''

(۱۶) جناب آقائی شفتی اپنی کتاب تحفۃ الابرار میں تحریر فرماتے ہیں ''واما شہادت بہ

ثبوت ولایت۔ جناب امیر المومنین۔ پس از اجزاء اذان نیست نہ از اجزائے لازمہ ونہ از اجزاء مستحبہ وظاہرمی شود اطباق فقہاء براین'' یعنی جہاں تک حضرت امیر علیہ السلام کی ولایت کی گواہی کا تعلق ہے تو وہ اذان کے واجبی اور مستحبی۔ اجزاء میں سے نہیں ہے اور بظاہر اس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے''

(۱۷) جناب آقا سید علی بحر العلوم اپنی کتاب برہان الفقہ میں لکھتے ہیں۔'' واما قول اشھدان علیاً ولی اللہ و امیر المومنین و ما اشبہ ذلک مما یفید الشھادۃ بولایۃ الائمۃ بعد الشھادۃ بالرساتہ فلیس من فصول الاذان والا قامۃ باتفاق الفتویٰ بل النص '' یعنی اشھدان علیاً ولی اللہ یا اس سے ملتے جلتے جو پیغمبر اسلام کی رسالت کی گواہی کے بعد آئمہ اہلبیت کی ولایت کی گواہی پر مشتمل ہیں وہ بالاتفاق اذان واقامت کا جزء نہیں ہے''

(۱۸) جناب شیخ ملا علی زنجانی اپنی کتاب شرح قواعد علامہ میں لکھتے ہیں'' واما الشھادۃ علی ولایہ علی علیہ السلام فلیست منہ اجماعاً من المسلمین الّا بعض المفوضۃ کما حکاہ فی الفقیہ ''یعنی جہاں تک حضرت امیر علیہ السلام کی ولایت کا تعلق ہے تو سوائے بعض مفوضہ کے باقی سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ اذان کا جزء نہیں ہے۔

(۱۹) جناب آقائی شیخ محمد خالصیؒ حضرت شیخ صدوق کی طرح شہادت ثالثہ کو اذان و اقامت میں ناجائز جانتے ہیں۔

(۲۰) جناب علامہ سید صادق تہرانی نے اپنی کتاب شرح تبصرہ علامہ میں اذان کے اٹھارہ ج) فصول ثابت کرنے کے بعد شہادت ثالثہ کو بدعت ثابت کیا ہے۔

(۲۱) موجودہ دور کے تمام مراجع عراق وایران شام ولبنان اور پاکستان متفق ہیں کہ

اذان کے فصول (اجزاء) اٹھارہ عدد ہیں وبس سب کی فقہی کتابیں موجود ہیں۔ع

آزمائے جس کا جی چاہے

اب تو قارئین کرام پر واضح ہوگیا ہوگا کہ جو الفاظ حضرت علامہ ڈھکو صاحب نے اصلاح الرسوم میں استعمال نہیں کیے تھے مگر تاجران خون حسینؑ نے شور مچا مچا کر لوگوں کے کانوں کے پردے پھاڑ دیے تھے کہ انہوں نے یہ الفاظ کہے ہیں مگر دوسرے علماء اعلام اور فقہاء کرام نے وہ سب الفاظ استعمال کیے ہیں ''یہ بدعت ہے'' اپنی گھڑی ہوئی شریعت ہے'' خدا کی مقرر کردہ عبادت میں اضافہ ناجائز ہے وغیرہ وغیرہ۔

نیز ان حقائق سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ صرف شیخ صدوق یا صرف دو شیخ، شیخ خالصی اور شیخ ڈھکو ہی اس اضافہ وادخال کے مخالف نہیں بلکہ ایران وعراق کے فقہاء عظام اور علماء اعلام اس کے مخالف ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ تاجران خون حسینؑ ان علماء کے خلاف کیا فتویٰ صادر کرتے ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ اس اضافہ کے صرف ایک شیخ صدوق یا دو شیخ مخالف ہیں کتنا بڑا کذب صریح ہے (لعنت اللہ علیٰ الکاذبین)

الغرض قریباً دسویں صدی ہجری تک اسی شدومد کے ساتھ علماء وفقہاء اس اضافہ و ادخال کی مخالفت کرتے رہے پھر جوں جوں مفوضہ کی کثرت ہوتی گئی اور ان کا زور بڑھتا گیا اور شہادت ثالثہ کا رواج عام ہوتا گیا تو گیارھویں صدی کے بعد علماء وفقہاء نے اپنے فتوؤں میں کچھ لچک پیدا کرنا شروع کردی ان کو عجیب مشکل صورت حال کا سامنا تھا اگر یہ کہتے کہ یہ فقرہ جزء اذان ہے۔ تو ایمان رخصت ہوتا تھا اور اگر صاف کہتے کہ یہ اضافہ ناجائز وحرام ہے تو جان کے زیان کا اندیشہ تھا۔ اس لیے انہوں نے درمیانہ راستہ اختیار کیا کہ یہ فقرہ جزء اذان نہیں ہے بلکہ جزء ایمان ہے'' لہٰذا یہ فقرہ جزء اذان سمجھ کر نہ کہو البتہ مستحبی جزء

سمجھ کر کہو روح اذان سمجھ کر کہو تبرک وتیمن سمجھ کر کہو تکمیل شہادتین کا ذریعہ سمجھ کر کہو، رمز تشیع سمجھ کر کہو مباح سمجھ کر کہو۔ اذان میں کلام آدمی صرف مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ لہٰذا کلام آدمی سمجھ کر کہو۔ الی غیر ذلک من الاراء ۔ یہ اختلاف آراء وفتاویٰ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ شہادت ثالثہ دراذان خدا اور رسول کی طرف سے مقرر ومجوز نہیں ہے۔ ورنہ وہ بھی دوسرے اجزاء کی طرح جزء اذان ہوتی۔ تو اس میں آراء کا یہ اختلاف نہ ہوتا اور اس کے الفاظ میں کمی وبیشی نہ ہوتی۔ نیز ان حقائق کے بعد نام نہاد کتاب انتصار المظلوم کے مرتب ومؤلف کا یہ بیان بالکل ہی ہذیان معلوم ہوتا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ ''صاحب اصلاح الرسوم سے پہلے بڑے بڑے فحول علماء اور جید محققین گزرے ہیں کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ شہادت ثالثہ اشہدان علیا ولی اللہ کو اختراع لکھے...... آج تک کسی عالم نے اس کو بدعت، تحریف، اختراع تو اپنے مقام پر مکروہ بھی نہیں فرمایا بلکہ اسی اذان کو بابرکت فرمایا (انتصار المظلوم) سچ ہے کہ ۔

آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

ہم اس مقام پر آیت معلومہ کی تلاوت پر اکتفا کرتے ہیں (لعنت اللہ علی الکاذبین)

ایک مضحکہ خیز استدلال کا ابطال

انتصار المظلوم اور دیگر جوابی کتابوں میں چھٹی صدی ہجری کے کسی شیخ عبداللہ مراغی مصری کے کسی فرضی رسالہ ''السلافہ فی امر الخلافہ'' کے حوالہ سے دو روایتیں پیش کی گئی ہیں اور اس سے ان مؤلفین نے ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کچن حیات میں بعض صحابہ (ابوذرؓ اور سلمانؓ محمدی) نے اذان میں علی ولی اللہ پڑھا اور آنحضرتؐ سے ان کی شکایت کی گئی تو آپ نے ان کی تائید فرمائی اور ان کو اس عمل پر برقرار رکھا'' اگر تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو یہ دونوں روایتیں از روئے قانون روایت و درایت بالکل ناقابل اعتماد ہیں۔ روایۃً اس طرح کی یہ شہادت ثالثہ در اذان خالص شیعی فقہی مسئلہ ہے تو اس کا ثبوت بھی اصولاً شیعی کتب معتبرہ سے پیش کیا جانا چاہیے مگر باوجودیکہ شیعی کتابوں کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کتاب میں بھی اس کا ثبوت نہ ملنا اور ان سنی علماء کی کتابوں کا سہارا لینا جو کلمہ میں بھی علی ولی اللہ کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل کے قائل ہیں۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا والی بات نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر لطف بالائے لطف یہ ہے کہ یہ کتاب بھی مارکیٹ میں موجود نہیں ہے تاکہ دیکھا جاسکے کہ اس حوالہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا راوی کون ہے؟ اس کا مدرک کیا ہے اور ناقل کا مقصد کیا ہے؟ آقائے شیرازی نے بھی اپنی کتاب الفقہ میں کسی سید عبدالرحیم کے رسالہ ''سیاست حسینیہ'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ راوی ہیں کہ دمشق کے کسی کتب خانہ میں ایک خطی کتاب بنام ''السلافۃ فی امر الخلافۃ'' موجود ہے جس میں یہ روایت درج ہے ظلمات بعضہا فوق بعض۔ اسی طرح باقی حضرات نے بھی نقل در نقل پر اکتفا کی ہے اور درایۃً اس طرح کہ جناب سلمانؓ اور ابوذر معاذ اللہ مفوضہ نہ تھے اور آج کے شیعہ کہلانے والوں کی طرح شتر بے مہار نہیں تھے۔ کہ آنحضرتؐ کے حین حیات میں اپنی طرف سے اذان جیسی توقیفی عبادت میں اپنی طرف سے اضافے کرتے؟ نیز خود اسی روایت میں مذکور ہے کہ اس بات پر صحابہ نے شور مچایا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں ان دونوں صحابیوں کی شکایت کی۔ اب اس سے بھی واضح ہے کہ آنحضرتؐ کے حین حیات میں

اذان کے اندر اشہدان علیا ولی اللہ نہیں کہا جاتا تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ صحابہ شور کیوں مچاتے؟

نیز یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موذن جناب بلالؓ تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کو معزول نہیں فرمایا تھا۔ لہٰذا ان کی موجودگی میں جناب سلمانؓ یا جناب ابوذرؓ کا اذان دینا بالکل خلاف حقیقت ہے بلکہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ کہ آنحضرتؐ کے آخری لمحات حیات تک جناب بلالؓ ہی اذان دیتے رہے البتہ اس کے بعد ترک کردی تھی۔

جناب بلالؓ والی اذان کیا تھی؟؟؟

اب رہا یہ سوال کہ جو اذان جناب بلالؓ دیتے تھے وہ کیا تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ وہی اذان دیتے تھے جو رب جلیل کی طرف سے جناب جبرئیلؑ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس وقت لائے تھے جب آپؐ حضرت علی علیہ السلام کی گود میں سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے بعد اذان آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام سے پوچھا۔ تم نے اذان واقامت سنی ہے؟ آپؑ نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا بلالؓ کو بلاؤ اور اسے تعلیم دو۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے حکم نبویؐ کی تعمیل کرتے ہوئے بلالؓ کو بلا کر ان کو وہ اذان تعلیم دی اور وہ اذان یہ تھی۔ اللہ اکبر (چار بار) اشہدان لا الہ الا اللہ (دوبار) اشہدان محمداً رسول اللہ (دوبار) حیَ علی الصلوٰۃ (دوبار) حیَ علی الفلاح (دوبار) حیَ علیٰ خیرالعمل (دوبار) اللہ اکبر (دوبار) لا الہ الا اللہ (دوبار) ملاحظہ ہو الفروع من الکافی، تہذیب الاحکام من لایحضرہ الفقیہ، الوافی اور الوسائل وغیرہ۔

وہ اذان جو شب معراج آسمانوں پر جبرائیلؑ نے دی؟؟

مخفی نہ رہے کہ یہی وہ اذان ہے جو کہ شب معراج بروایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جبرئیل نے آسمانوں پر دی تھی اور حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیاء ومرسلین اور ملائکہ مقربین کو نماز باجماعت پڑھائی تھی (ملاحظہ ہو تہذیب الاحکام از حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمۃ)

وہ اذان جو چہاردہ معصومینؑ نے دی۔

اور یہی وہ اذان ہے جو حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر حضرت مہدی دین علیہ السلام تک تمام آئمہ طاہرینؑ دیا کرتے تھے جس کے اٹھارہ فصول ہیں (ملاحصہ ہو کتب اربعہ، الفروع، الفقیہ، التہذیب، الاستبصار وغیرہ)

انقلاب زمانہ۔

مگر آہ۔ آج جو شخص جبرئیل امین کے ذریعہ خدا کی بنائی ہوئی مصطفیؐ کی فرمائی ہوئی اور آئمہ ھدیٰ کی اپنی پڑھی پڑھائی ہوئی اذان دے اسے مذہب سے خارج سمجھا جاتا ہے اور اسے منکر ولایت قرار دیا جاتا ہے اور جو اپنے من پسند اضافوں والی اذان دے اسے موالی ہونے اور پکا مومن ہونے کی سند دی جاتی ہے۔ ع

انقلاب بات ہیں زمانہ کے

قدجاء کم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا

انتصار المظلوم کا تذکرہ

نیز اصلاح الرسوم کے جواب میں لکھی جانے والی نام نہاد کتابوں میں سے ایک انتصار المظلوم بھی ہے جو کہ سرکار علامہ نجفی مدظلہ، کے ایک اور سبق حرام شاگرد کے قلم باطل رقم کا نتیجہ ہے۔

خریداران یوسف کی فہرست میں اپنا نام درج کرانے کی غرض سے موصوف اصلاح الرسوم کی اذان پر نقد وتبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''فصل اول اذان کے متعلق''

اس کتاب میں سب سے زیادہ معرکۃ الآراء مسئلہ بھی وہی ہے کہ آیا اذان میں اشہدان علیا ولی اللہ پڑھنا بدعت ہے تحریف واختراع ہے۔ یا جائز، مباح حلال اور کار ثواب ہے؟ صاحب اصلاح الرسوم کے حواریتین تو موصوف کی محبت اور پیروی میں اتنے آگے جارہے ہیں کہ دنیا کے ہراس عالم کے فرمان اور قول کو جھٹلا دیتے ہیں جو مولانا محمد حسین ڈھکو کے نظریہ کے متضاد ہو، کیا ڈھکو صاحب ان کی نظر میں قرآن ہیں؟ کیونکہ معیار تشخیص حق قرآن ہے (انتصار المظلوم صفحہ ۷۳) ہم اس مقام پر اس اہل قرآن سے صرف اتنا کہیں گے کہ علامہ ڈھکو صاحب کے اسی مرتبہ ومقام اور ان کی اسی شان کی تاب نہ لاکر تمہاری قوم کے کئی نادان مر گئے اور تم بھی ''موتوا بغیظکم'' (اسی غم وغصہ میں مرجاؤ)

بمیر اے حسود تا برہی از رنج

کہ بجز مرگ ازیں غم نجات نتواں یافت

ہم اس ''بقامت بہتر اور بقیمت کہتر'' سے صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ

حسد چرامی بری اے ست رائے برحافظ

قبول خاطر و لطفِ سخن خداداداست

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت علامہ ڈھکو صاحب کے معتقدین و مقلدین موصوف کو قرآن نہیں جانتے۔ البتہ وہ یہ جانتے ہیں کہ حضرت علامہ جو کچھ کہتے ہیں یا لکھتے ہیں وہ قرآن اور چودہ کے فرمان سے لکھتے ہیں اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

''بعد ازاں مؤلف انتصار المظلوم نے اصلاح الرسوم'' کی عبارات کا تجزیہ اور سوالات' کا عنوان قائم کر کے اصلاح الرسوم کے عظیم مؤلف پر بزعم خود نولا ٹیخل سوالات کئے ہیں اور ان سے جوابات کا مطالبہ کیا ہے ذیل میں ہم بڑے اختصار کے ساتھ پہلے وہ سوالات اور پھر ان کے جوابات پیش کرتے ہیں۔

سوال نمبر 1- تضاد گوئی کا ہے کہ اگر سنیوں نے بدعت کی ہے (کما ھوالحق) تو اصلاح الرسوم کے مطابق بدعت انجام دینے والا شخص دین سے باغی ہے۔ لہٰذا دین سے بغاوت کرنے والا شخص مسلمان نہیں رہتا۔ تو ایسے لوگوں کو برادرانِ اسلام کی سند کیوں دی جا رہی ہے''؟ (انتصار صفحہ ۷۵)

جواب نمبر 1- کاش کہ اس اہل قرآن نے کبھی قرآن کی تدبر و تفکر کے ساتھ تلاوت کرنے کی زحمت کی ہوتی تو اس پر یہ حقیقت واضح وعیاں ہوتی کہ قرآن میں باغیپر لفظ مومن کا اطلاق کیا گیا ہے ارشاد قدرت ہے۔

''وان طائفتان من المومنین اقتتلا فقاتلوا التی تبغی حتیٰ تفئی الی امر اللـــــه'' اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم باغی سے اس وقت تک قتل وقتال

کرو جب تک وہ خدا کے امر (توبہ یا صلح) کی طرف نہ پلٹ آئے"

تو اگر من باب المجاز قرآن باغی پر لفظ مومن کا اطلاق کر سکتا ہے تو پھر سرکار علامہ نجفی مدظلہ، کیوں باغی ہر مسلمان کا اطلاق نہیں کر سکتے!

نیز یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ بدعت انجام دینے والا شخص اس صورت میں دین سے سرکش متصور ہوتا ہے کہ جب وہ بدعت کو بدعت سمجھتے ہوئے وہ دانستہ طور پر اسے انجام دے لیکن اگر وہ کسی وجہ سے اشتباہ کا شکار ہو جائے اور بدعت کو سنت سمجھ کر انجام دے تو پھر اسے باغی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

امید ہے کہ مرتب کتاب اب یہ مصرعہ گنگنا رہے ہوں گے۔

ع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

سوال نمبر 2- صاحب اصلاح الرسوم کے تین دعوے ہیں (۱) بدعت = اذان میں اشہدان علیا ولی اللہ بدعت ہے۔ انہوں نے اسے بدعات کے تیسرے باب میں ذکر کیا ہے (۲) تحریف۔ اشہدان علیا ولی اللہ کہنے کو انہوں نے اذان میں تحریف سے تعبیر کیا ہے کیونکہ انہوں نے ایک عنوان "اذان میں تحریف" قائم کیا ہے۔ (۳) اختراع۔ صاحب اصلاح الرسوم نے اشہدان علیا ولی اللہ کو اختراع ہی نہیں بلکہ اختراع کا شاہکار کہا ہے...... لیکن دلیل ایک بھی نہیں دی۔ میرا دعویٰ ہے کہ شیخ صدوق سے لے کر آج تک کسی شیعہ عالم نے کلمہ اشہدان علیا ولی اللہ اذان میں کہے جانے کو بدعت یا تحریف یا اختراع نہیں لکھا ہے (انتصار صفحہ ۷۵)

جواب نمبر 2- اس بیان میں پہلی غلط بیانی تو یہ کی گئی ہے کہ اس میں مصنف اصلاح الرسوم کی طرف شہادت ثالثہ در اذان کے بارے میں لفظ بدعت لکھنے کی نسبت دی گئی ہے

حالانکہ انہوں نے صفحہ ۹۶ سے لے کر صفحہ ۹۹ تک اذان کی پوری بحث میں کہیں بھی یہ لفظ استعمال نہیں کیا کسی باب کے ذیل میں آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اسی کا حصہ ہے ورنہ آیت تطہیر سے پہلے بھی ازواج النبی کا تذکرہ ہے اس کے بعد بھی...... مگر وہ آیت تطہیر میں شامل نہیں ہیں۔

دوسری غلط بیانی اور دروغ گوئی یہ کی گئی ہے کہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ صدوق سے لے کر آج تک کسی شیعہ عالم نے اس شہادت ثالثہ کو بدعت یا تحریف یا اختراع نہیں کہا '' حالانکہ اس دعویٰ کا بطلان گزشتہ صفحات میں واضح اور عیاں کر دیا گیا ہے۔ جس میں بڑے بڑے فحول علماء اور اکابر فقہاء کی صراحتیں پیش کی جا چکی ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ تشریع ہے اور حرام ہے فراجع (اب صرف ایک بار یہ آیت پڑھ دیں۔ لعنت اللہ علی الکاذبین

گر نبیند بروز شپرہ چشم، چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

سوال نمبر 3- انہوں نے جو تحریر فرمایا ہے کہ خاندان رسالت کی محبت و پیروی کے دعویدار بھی کسی سے پیچھے نظر نہیں آتے'' محبت کے دعویداروں سے ان کی مراد کون لوگ ہیں؟۔ یا مجتہد مراد ہوں گے یا مقلد اور عوام مراد ہوں گے...... (انتصار صفحہ ۷۶)

جواب سوال نمبر 3- اس سوال کا جواب عیاں را چہ بیان کا مصداق ہے کہ ان دعویداران محبت اہلبیت سے مراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے پہلے پہل شہادت ثالثہ کو اذان میں داخل کیا اور کتاب کے سابقہ اوراق میں تاریخی شواہد سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ آل بویہ کی حکومت کے دور میں چوتھی صدی ہجری کے وسط میں مفوضہ فرقہ نے اذان کے اندر یہ من پسند اضافہ کیا ہے جن پر صرف شیخ صدوق نے نہیں بلکہ آئمہ طاہرین نے بھی لعنت کی ہے۔

اور موجودہ دور میں مفوضہ فرقہ کی مکمل تصویر شیخی فرقہ ہے جو ضال و مضل شیخ احمد احسائی کا مرید و پیروکار ہے جس کا موجودہ مرکز عقیدت کویت ہے۔ نہ نجف ہے اور نہ قم۔ کمالایخفی علی العوام فضلاً عن العلماء الاعلام۔

سوال نمبر 4- کیا شہادتِ ولایت جزءِ ایمان بھی ہے؟ اکثر مجتہدین کا دستور ہے کہ اذان کی اٹھارہ فصلیں لکھ کر پھر حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ اشہدان علیا ولی اللہ جزءِ اذان نہیں بلکہ جزءِ ایمان ہے لیکن صد افسوس کہ صاحب اصلاح الرسوم نے اس کو جزءِ ایمان بھی نہیں لکھا نہ قوانین الشریعہ میں نہ اصلاح الرسوم میں" (انتصار المظلوم صفحہ ۷۷)

جواب نمبر 4- یہ بات بالکل واضح ہے کہ جہاں تک عقیدہ ولایت علی کا تعلق ہے تو یہ حقیقت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ وہ جزءِ ایمان ہے (کیونکہ ایمان پانچ عقائد حقہ کے مجموعہ کا دوسرا نام ہے جس کا ایک جزء ولایت علی بھی ہے) جیسا کہ اصلاح الرسوم میں بالوضاحت لکھا گیا ہے کہ "اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام مومنوں کے امیر، متقیوں کے امام، اللہ کے ولی، اور نبیؐ کے بلا فصل وصی ہیں اور ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا جزءِ ایمان ہے (اصلاح الرسوم صفحہ ۹۷) مگر یہ کہنا کہ اذان میں اس کی شہادت دینا بھی جزءِ ایمان ہے یہی مسئلہ تو اول کلام ہے۔ تو جس چیز کا جواز ہی محلِ کلام ہو اور علماء اعلام میں محلِ نقض وابرام ہو اسے کس طرح جزءِ ایمان قرار دیا جاسکتا ہے؟؟ اسی چیز کو علمی اصطلاح میں مصادرۃ علی المطلوب کہا جاتا ہے جو کہ عند المحصلین باطل ہے حضرت علامہ ڈھکو صاحب کا عام لوگوں کی نظر میں جرم یہی ہے کہ وہ لیپا پوتی نہیں کرتے بلکہ صاف صاف حقیقت حال بیان کردیتے ہیں۔ اور ہماری نگاہ میں ان کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ ؎

کہتے ہیں وہی بات سمجھتے ہیں جسے حق !!

سوال نمبر 5- غلط بیانی کیوں؟ جب اذان کی اٹھارہ فصلیں ثابت ہیں تو مزید حوالہ جات کی کیا ضرورت ہے کوئی بھی اس کا منکر نہیں''......(انتصار صفحہ ۷۹)

جواب نمبر 5- ظاہر ہے کہ جب علماء سوء اور تاجرانِ خون حسینؑ برابر ہر وقت اور ہر جگہ یہی پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہیں کہ فلاں نے اذان سے علی ولی اللہ کو نکال دیا ہے تو ضرورت تھی کہ عوام کو بتایا جائے کہ اذان کے اصلی جملے اٹھارہ ہیں اور کسی نے ان میں سے کسی جملہ کو نہیں نکالا اور جو جملہ زیر بحث ہے وہ سرے سے اذان کا جزء ہے ہی نہیں۔ اس لیے ضرورت تھی کہ عوام کو بتایا جائے کہ یہ فقرہ ہماری کتب حدیث وفقہ میں مذکور نہیں ہے اور اس کی تفصیل سابقہ صفحات میں گزر چکی ہے بھلا اس میں غلط بیانی کی کیا بات ہے۔ آیا حقیقت بیانی کا نام آپ کی لغت میں غلط بیانی ہے؟ مگر افسوس

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

سوال نمبر 6- کیا کسی مجتہد نے اذان کے بیس جملے نہیں لکھے؟ صاحب اصلاح الرسوم نے صفحہ ۹۹ پر دعویٰ کیا ہے کہ اذان کے بیس فصول والی اذان ان لوگوں کے نہاں خانہ دماغ کے سوا ہماری کسی فقہی کتاب میں درج نہیں ہے لیکن ہم اس دعویٰ کو کئی مجتہدین عظام کے حوالہ سے ٹھکرا سکتے ہیں''(انتصار صفحہ ۸۰)

جواب نمبر 6- یہ ٹھیک ہے کہ آج آپ جناب آقائی شیرازی جیسے کئی بزرگوں کے حوالے سے (جن میں شیخیت کے جراثیم موجود ہیں۔ وللتفصیل محل آخر) صاحب اصلاح الرسوم کے دعویٰ کو ٹھکرا سکتے ہیں مگر ہم تو آپ کے ان مجتہدین عظام سے بھی یہی سوال کریں گے کہ آپ کے نہانخانہ دماغ کے سوا خدا کے قرآن اور چہاردہ معصومین علیہم

السلام کے فرمان میں اس کا ثبوت کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟ قل ھا تو ابرھا نکم ان کنتم صادقین!

سوال نمبر 7- شیخ صدوقؒ نے کیا اصلاح الرسوم کی تائید کی ہے؟ ہر گز نہیں کیونکہ شیخ صدوق کی کسی عبارت میں یہ بات نہیں ہے صاحب اصلاح الرسوم نے لکھا ہے کہ انہوں نے اذان میں اشھد ان علیا ولی اللہ کہنے والوں کو مفوضہ قرار دیا اور ان پر لعنت کی ہے یہ بہت بڑا اتہام ہے۔ شیخ صدوق کی شخصیت پر۔ انہوں نے تو فرمایا ہے کہ مفوضہ پر خدا کی لعنت ہے انہوں نے اذان میں جعلی حدیثوں کی مدد سے اضافہ کیا ہے۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ اشھد ان علیا ولی اللہ کہنے والے مفوضہ ہوں گے؟ (انتصار صفحہ ۸۰)

جواب نمبر 7- اس احمقانہ سوال کا جواب یہ ہے کہ مؤید بعد میں ہوتا ہے اور جس کی تائید کی جائے وہ پہلے ہوتا ہے اور یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے بلکہ کہنا یوں چاہیے کہ صاحب اصلاح الرسوم نے اذان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے انہوں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔ بلکہ اس سلسلہ میں جو کچھ شیخ صدوقؒ لکھ گئے تھے۔ انہوں نے حرف بحرف اس کی تائید کی ہے اور صاحب اصلاح الرسوم کی عبارت کا بالکل وہی مطلب ہے جو آپ نے بیان کیا ہے کہ مفوضہ پر خدا لعنت کرے کہ انہوں نے اذان میں جھوٹی حدیثوں کی مدد سے اضافہ کیا ہے۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو موتی کی طلب ہے کہ صدف کی؟؟

چلو ہم آپ سے اتفاق کرتے ہیں کہ حضرت شیخ صدوق کی مراد یہی ہے۔ اب اگر

آپ بھی اس مطلب میں ان سے اتفاق کرتے ہیں تو پھر بحث ختم۔ آؤ ہاتھ ملائیں۔ قدم بڑھائیں۔ حی علی خیر العمل۔ پھر جھگڑا کیا ہے؟

سوال نمبر 8۔ صاحب اصلاح الرسوم جو نہ مجتہد ہیں نہ مقلد اور نہ محدث نہ محتاط ان سے صرف اتنا پوچھنا ہے کہ کون سی فقہ کی کتاب ہے۔ یا توضیح المسائل ہے جس میں اشہد ان علیا ولی اللہ کو جزء ایمان نہیں کہا گیا۔ (انتصار صفحہ ۹۱)

جواب نمبر 8۔ ہم اس چمگادڑ اور کورنگاہ معترض سے کہیں گے کہ آیت اللہ نجفی صاحب نہ صرف یہ کہ مجتہد جامع الشرائط ہیں بلکہ استاد المجتہدین ہیں۔ ع مگر دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ بفضل تعالیٰ سرکار علامہ نجفی صاحب مدظلہ، بقیدِ حیات ہیں۔ ہم انتصار کے مؤلف سمیت ان کے تمام منکرین اجتہاد کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ جب اور جہاں چاہیں اجتہاد سے متعلقہ جس موضوع پر چاہیں ان سے گفتگو کر کے اپنے شکوک وشبہات کا ازالہ کر سکتے ہیں۔ ویسے ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں ہے۔ ساری کائنات خدا کی خدائی، خاتم الانبیاء کی مصطفائی اور حضرت علی علیہ السلام کی مرتضائی پر متفق نہیں ہے تو آیت اللہ ڈھکو صاحب کے اجتہاد پر کس طرح متفق ہو سکتی ہے ویسے اتمام حجت کے لیے اسی کتاب کے آخر میں عراق کے مراجع کرام و مجتہدین عظام کے اسنادِ اجتہاد پیش کئے جا رہے ہیں تا کہ لیھلک من ھلک عن بینة ویحیٰ من حیّ عن بینة۔

اگرچہ سچ ہے۔ کہ المرء یقیس علیٰ نفسہ۔ مگر آپ اپنے آئینے میں دوسروں کو دیکھنے کی کوشش نہ کریں مگر۔

بغض وعناد آدمی کو اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے۔ آیت اللہ النجفی مدظلہ صرف فقہ میں ہی

مجتہد نہیں بلکہ وہ بفضلہ علم کلام، علم تفسیر، علم حدیث اور علم تاریخ وغیرہ میں مجتہدین ہیں۔

سوال نمبر 9- مذہب تشیع کے خلاف اتنی جرأت کیوں؟ قارئین کرام انصاف کریں (پھر یہاں اصلاح الرسوم کے صفحہ ۹۶ والے چند جملے نقل کر کے لکھا ہے "اس عبارت سے تو ظاہر ہے کہ مذہب تشیع تحریفات واختراعات کا مجموعہ ہے۔۔۔۔۔۔ یہ میرے نو سوال تھے صاحب اصلاح الرسوم سے جن کا جواب چیلنج کر کے مانگ رہا ہوں اگر جواب نہ دیں تو کم از کم اپنے نام سے سلطان المتکلمین اور صدر المحققین کے الفاظ تو دور کر دیں۔ (انتصار صفحہ ۸۳)

جواب نمبر 9-

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

آپ کے احمقانہ سوالات کے دندان شکن اور ہمت شکن جوابات تو سرکار ڈھکو صاحب کے دستر خوان علم وفضل کے ایک ادنیٰ ریزہ چین نے پیش کر دیے ہیں امید ہے کہ آپ کی تسلی ہو گئی ہو گی۔ ویسے ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔ ابوجہل اور ابولہب جب بھی بزم رسولؐ سے اٹھ کر جاتے تھے اور لوگ ان سے پوچھتے تھے کہ بتاؤ گفتگو کیسی رہی تو وہ بڑی ڈھٹائی سے کہہ دیا کرتے تھے کہ آپؐ ہمیں مطمئن نہیں کر سکے۔ سچ ہے

ع جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

اور آپ کے آخری سوال کا جواب یہ ہے کہ آیت اللہ ڈھکو صاحب نے مذہب تشیع کے خلاف اتنی جرأت نہیں کی۔ بلکہ مذہب حق کو ہر قسم کی تحریف وتغیر سے محفوظ رکھنے کے لیے آپ جیسے دین فروشوں اور باطل کوشوں کے خلاف جرأت کی ہے۔ کہ بلا خوف لومۂ لائم اور بلا خوف جان ومال اور بلا خوف عزت وناموس بلکہ ہر چیز کو داؤ پر لگا کر کلمۂ حق بلند کیا

ہے اور العلماء ورثۃ الانبیاء کا حق ادا کیا ہے۔ اور درحقیقت حضرت علامہ ڈھکو صاحب کی یہی وہ صفت ہے جو ان کو دیگر ہمعصر علماء فضلاء سے ممتاز کرتی ہے کہ وہ اعلائے کلمہ حق اور اظہار حق وحقیقت کے سلسلہ میں کسی قسم کی مصلحت کو آڑے نہیں آنے دیتے بلکہ وہ تقریر و تحریر میں ع کہتے ہیں وہی بات سمجھتے ہیں جسے حق

وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

یعنی۔ ایں سعادت بزور بازو نیست۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہمارا صرف ایک سوال ہے یا صرف ایک چیلنج ہے!!

اب جبکہ ہم نے انتصار المظلوم کے نوخیز طفل مکتب مؤلف کے نو عدد سوالات کے (جن کا انہوں نے چیلنج کیا تھا) مفصل ومدلل جوابات پیش کر دیئے ہیں تو ہم ان سے صرف اور صرف ایک سوال کے جواب کا مطالبہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی چیلنج کرتے ہیں کہ نہ صرف مؤلف موصوف بلکہ ان کے تمام ہم نوالہ وہم پیالہ (تمام مفوضہ وشیخیہ) متحد ہو کر بھی صبح قیامت کے طلوع ہونے تک ہمارے سوال کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ انشاء اللہ۔

ے

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اور وہ سوال یہ ہے کہ آپ نے خود اذان واقامت میں شہادت ثالثہ کے بارے میں علماء ومجتہدین کو ان کی آراء اور تعبیرات کے اختلاف کے پیش نظر بارہ گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ کہ کوئی اس کے بقصد جزئیت کہنے کے سخت مخالف ہے اور کوئی کہتا ہے کہ بعید نہیں کہ

جزءِ اذان ہو۔ کوئی جزء مستحی جانتا ہے اور کوئی روحِ اذاں جانتا ہے کوئی تبرکا پڑھنے کا قائل ہے اور کوئی بقصد قربتِ مطلقہ پڑھنے کا فتوئی دیتا ہے کوئی اسے رمز تشیع قرار دیتا ہے اور کوئی خاموش ہے (اور پھر آپ نے ان کی خاموشی سے اس کا جواز سمجھا ہے حالانکہ ان کی خاموشی اور ان کی کسی طرح بھی شہادت ثالثہ کا اپنی کتابوں میں تذکرہ نہ کرنا...... ان کے نزدیک اس کے عدم جواز کی قطعی علامت ہے) بہر حال یہ تمام فتاوئی چوتھی صدی ہجری کے وسط یا اس کے بعد والے علماء کرام کے ہیں اور ان کا یہ باہمی اختلاف اس بات کی نا قابل رو دلیل ہے کہ اذان کے دوسرے فصول کی طرح شہادت ثالثہ منزل من اللہ نہیں ہے۔

ہمارا سوال صرف یہ ہے کہ بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت سے لے کر ان کی وفات حسرت آیات تک اور حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت و امامت کے آغاز سے لے کر بارہویں امامؑ کی غیبتِ کبرٰی تک (جو کہ ۳۲۹ھ میں واقع ہوئی ہے) کسی دور میں اس کے پڑھے جانے کے بارے میں اللہ تعالٰی کے قرآن میں یا نبیؐ و آئمہؑ کے کسی فرمان میں یا کسی شیعہ فقیہہ و عالم کے کلام یا نواب اربعہ میں سے کسی نائب امام زمان کے کلام میں اس شہادت ثالثہ اور اذان کا کوئی نام ونشان بھی ملتا ہے۔ قل ھا توا برھا نکم ان کنتم صادقین۔

پس اگر ولایت علی کا اقرار اذان میں شہادت ثالثہ دینے پر منحصر ہے۔ تو کیا معاذ اللہ یہ سب بزرگوار منکر ولایت علیؑ تھے؟ اگر فی الواقع ایسا ہی ہے تو پھر جو فتوے تم آیۃ اللہ ڈھکو پر لگا رہے ہو وہی فتوے ان ذوات مقدسہ پر بھی لگاؤ۔ کیا اسلام کے آجانے اور اس کے مکمل ہو جانے کے ساڑھے تین سو سال بعد یہ نیا حکم نازل ہوا تھا؟

کہ اذان میں شہادت ثالثہ پڑھو؟ بینوا توجروا؟؟

ے کچھ تو کہیئے کہ لوگ کہتے ہیں۔آج غالب غزل سرا نہ ہوا

تشہد میں شہادت ثالثہ داخل کرنے والوں پر تبصرہ۔

افسوس صد افسوس کہ یہ لوگ آج تک اذان واقامت میں شہادت ثالثہ کا کوئی شرعی ثبوت تو پیش کر نہ سکے مگر وہ آج اس سے بہت آگے بڑھ کر نماز کے تشہد میں شہادت ثالثہ کے پڑھنے اور پڑھانے کے فتوے دے رہے ہیں اور اپنی اور دوسرے سادہ لوح اہل ایمان کی نمازیں رائیگاں کر رہے ہیں اور دین ومذہب کو بازیچہ اطفال بنا رہے ہیں......

(انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ے تو کار زمیں رانکو ساختی ۔ کہ با آسمان نیز پرداختی !

دعا ہے کہ خداوند عالم بے علم اور سادہ لوح عوام کو ان شیخی اور غالی مبلغین کے فتنہ وشر سے محفوظ فرمائے اوران کے اعمال وعبادات کو اکارت ہونے سے بچائے۔ بجاہ النبیؐ وآلہ

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر علماء عرصہ اذان کے سلسلہ میں لچک پیدا نہ کرتے تو آج لوگوں کو تشہد میں شہادت ثالثہ داخل کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

متعلقہ امور پر صاحب تبصرہ المہموم کا حقیقت افروز تبصرہ

صاحب تبصرہ المہموم نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ "امامؑ کی غیبت کبریٰ تک وہی اذان دی جاتی تھی جس میں اٹھارہ فصول ہیں اور اگر اس وقت تک شہادت ثالثہ کا کوئی چرچا ہوتا تو جناب کلینی اعلی اللہ مقامہ، کسی نہ کسی طرح سے اس کا ذکر ضرور کرتے۔ لہٰذا نہ تو غیبت صغریٰ کے زمانہ میں امامؑ زمانہ نے کوئی توقیع مبارک صادر فرمائی نہ ہی نواب اربعہ

میں سے کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت پڑی۔ بنابریں آج جو بھی شیعہ عالم شہادت ثالثہ کو جزء اذان کہتا ہے یا اسے یہ سمجھ نہیں ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے یا وہ اس بات کا مدعی ہو گیا ہے کہ اسے یہ تازہ وحی آئی ہے۔ ورنہ پیغمبر اکرمؐ پر تو جو وحی آئی تھی اس میں تو یہی اٹھارہ فصول تھے اور حضرت علی علیہ السلام بلالؓ کو تعلیم کرنے میں خود سے کمی نہیں کر سکتے تھے" (تبصرۃ المھموم صفحہ ۵۵)

(ایک شبہ کا ازالہ)

مذکورہ بالا بیانات و واقعات سے ایک اور شبہ کا بھی ازالہ ہو گیا۔ جسے آج کل بعض مدعیان علم بڑے شدّ ومد سے پیش کر رہے ہیں کہ اگر اس شہادت ثالثہ کے بارے میں کوئی حدیث واردنہ تھی اور یہ بعد کی اختراع تھی تو امامؑ زمانہ نے جہاں ناحیۂ مقدسہ سے جاری کردہ توقیعات میں شیعہ قوم کی اور باتوں میں راہنمائی فرمائی تھی اس سے قوم کو کیوں نہ روکا اور اس سے اجتناب کرنے کا کیوں حکم نہ دیا؟

مذکورہ بالا حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد یہ شبہ ھباءً منثوراً ہو جاتا ہے کیونکہ جب یہ فقرہ اذان میں داخل ہی امامؑ کی غیبت کبریٰ اختیار کرنے کے بعد کیا گیا ہے تو امام علیہ السلام غیبت صغریٰ میں اس کی رد کیسے فرماتے اور لوگوں کو اس سے اجتناب کرنے کے لیے توقیع مبارک کس طرح صادر فرماتے؟ وذلک اوضح من ان یخفیٰ

(ایک اور عامۃ البلویٰ غلطی کا ازالہ)

اصلاح الرسوم کے جواب میں لکھی جانے والی تمام کتابوں میں بڑے شدومد کے ساتھ احتجاج طبرسی والی روایت سے جو بروایت قاسم بن معاویہ امام جعفر صادق علیہ السلام

سے عروی ہے سے استدلال کیا گیا ہے جس میں وارد ہے کہ امامؑ نے فرمایا "اذا قال احد کم لا اله الا الله فلیقل محمد رسول الله و اذا قال محمد رسول الله فلیقل علی امیر المومنین الخ ...... کہ جب کوئی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے تو اسے چاہیے کہ علی امیر المومنین بھی کہے۔ لہذا شہادت توحید و رسالت کے ساتھ شہادت ولایت بھی دینی چاہیے (تمام جوابی کتب)

ہم کہتے ہیں کہ اس روایت کے ساتھ استدلال کرنا روایۃً و درایۃً غلط ہے روایۃً اس لیے کہ اس کا راوی قاسم بن معاویہ مجہول الحال ہے۔ علم رجال کی کتابوں میں اس کا نہ کوئی نام ہے اور نہ کوئی نشان لہذا یہ روایت مجہول ہونے کی بنا پر قابل اعتماد نہیں ہے اور یہ جو کہا جاتا رہا ہے کہ اس قاسم سے قاسم بن برید بن معاویہ مراد ہے تو یہ محض احتمال ہے یا زیادہ سے زیادہ ظن ہے۔ (وان الظن لا یغنی من الحق شیا) ورنہ کوئی شخص بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ قاسم بن معاویہ سے قاسم بن برید بن معاویہ مراد ہے بلکہ یہ الگ الگ دو شخصیتیں ہیں اور درایۃً اس لیے ہے کہ اس روایت میں جو کہ خاصی طویل ہے یہ بھی مذکور ہے کہ جب خدا نے زمین و آسمان پیدا کئے تو ان پر لکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی امیر المومنین۔ اور جب چاند کو پیدا کیا تو اس پر بھی یہی عبارت لکھی اور چاند میں جو سیاہی نظر آتی ہے وہ اسی تحریر کی ہے وہاں لکھا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی امیر المومنین۔ آج دنیا چاند پر جا کر واپس بھی آچکی ہے اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکی ہے کہ یہ سیاہی ان غاروں کی وجہ سے ہے جو وہاں موجود ہیں اور یہ کہ وہاں اس جملہ کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ہے۔

علاوہ بریں کون کہتا ہے کہ یہاں قول سے مراد زبانی اقرار و اظہار ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ اس سے قلبی اقرار و اعتراف مراد ہو کہ جو خدا کو واحد لاشریک مانتا ہے اسے چاہیے کہ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا رسول بھی مانے اور جو شخص حضرت محمد کو خدا کا رسول ماننا ہے اسے چاہیے کہ حضرت علی علیہ السلام کو امیر المومنین بھی مانے۔ لہٰذا اس طرح اس کا زبانی اقرار واظہار سے کوئی تعلق ہی نہیں رہتا بلکہ یہ مقام اعتقاد سے وابستہ ہے اور اگر ان تمام باتوں سے قطع نظر کر کے اس حدیث کو اپنے عموم پر باقی رکھا جائے تو پھر تشہد میں بھی شہادت ثالثہ پڑھنی چاہیے۔ آیا اس راویت سے استدلال کرنے والے ایسا کرنے پر تیار ہیں؟ اور اگر نماز توقیفی عبادت ہونے کی وجہ سے اس سے مستثنیٰ ہے تو پھر اذان بھی مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ بھی توقیفی عبادت ہے بلکہ اسی اذان میں اس روایت کے مفاد کی خلاف ورزی کی گئی ہے کیونکہ اس کے آخر میں دوبار لا الہ الا اللہ تو پڑھا جاتا ہے مگر اس کے ساتھ نہ محمد رسول اللہ کہا جاتا ہے اور نہ علی امیر المومنین ؑ

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟؟

تبصرہ بر اصلاح الرسوم کا تذکرہ

تبصرہ پر اصلاح الرسوم کے مؤلف نے جسے اپنی علمی کمزوریوں کی وجہ سے کھل کر اپنا نام ظاہر کرنے کی جرأت نہیں ہو سکی اپنے جوابی رسالہ میں اصلاح الرسوم کی بحث اذان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”عالم بزرگوار نے شیخ خالصی کی پیروی میں سب فقہاء و مجتہدین کی مخالفت کرتے ہوئے ایک انوکھا اور افتراق پرور نظریہ دیا ہے۔ جس کی تائید نہ روایات سے ہوتی ہے اور نہ ہی فقہاء کی علمی تحقیقات سے ہوتی ہے“ (تبصرہ صفحہ ۷۳) بعد ازاں صفحہ ۷۶ پر لکھتے ہیں ”پس ہم یہ گزارش کرتے ہیں کہ عالم بزرگوا کوئی ضعیف اور کمزور روایت لے آتے جس میں یہ کہا گیا ہوتا کہ ولایت علی علیہ السلام کی گواہی نہ دی جائے

جب کہ ہم نے ایسی روایات بیان کر دی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اس گواہی کا اذان و اقامت میں دینا ثواب واجر کا موجب ہے" (تبصرہ صفحہ ۷۶)۔ بعد ازاں صفحہ ۷۸ پر لکھتے ہیں "عالم بزرگوار نے شیخ صدوق" کی کتاب سے ان کا ایک قول نقل کر کے اسے اپنی بات کی حقانیت کے لیے پیش کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ عالم بزرگوار شیخ صدوقؒ سے پہلے اور بعد کے فقہاء و مجتہدین کے بیانات کو بھی نقل کر دیتے کہ جنہوں نے لکھا ہے کہ ولایت علی علیہ السلام کی گواہی دینا چاہیے" (صفحہ ۷۸)

اس تحریر کے جواب میں عرض ہے کہ سابقہ بیانات سے واضح ہو جاتا ہے کہ سرکار علامہ ڈھکو صاحب مدظلہ، نے جو کچھ لکھا ہے وہ خالصی مرحوم کی پیروی میں نہیں لکھا بلکہ اللہ کے قرآن، چہاردہ معصومین علیہم السلام کے فرمان اور فقہاء عظام کے کلام کی روشنی میں لکھا ہے۔ افسوس کہ تبصرہ نگار جواب تو محقق یگانہ اور مدقق زمانہ سرکار علامہ ڈھکو صاحب کی کتاب کا لکھنے بیٹھے ہیں۔ مگر علمی بے مائیگی کا یہ عالم ہے کہ انہیں اتنا بھی معلوم نہیں ہے کہ ثبوت ہمیشہ بذمہ مدعی ہوتا ہے تو سرکار علامہ کو اذان میں ولایت نہ پڑھنے پر کوئی روایت پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ روایت اور وہ بھی مستند و معتبر اسے پیش کرنی چاہیے۔ جو اذان جیسی توقیفی عبادت میں (جس کے حدود و قیود مقرر کرنا خدا کا کام ہے اور اس کا بندوں تک پہنچانا نبی کا کام ہے) اپنی طرف سے کسی نئی چیز کے اضافہ کے جواز کا قائل ہے!!

نیز اگر سرکار علامہ نے جناب شیخ صدوقؒ کا قول نقل کیا ہے تو آپ نے بھی تو صرف شیخ صدوق" کے بعد والے بعض علماء کے اقوال نقل کیے ہیں جو اس کے جواز کے قائل ہیں ہم آپ سے خواہش کرتے ہیں کہ حضرت شیخ صدوق" سے پہلے کسی ایک فقیہ کا نام بتا دیں جس نے اس فقرہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہو۔ اگر تبصرہ بر اصلاح الرسوم کے مؤلف ایسا کر دیں

تو جہاں ان کا قوم پر احسان ہوگا وہاں ہم ان کو منہ مانگا انعام بھی پیش کریں گے !!

ع کس بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد؟

تائید معصومؑ کا تذکرہ

اصلاح الرسوم کے جواب میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ایک ”تائید معصوم (بالفاظ مناسب تائید ابلیس لعین) بھی ہے۔

آہ

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل ہنر گئی

اب فنکار بھی خالص دینی وفقہی امور پر کتابیں لکھ رہے ہیں سنا ہے کہ بعض گلوکار بھی جواب لکھنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ خدا خیر کرے جو کہ فریب کاری اور مکاری وعیاری سے ملک کے مختلف لوگوں کی سفوات، خرافات اور بذیانات کا مجموعہ ہے کیونکہ

ع کلام العدیٰ ضرب من الھذیان

اس تائید کے مرتب لکھتے ہیں۔ جناب محمد حسین ڈھکو صاحب نے اس قول کو سند کے طور پر پیش کیا ہے کہ ”جس سے شریعت نے منع نہ کیا ہو وہ بدعت نہیں ہے“ اور ان کے پاس ذوالجناح وتعزیہ کا جواز یہی قول ہے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا علی ولی اللہ کی گواہی کو کسی معصوم نے منع فرمایا ہے آیا حضرت ولی عصر (عجہ) کا اپنے زمانے کے کسی عالم کے نام حکم موجود ہے؟ اگر ہے تو وہ پیش کریں پاکستان میں ایک سو سے زائد مراجع عظام، مجتہدین کرام کے فتاویٰ شائع ہو چکے ہیں۔ جنہوں نے علی ولی اللہ کو اذان واقامت میں تبرکاً تیمناً مستحب قرار

دیا ہے۔ ہمارا چیلنج ہے کہ موصوف اس امتناع میں خود کوئی قول معصومین پیش کریں اگر ان کے بقول یہ اختراع ہے تو حضرت ولی عصرؑ نے ملاقات سے مشرف کسی شخصیت کی کیوں راہنمائی نہ فرمائی اور کیا ڈھکو صاحب کسی ایک مرجع کا فتویٰ پیش کر سکتے ہیں کہ علی ولی اللہ اذان واقامت میں بدعت ہے" (تائید صفحہ ۲۸۹)

اس احمقانہ اور جاہلانہ بلکہ طفلانہ چیلنج کے جواب میں عرض ہے کہ ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیِ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا بندِ و زا بندِ قبا دیکھ

علماء اعلام کے کلام کا مطلب سمجھنا ہنر ہوتا ہے اور کمال، ان کے کلام حق ترجمان پر بے سوچے سمجھے اعتراض کرنا کمال نہیں ہوتا بلکہ اپنے دین وایمان کا زوال ہوتا ہے۔

بقول متنبی ؎

و کم من عائبٍ قولاً صحیحاً و آفتہ من الفھم السقیم
(کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صحیح بات کو غلط کہتے ہیں حالانکہ وہ بات غلط نہیں ہوتی بلکہ اپنا دماغ خراب ہوتا ہے)

علامہ ڈھکو صاحب نے ارشاداتِ معصومین علیہ السلام کی روشنی میں بار بار دو چیزیں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ شارع شریعت اور اس کی اجازت کے بغیر عبادت میں کوئی اضافہ کرنا جائز نہیں ہے اور دوسری یہ کہ "جب تک شریعت کی ممانعت وارد نہ ہو تب تک ہر چیز جائز ہے۔" تائید کے مرتب کی طرح ایک عام آدمی کو تو ان دو باتوں میں تضاد نظر آتا ہے مگر عند التحقیق ایسا نہیں ہے کیونکہ پہلی چیز کا تعلق عباداتِ شرعیہ سے ہے۔ جن میں سے ایک

اذان بھی ہے جن کا بنانا اور ان کے اجزاء و شرائط مقرر کرنا شارع کا کام ہے۔ اور دوسری چیز کا تعلق دیگر امور سے ہے (جن میں سے ایک تعزیہ و ذوالجناح بھی ہے) دونوں کے موارد و مواقع الگ الگ ہیں لہٰذا دونوں کو ایک لاٹھی سے ہانکنا یا دونوں کو ایک حکم کے تحت لانا۔ جہاں اپنی جہالت کا اقرار ہے وہاں اپنی ضلالت کا اظہار بھی ہے۔ لہٰذا علامہ صاحب کو اذان و اقامت میں شہادت ثالثہ کے امتناع پر کسی روایت کے پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں جو پڑھتے ہیں ان کو ثبوت فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ باقی رہا امام زمانہؑ کا اپنے زمانہ کے کسی عالم کے نام کوئی حکم (امتناعی) جاری کرنا تو سابق مباحث پڑھنے والے حضرات پر اس ایراد کی رکاکت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کیونکہ جب اذان میں اضافہ ہوا ہی ان کی غیبت صغریٰ کے بعد ہے اور اس کے بارے میں کسی شخص نے کبھی آپ سے استفسار کیا ہی نہیں ہے تو پھر آپ توقیع مبارک کس طرح صادر فرماتے؟ (جیسا کہ پہلے بھی اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے) باقی رہے ایک سو سے زائد مجتہدین عظام کے جواز کے فتاویٰ تو اس سے قبل اس امر کی بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ کسی مجتہد کا اجتہاد صرف اس کی ذات یا اس کے مقلدین کے لیے سند ہوتا ہے۔ کسی دوسرے مجتہد اور محقق کے لیے سند نہیں ہوتا پھر ان فتاویٰ سے علامہ ڈھکو صاحب جیسے صدر المحققین اور افتخار المجتہدین کے اعصاب پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟؟

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کسی ایک مرجع کا فتویٰ پیش کیا جائے کہ جس نے اذان میں شہادت ثالثہ کو بدعت کہا ہو؟ تو اس کا جواب سابقہ اوراق پڑھنے والوں پر واضح ہے کہ ایک نہیں بلکہ بیس سے زائد فقہاء کرام اور مجتہدین عظام کے فتاویٰ پیش کیے جا چکے ہیں۔ جنہوں نے اس اضافہ و ادخال کو بدعت، تشریع اور حرام قرار دیا ہے۔ فراجع

موصوف کے چیلنج کا محققانہ جواب باصواب پیش کرنے کے بعد ہم موصوف کو مشورہ دیں گے کہ روزی کمانے کے اور بہت سے ذرائع ہیں۔

ع روزی تو کسی طور کما کھائے مچھندر

لہٰذا آپ کی دنیا اور آخرت کے لیے بہتر یہ ہے کہ روٹی کمانے اور تنور شکم کو پر فرمانے کے لیے اپنے دوسرے دیرینہ و پارینہ شغل جاری رکھیں اور خالص دینی و فقہی امور میں ٹانگ اڑا کر اور علماء اعلام اور نوابِ امام پر کیچڑ اچھال کر اپنے جیسے دین فروش لیڈروں اور لٹیروں کو خوش کرنے کے لیے خدا و رسول اور آئمہ ہدیٰ کی ناراضی اور ان کی لعنت مول نہ لیں اور اس طرح اپنی دنیا و آخرت خراب و برباد نہ کریں۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

افسوس کہ جس طرح معلم الملکوت کچھ عرصہ فرشتوں میں رہ کر بھی اپنی سرشت نہ بدل سکا اور بالآخر راندۂ بارگاہ ہوا۔ بالکل اسی طرح تائید کا مرتب بھی کافی عرصہ علماء حق کے قریب رہ کر بھی اپنی سرنوشت نہ بدل سکا اور بالآخر

ع پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

کیونکہ بقول سعدی شیرازی

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
گرچہ با آدمی بزرگ شود

سنا ہے کہ آج کل ایک دجال نے اسے خرید کر شرفاء و علماء کو عوعو کرنے کے لیے رکھا ہوا ہے۔

احسن المفہوم کا تذکرہ

اصلاح الرسوم کے خلاف قلم اٹھانے والوں میں ایک صاحب ”خاکپائے اسپ حسینؑ“ بھی ہیں جنہیں باوجود سید اور اولاد حسینؑ کہلانے کے اولاد حسینؑ ہونے پر اتنا فخر نہیں جتنا کہ؟؟ خاکپائے اسپ حسینؑ“ ہونے پر ناز ہے۔ اس کی وجہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

ع کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی؟

حالانکہ بات واضح ہے کہ اگر گھوڑے کو امامؑ کے مرکب کی طرف نسبت کی وجہ سے شرفِ کمال ہے تو احسن المفہوم کے مؤلف کو ولادت و ولایت کی دو نسبتوں کی وجہ سے کیوں شرف حاصل نہیں ہے؟

بہر حال موصوف نے ادھر ادھر سے رطب دیا بس جمع کر کے اور ہاتھوں پر خون لگا کر شہیدوں میں اپنا نام درج کرانے کی ناکام کوشش کی ہے اور پھر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اپنی نام نہاد کتاب میں اپنا، اپنے ناشر بیٹے کا، اپنے مربی اور محسن کا اور اپنے مقدمہ نگار کا چھلکے ہوئے آلوؤں کی طرح فوٹو چھاپ کر اپنے علمی و عملی حدود اربعہ اور اپنے دین و دیانت کا بھانڈا عین چوراہے پر پھوڑ دیا ہے اور اپنا مقصد دنیا پر واضح کر دیا ہے کہ اس قحط الرجال کے دور میں سلطان المتکلمین جیسے یگانہ روزگار مذہبی سکالر کی علمی کتابوں کے غلاف کیسے کیسے لوگ قلم بدست ہیں؟؟ سچ ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکان زند

بہر حال موصوف رقمطراز ہیں ” آخر وہ کون سے اسباب ہیں جن کی بنا پر ڈھکو صاحب

اس قدر پریشان ہوئے۔ کہ انہوں نے پوری ملتِ اسلامیہ شیعہ کے مسلمہ اصول سے انکار کر دیا۔ اہم بات یہ ہے کہ ڈھکو صاحب حوزہ علمیہ نجف اشرف میں ایک عرصہ تک زیر تعلیم رہے وہاں اذان میں اشہدان علیا ولی اللہ کو سنتے ہی رہے ہوں گے وہاں آپ نے یہ اعتراض کیوں نہ اٹھایا۔ طالب علمی کے زمانہ میں نہ سہی۔ تو ماشاء اللہ سندِ اجتہاد کے حصول کے بعد ہی اس سلسلہ میں مراجع عظام سے کوئی بات کی ہوتی اور کچھ نہیں تو کوئی چھوٹا موٹا پمفلٹ ہی شائع کیا ہوتا...... چونکہ شیعہ مذہب کی پہچان ہی علی ولی اللہ سے ہے۔ لہٰذا اس پہچان کو ختم کرنا اپنا نصب العین سمجھتے ہوئے اسے کلمہ شہادت سے ہی خارج کر دینے کے لیے ان کی نیند حرام ہو چکی ہے (احسن المفہوم صفحہ ۲۶)

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں "کیا حضرت شیخ صدوق سے قبل یا بعد کوئی شیعہ محدث نہ تھا جو علی ولی اللہ سے رائج شدہ اذان کے خلاف قلم اٹھاتا۔ یا شیخ مذکور کے بعد ہی کوئی ایسا محدث ہوتا جو شیخ کی تائید فرماتا۔ ثقۃ الاسلام محدث جلیل حضرت محمد بن یعقوب کلینی کیا اس سے بے خبر تھے کہ علی ولی اللہ جزء اذان نہیں؟...... ڈھکو صاحب نے معلوم ہوتا ہے۔ کافی ہاتھ پاؤں مارے ہوں گے کہ انہیں دو چار محدثین اور مل جائیں جو علی ولی اللہ کے منکر ہوں" (احسن صفحہ ۲۹)

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

بے حیا باش وہرچہ خواہی گو

احسن المفہوم کے مؤلف سرکار علامہ ڈھکو صاحب قبلہ کو ملت اسلامیہ شیعہ کے مسلمہ اصول (یعنی ولایت علیؑ) کا منکر قرار دے رہے ہیں کیا انہیں اچھی طرح معلوم نہیں ہے کہ حضرت علامہ نجفی صاحب کی پوری زندگی ملت اسلامی شیعہ کے مسلمہ اصول ولایت علی کے

اثبات اور مذہب حق کے جملہ اصول وفروغ کی صداقت کے دلائل وبراہین پیش کرنے میں گزر رہی ہے کیا ان کی اثبات الامامت (چار سو باون صفحات کی کتاب (۴۵۲) ولایت علی کے اثبات کے لیے نہیں لکھی گئی۔ کیا وہ موصوف کے پیش نظر نہیں ہے۔ اور کیا ڈھکو صاحب قبلہ کی قابل صد افتخار کتاب تجلیات صداقت بجواب آفتاب ہدایت جو کہ مذہب حق پر مخالفین کے تمام اعتراضات کے دندان شکن جوابات پر مشتمل ہے۔ آیا اس کا اکثر حصہ ولایت علیؑ کے اثبات پر مشتمل نہیں ہے۔ نیز ان کی کتاب تنزیہہ الامامیہ کا زیادہ تر حصہ ولایت علیؑ کے موضوع پر نہیں ہے اور یہی کیفیت ان کی کتاب احسن الفوائد کی ہے کیا ایسے شخص کو مسلمات شیعہ کا منکر قرار دینے سے بڑھ کر کوئی کذب صریح اور افتراء قبیح ہوسکتا ہے؟

وانما یفتری الکذب الذین لایؤمنون

اور اس سے بھی بڑھ کر ان کی یہ افتراء پردازی ہے کہ "وہ (ڈھکو صاحب) کلمۂ شہادت سے علی ولی اللہ کو خارج کردینے کے لیے ان کی نیند حرام ہو چکی ہے" یہ جملے پڑھ کر دل چاہتا ہے کہ مولفِ موصوف کے دین ودیانت کی موت پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا جائے۔ حالانکہ موصوف جانتے ہوں گے اور اگر نہیں جانتے تو اب جان لیں کہ حضرت علامہ ڈھکو صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انہی چار کتابوں میں ثابت کیا ہے کہ علی ولی اللہ کلمۂ شہادت کا جزء ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ" (ملاحظہ ہو ان کی کتاب مختصر عقائد الشیعہ، قوانین الشریعہ اصول الشریعہ اور اصلاح الرسوم)

باقی رہی یہ بات کہ انہوں نے نجف اشرف کے مراجع سے اس موضوع پر گفتگو کیوں نہ کی تو موصوف کے اضافہ معلومات کی خاطر واضح کیا جاتا ہے کہ ۱۹۵۷ء میں جب کہ عراق میں آقائے محسن حکیم اعلی اللہ مقامہ، اور آقائی خالصی مرحوم کے درمیان شہادت ثالثہ در

اذان کے موضوع پر باہمی معرکہ آرائی ہو رہی تھی تو علامہ ڈھکو صاحب اس دور میں نجف اشرف میں دوسرے اعلام کے علاوہ خود سرکار آیت اللہ الحکیم اعلی اللہ مقامہ کے درس خارج میں شریک ہوتے تھے اور انہوں نے ان سے اس موضوع پر گفتگو بھی کی تھی مگر ان کی طرف سے سوائے اس کے کہ شہادت ثالثہ "رمز تشیع بن چکی ہے" اور کوئی تسلی بخش جواب نہ تھا اور علامہ صاحب نے چھوٹے موٹے پمفلٹ شائع کرنے کی بجائے اپنے فقہی شاہکار قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ میں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ اذان کے اٹھارہ فصول ہیں جو ہر کہ و مہ کو معلوم ہیں"

باقی رہی حضرت شیخ صدوق کے علاوہ محدث کلینی یا کسی اور عالم کا اذان میں شہادت ثالثہ کا انکار۔ تو جب یہ اضافہ ہوا ہی ۳۳۷ھ کے بعد ہے یعنی آل بویہ کی حکومت کے دور میں جو کہ ۳۳۸ھ میں قائم ہوئی جب کہ سرکار کلینی کا سن وفات ۳۲۹ھ ہے تو جب اس وقت تک یہ فقرہ اذان میں داخل ہوا ہی نہیں تھا تو وہ اس کی تردید کس طرح کرتے؟ ہاں البتہ چونکہ یہ اضافہ حضرت الشیخ صدوقؒ کے دور میں ہوا اس لیے انہوں نے بڑے شدومد کے ساتھ اس کے خلاف آواز بلند فرمائی اور ان کے بعد بڑے بڑے علماء اعلام محدثین عظام اور مجتہدین کرام نے نہ صرف یہ کہ ان کی تائید فرمائی بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں اس پر تنقید بھی فرمائی ان بزرگواروں کے نام اور ان کی عبارات و تحریرات قبل ازیں اسی کتاب میں پیش کی جا چکی ہیں جو احسن المفہوم اور ان جیسے لوگوں کے لیے مکمل البصیرت ہیں۔ مگر آہ ؎

کاخِ جہان پُر است ز ذکرِ گزشتگان
لیکن کسے کہ گوش نہدان صدا کم است

خلاصہ الکلام اینکہ اگر کوئی شخص اذان میں شہادت ثالثہ کہنے سے ولایت کا قائل بنتا ہے اور نہ کہنے سے منکر ہوتا ہے تو پھر مؤلف کے نام بردہ چند علماء و مجتہدین، یا پھر مفوضہ و شیخیہ یا چند سادہ لوح عوام شیعہ ہی قائل ولایت ہوں گے باقی نہ صرف علامہ ڈھکو صاحب کو ملا کر سب اعلام کو حتیٰ کہ خداو مصطفیٰ و مرتضیٰ اور تمام آئمہ ھدیٰ کو مع بارھویں سرکار اور ان کے نواب اربعہ کو منکر ولایت علی قرار دینا پڑے گا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی نہ اس شہادت ثالثہ کا قائل ہے اور نہ ہی عامل اور یہ حقیقت عیاں را چہ بیان کی مصداق ہے۔

سماع وعظ کجا، نغمہ رباب کجا ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

تبصرۃ الھموم کا تذکرہ

اسی سلسلہ میں ایک کتاب تبصرۃ الھموم کے نام سے شائع ہوئی ہے جس میں مختصر سی تنقید اصلاح الرسوم پر کی گئی ہے اور زیادہ تر ایضاح الموھوم کو نشانہ تنقید بنایا گیا ہے اور اس کے مؤلف کو آئینہ دکھایا گیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ایک اچھی کاوش ہے اور دیدہ بینا و گوش شنوندہ اور عقل سلیم رکھنے والوں کے لیے خاصے کی چیز ہے۔ جزی اللہ مؤلفہ خیر الجزاء۔

تبصرۃ الھموم کے مؤلف محترم نے خاص طور پر دو باتوں پر تبصرہ کیا ہے ایک اس بات پر کہ "یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام "اصلاح الرسوم الظاہرہ بکلام العترۃ الطاہرہ" سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب عترت طاہرہ اور اہل بیت پیغمبر کی پیروی کرنے والوں کی اصلاح کے لیے لکھی گئی ہے جو عترت طاہرہ کا دامن پکڑنے کے باوجود راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ لہٰذا اس کتاب میں دوسرے اسلامی فرقوں کی رسومات و عبادات و بدعات کے بارے میں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی یہ خود انہی کا درد سر تھا اور خود انہی کے علماء ہی اس کا علاج کرتے ......

بنابریں اس باب کے عنوانات میں سے خاص طور پر وضو میں پاؤں دھونے کی بدعت، اذان میں تحریف، حی علیٰ خیر العمل کا اخراج، الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ، نماز میں ہاتھ باندھنے کی بدعت...... لہٰذا یہ سب عنوانات اس کتاب سے قابل اخراج ہیں اگر علامہ صاحب ان عنوانات کو اس کتاب میں درج نہ کرتے تو اذان میں تحریف کے عنوان کے تحت شہادت ثالثہ کے جزءِ اذان نہ ہونے کو اس بھونڈے طریقہ سے پیش کرنے کی غلطی نہ ہوتی حالانکہ لکھا انہوں نے بھی وہی ہے جو دوسرے اچھے طریقہ سے لکھتے آئے ہیں یعنی دوسروں نے بھی یہی لکھا ہے۔ کہ یہ فقرہ جزوِ اذان نہیں ہے اور علامہ صاحب نے بھی یہی لکھا ہے۔ کہ "یہاں مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ یہ فقرہ جزءِ اذان نہیں ہے۔ کاش وہ اس مقصد کو اچھے طریقے سے بیان کرتے اور اسے دوسرے فرقوں کی طرح سے رائج اذان میں کمی وبیشی اور تحریف کے بیان کے ضمن میں بیان نہ فرماتے" (تبصرہ المہموم بر اصلاح الرسوم والیضاح الموہوم صفحہ ۱۲،۱۳)

اس تبصرہ وتنقید کے جواب میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اگر تبصرۃ المہموم کے مؤلف محترم اصلاح الرسوم کی وجہ تالیف معلوم کر لیتے تو وہ پہلا ایراد نہ کرتے۔ چنانچہ وضاحۃً عرض ہے کہ اس کتاب کا اصل موضوع "اصلی اسلام اور رسمی اسلام" یعنی یہ واضح کرنا ہے کہ وہ اسلام جو خدا نے بنایا۔ جو مصطفیٰؐ نے بحکم خدا بندوں تک پہنچایا، حضرت امیر علیہ السلام اور دیگر صحابہ باصفا نے پھیلایا اور جسے حسینؑ بن علیؑ نے بھرا ہوا گھر لٹوا کر اور سارا کنبہ کٹوا کر نہ صرف بچایا بلکہ اسے زندہ جاوید بنایا وہ کیا تھا اور آج جو اسلام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے وہ کیا ہے۔ بنابریں ظاہر ہے کہ جب علامہ صاحب اصلی اسلام کی تصویر پیش کر رہے تھے تو اس سلسلہ میں انہیں راستہ میں جو بھی ایجابی یا سلبی بدعات وتحریفات کا روڑا نظر آیا وہ

اسے راستہ سے ہٹاتے گئے انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی کہ آیا سنی اس کی زد میں آرہے ہیں یا شیعہ؟

اور جہاں تک اذان میں شہادت ثالثہ کو بقول ان کے بھونڈے طریقہ سے پیش کرنے کی غلطی کا تعلق ہے تو ہم اس سلسلہ میں صرف یہ عرض کریں گے کہ ؂

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو موتی کی طلب ہے نہ صدف کی

حالانکہ ہم ان کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر یہ بحث اس مقام پر نہ بھی لکھی جاتی اور نرم سے نرم لفظوں میں لکھی جاتی تب بھی ہنگامہ آرائی کرنے والے اپنی شرارتوں سے باز نہ آتے کیونکہ ؂

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

لطف بالائے لطف یہ ہے کہ تبصرۃ الھموم کے مؤلف محترم باوجودیکہ آیۃ اللہ الخوئی کے مقلد ہونے کی بنا پر ان کے فتوی کے مطابق خود اذان میں شہادت ثالثہ کہتے ہیں (تبصرہ صفحہ ۳۶) مگر انہوں نے خود بحث اذان کے خاتمہ پر ایسے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں جو سرکار علامہ ڈھکو صاحب کے جوش للھی میں نکلے ہوئے الفاظ سے بھی زیادہ سخت ہیں چنانچہ موصوف لکھتے ہیں۔ ''شہادت ثالثہ کے اذان میں ادخال کو دسویں صدی ہجری تک بزرگ ترین شیعہ علماء ناجائز، خود سے گھڑی ہوئی شریعت۔ اپنی طرف سے خدا کی مقرر کردہ عبادت میں اضافہ اور بدعت کہا کرتے تھے (تبصرۃ الھموم صفحہ ۶۱)

اسے کہتے ہیں ؂

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

(بعض مراجع تقلید کے بیانات سے اس بات کی تائید مزید کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دوسرے آئمہ ھدیٰ ؑ کے ادوار میں شہادت ثالثہ اذان میں نہیں پڑھی جاتی تھی)

جوابی کتابوں میں ایران صانہا اللہ عن الحدثان کے متعدد مجتہدین کرام کے مختلف مسائل پر بہت سارے فتاویٰ حاصل کر کے شائع کیے گئے ہیں اگرچہ سوالات کو توڑ موڑ کر پیش کیا گیا ہے اور اس طرح مفید مطلب فتاویٰ حاصل کرنے کی سعی کی گئی ہے مگر اس کے باوجود اکثر فتوے ان مؤلفین کے منشا کے برخلاف ہیں مگر ان لوگوں نے اپنی بے علمی اور بے شعوری کی وجہ سے وہ بھی درج کر دیے ہیں۔

مثلاً شہادت ثالثہ در اذان کے بارے میں جناب آقائی ناصر حکام شیرازی مدظلہ سے سوال کیا جاتا ہے ''کیا اشہد ان علیا ولی اللہ آئمہ کے زمانہ میں نہ کہا جانا تقیہ کی وجہ سے تھا''۔ آپ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کسی زمانہ میں بھی شہادت ثالثہ جزء اذان نہ تھی۔ کبھی تبرکاً پڑھا جاتا اور کبھی نہ پڑھا جاتا (انتصار ۲۴۶)

یہی سوال آقائی حافظ بشیر حسین صاحب مدظلہ سے کہا جاتا ہے۔ ''آیا علتِ سقوط اشہد ان علیا ولی اللہ تقیہ کی وجہ سے اذان سے ہوا؟ موصوف جواب میں رقم طراز ہیں ''حیات اسلامی کے پہلے ایام میں اس کلمہ کے ذکر نہ کرنے کی وجہ معلوم نہیں۔ یہ اذان و اقامت عبادات سے ہیں لہذا ان میں کان نہیں بنایا جا سکتا۔ (انتصار صفحہ ۲۴۱)

(ایک ضروری وضاحت)

بعض غیر ذمہ دار مدعیان علم اشارۃً لکھ رہے ہیں اور بعض صراحۃً کہہ رہے ہیں کہ نبیؐ اور امامؑ کے دور میں اذان و اقامت کے اندر شہادت ثالثہ کے کہنے کا مقتضی تو موجود تھا اور آپ کہنا بھی چاہتے تھے مگر تقیہ کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے۔ ایسے حضرات سے صرف اتنا پوچھنا ہے کہ آیا بیان احکام شریعت میں نبیؐ بھی تقیہ کر سکتے ہیں؟ اور اگر وہ ایسا کریں تو پھر بندوں کو خدا کی اصلی شریعت کون پہنچائے گا؟ اور اگر بالفرض دوسرے آئمہ کے دور میں تقیہ تھا تو کیا جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ظاہری پانچ سالہ دور میں اور امام حسن مجتبیٰؑ نے اپنے چھ ماہ دور حکومت میں اسے خود پڑھا یا دوسروں سے پڑھایا ہے؟ اور اگر دوسرے آئمہ اطہار کے ادوار میں تقیہ تھا اس لیے وہ مساجد و منابر پر علانیہ شہادت ثالثہ نہیں پڑھا سکتے تھے تو کیا گھروں میں فرادیٰ نماز میں بھی اس کے پڑھنے پر حکومتی پابندی تھی؟ اور خاص طور پر حضرت امام حسین علیہ السلام جو ہر قسم کے تقیہ کی زنجیریں توڑ کر دین کی حفاظت و بقاء کی خاطر میدان کربلا میں سب کچھ قربان فرما رہے تھے انہوں نے بھی تقیہ کیا تھا اور شہادت ثالثہ نہیں پڑھی تھی؟ اور اگر پڑھی تھی تو ثبوت دو۔!

سرّ خدا کو عارفِ سالک بکس نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید؟

ایک عذر لنگ کا اجمالی جواب

نیز ادلۂ سنن میں تسامح" کا سہارا لینے والوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ مستحب

بھی احکام خمسہ میں سے ایک حکم ہے اور ہر شرعی حکم کے اثبات کے لیے قرآن وسنت کی نص قطعی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ''احادیث من بلغ'' کا مطلب اور مفہوم اور ہے اور احکام خمسہ میں سے کسی حکم کا ثابت کرنا اور؟ ہے۔

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا است
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

احقاق الحق کا تذکرہ

انہی جوابی کتابوں میں سے ایک نام نہاد کتاب احقاق الحق وابطال الباطل بھی ہے جو ایک سبق حرام ملانے لکھی ہے جو کہ درس آل محمد فیصل آباد اور بالفاظ مناسب قوم لوط کے اڈا کے فارغ التحصیل ہیں اور انجمن جاہلان پاکستان کے چند اراکین نے اس کا تعارف کرایا ہے۔ کسی جاہل نے اس کا تعارفی مقدمہ لکھا اور کسی ابوجہل نے تقریظ لکھی ہے اور یہ کتاب کیا ہے؟ اباطیل واکاذیب کا پلندہ اور کفریات وشرکیات اور شیخی حضرات کی غلط سلط تحریرات کا وہ مجموعہ ہے کہ اگر اسے آگ میں جلایا جائے اور کسی آدمی تک اس کا دھواں پہنچ جائے تو بعید نہیں ہے کہ اسے کوڑھ کا مرض لاحق ہو جائے۔ ایک کاذب نے گفتنی ہا میں جھوٹ کا سہارا لے کر شیخیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو جھوٹے قصے کہانیوں اور بناوٹی مناظروں سے اسے بچانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ آہ۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی اب آبروئے شیوۂ اہل ہنر گئی

مرتب کتاب نے اپنی علمی نابالغی کی بنا پر اہل ایمان کے عقائد خراب کرنے کے لیے چند مجہول المسند مرسل بلکہ جعلی احادیث پیش کی ہیں حالانکہ مقام اعتقاد میں علماء اعلام کا

اتفاق ہے کہ صرف آیات محکمات پر یا روایات متواترات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے جو کہ مفید یقین ہوتی ہیں اور جہاں تک اخبار احاد کا تعلق ہے تو وہ اگرچہ صحیح السند ہی کیوں نہ ہوں مقام اعتقاد میں ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا (ملاحظہ ہو مقدمہ شرح اصول کافی فاضل مازندرانی، حدیقہ سلطانیہ سید العلماء سید حسین لکھنوی)

چہ جائیکہ وہ اخبار احاد، مرسل اور مجہول السند ہوں جیسا کہ اس نام نہاد کتاب کے مؤلف کی پیش کردہ روایات معرفتہ بالنورانیہ اور خطبہ طارق بن زیاد اور حدیث بساط وغیرہ کہ جن کو گو علامہ مجلسی علیہ الرحمتہ نے سابع بحار الانوار میں نقل تو کیا ہے مگر وہ بھی ان کو صحیح تسلیم نہیں کرتے چنانچہ موصوف بہ عنوان (باب نادر) میں اس قسم کی حدیثوں کو درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں "اقول انما افروت لھذہ الاخبار باباً لعدم صحة سانیدھا وغرایة مضامینھا فلا نحکم بصحتا ولا بطلا نھا ونردّ علمھا الیھم علیم السلام (سابع بحار صفحہ ۳۸۵)

یعنی میں کہتا ہوں کہ میں نے ان اخبار کو ایک علیحدہ باب میں اس لیے ذکر کیا ہے کیونکہ ایک تو ان کی سند صحیح نہیں ہے۔ دوسرے ان کے مضامین و مندرجات بھی عجیب و غریب ہیں لہٰذا ہم نہ ان کو صحیح کہتے ہیں اور نہ ہی بالکل باطل۔ بلکہ ان کو انہی ذوات مقدسہ کی طرف لوٹاتے ہیں (جن کی طرف یہ منسوب ہیں) تو جب سرکار مجلسیؒ بھی ان اخبار کی صحت کی ضمانت نہیں دیتے تو پھر کس طرح ایک ضال و مضل مؤلف علامہ مجلسی کے حوالہ سے ان بے سروپا روایات نقل کر کے لوگوں کو گمراہ کرسکتا ہے؟؟

اور جہاں تک حافظ رجب برسی کی کتاب مشارق الانوار کا تعلق ہے تو ان کی یہ کتاب رطب و یابس، غث و ثمین اور صحیح و سقیم کا وہ مجموعہ ہے جس پر علماء اعلام اعتماد نہیں کرتے۔

چنانچہ عالم ربانی جناب علامہ شیخ حر عاملیؒ برسی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "وفی کتابہ افراط وربما نسب الی الغلو (امل الآمل طبع ایران صفحہ ۴۴) یعنی حافظ رجب برسی کی کتاب مشارق الانوار میں افراط پایا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات اسے غلو کی طرف نسبت دی جاتی ہے" یہ ٹھیک ہے کہ شیخ مرحوم نے کتاب میں برسی کو محدث، فاضل، شاعر اور ادیب لکھا ہے مگر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کسی شخص کا فاضل، شاعر اور ادیب ہونا اور ہے اور محقق ہونا اور؟؟

اسی طرح سرکار علامہ مجلسیؒ موصوف اس کی کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں

"کتاب مشارق الانوار للحافظ رجب البرسی ولا اعتمد علی ما یتفرد بنقلہ لاشتمال کتابہ علی مایوھم الخلط والخبط ...... یعنی کتاب مشارق الانوار جو کہ حافظ برسی کی تالیف ہے میں اس کتاب کی ان روایات پر اعتماد نہیں کرتا جن کے نقل کرنے میں موصوف متفرد ہوں۔ کیونکہ ان کی کتاب خلط وخبط پر مشتمل ہے (مقدمہ بحار الانوار صفحہ ۶) نیز سرکار موصوف اپنے رسالہ لیلیہ اعتقادیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ولا عبرۃ بما رواہ البرسی وغیرہ من الاخبار الضعیفۃ۔ یعنی برسی وغیرہ نے جو ضعیف اخبار و آثار نقل کیے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔" اس بیان حقیقت ترجمان سے وہ عمارت ہی زمین بوس ہو جاتی ہے جو اس دجال نے ہر ہر باب میں تعمیر کی تھی اور عوام کو اپنے علماء اعلام سے متنفر کرنے کی خاطر بلند کی تھی۔ فقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباءً منثورا۔ والحمدللہ

یہ روایات۔ قرآن کی محکم آیات اور مذہب شیعہ کے مسلمات کے منافی ہیں قطع نظر علماء محدثین کے ان بیانات عالیہ کے اگر ہمیں طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم قرآن وسنت کی تصریحات سے ثابت کرتے کہ جس طرح خطبۂ بیانیہ بے بنیاد ہے۔ اسی طرح حدیث

معرفت بالنورانیہ، حدیث طارق اور حدیث بساط وغیرہ قرآن مجید کی محکم آیات اور مذہب شیعہ کے مسلمات کے منافی ہونے کی وجہ سے دیوار پر پھینکنے کے لائق ہیں۔ کیونکہ بالاتفاق اختلاف اخبار و آثار کے وقت سچ اور جھوٹ کے پرکھنے کا معیار قرآن وسنت ہی ہے (اصول کافی، بخاری شریف)

لطف بالائے لطف یہ ہے کہ مؤلف نے ان بے سروپا روایات کے کفریہ و شرکیہ مضامین و مطالب کو اپنی کتاب کا پہلا باب قرار دے کر عقائد حقہ کا نام دیا ہے سچ ہے۔ ع

برعکس نہند...... نام زنگی کافور۔

اس مشرک نے دوسرے باب شرک کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے اور جن امور کو سرکار علامہ نجفی مدظلہ، نے آئمہ اہلبیتؑ کی تعلیمات کی روشنی میں اصلاح الرسوم میں شرک خفی و جلی قرار دے کر قوم کو شرک جیسے ناقابل معافی ظلم عظیم سے بچانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ موصوف نے اس شرک کو مشرف بہ اسلام کرنے کی سعی نافرجام کی ہے۔ جس میں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ ژاژ خائی اور بے حیائی الگ بات ہے۔

شیخیوں کے اس ایجنٹ نے اپنی کتاب کا تیسرا باب علمِ غیب کو قرار دے کر اور ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار کر اپنے جیسے چند غالیوں کے ذاتی خیالات اور کچھ رطب و یابس قسم کے روایات درج کر کے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ سرکار محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام عالم الغیب ہیں۔ کیا وہ ایسا کر کے یہ خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے سرکار آیت اللہ النجفی مدظلہ، کی اصلاح الرسوم، احسن الفوائد اور اصول الشریعہ میں بیان کردہ آیات محکمات، روایات متواترات اور شیعہ علماء اعلام کے بیان کردہ حقائق اور مسلمات کا جواب پیش کر دیا ہے حاشا وکلا۔ یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ عقیدہ ہو یا عمل بلکہ ہر دینی شعبہ

میں پہلے قرآن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ بعدازاں سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے مسلمہ فرمان کی طرف اور یہاں بفضلہٖ تعالیٰ قرآن اور چہاردہ معصومینؑ کا فرمان متفق ہیں کہ پوری کائنات ارضی وسماوی میں صرف خداوند عالم کی ذات بابرکات ہی عالم الغیب ہے اور کوئی نہیں ہے چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ "قل لایعلم من فی السموات والارض الغیب لا الله" (نمل۔۶۶) کہہ دو کہ جتنے لوگ آسمان وزمین میں ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات خدا کے سوا نہیں جانتا" (ترجمہ فرمان)

خداوند عالم نے اسی اعلان پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اپنے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بارے میں اعلان کریں کہ "قل لا اقول لکم عندی خزائن الله ولا اعلمُ الغیب (انعام۔۵۰) کہہ دو کہ میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں" (ایضاً) نیز خدا نے مزید وضاحت کی خاطر اپنے مصطفیٰؐ سے کہلوایا کہ "لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر ومامنی السوء (اعراف ۸۸) اگر میں غیب جانتا ہوتا تو یقیناً میں اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا۔ اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی (ایضاً) قرآن کریم کے ان واضح ارشادات اور پیغمبرؐ اسلام کے واضح اعلانات کے بعد بھی اس بات کے صحیح تسلیم کرنے میں کوئی شک وشبہ باقی رہ جاتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے اور جب سرورؐ انبیاء اور سردارِ اہلبیتؑ عالم الغیب نہیں ہیں تو پھر کوئی اور نبی یا امام کس طرح عالم الغیب ہو سکتا ہے؟؟

اور جہاں تک سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے ارشادات وفرمودات کا تعلق ہے تو ان کے متعدد صحیح السند اور صریح الدلالہ ارشادات موجود ہیں کہ وہ عالم الغیب نہیں ہیں صرف خدا کی ذات عالم الغیب ہے۔ انہی ارشادات سے متاثر ہو کر سرکار علامہ مجلسیؒ نے سابع بحار

الانوار میں پورا ایک باب قائم کیا ہے۔ کہ ''انھم علیھم السلام لایعلمون الغیب'' کہ حضرات محمد وآل محمد علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہیں۔

اس نام نہاد کتاب احقاق کا جاہل مؤلف صفحہ ۱۴۴ پر لکھتا ہے کہ ''اصول کافی میں نفی غیب از آئمہ ھدیٰ کے عنوان سے کوئی باب نہیں ہے'' حالانکہ اصول کافی باب الحجہ میں ''باب نادر فیہ ذکر الغیب'' کے عنوان سے پورا باب موجود ہے۔ جس میں چار حدیثیں ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا جاتا ہے۔ الامام یعلم الغیب۔ آیا امام علم غیب جانتا ہے؟ امام فرماتے ہیں لا۔ نہیں۔ ہاں البتہ جب وہ کوئی چیز جاننا چاہے تو خدا اسے جنوا دیتا ہے۔ اور بحار الانوار کی جلد ۷ صفحہ ۱۱۴ طبع قدیم ایران پر اس قسم کا پورا باب موجود ہے۔ جس میں پوری چھ عدد احادیث پیش کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ صرف خداوند عالم ہی عالم الغیب ہے اور آئمہ ھدیٰ عالم الغیب نہیں ہیں۔ وھو المطلوب۔ کیونکہ شرعی اصطلاح میں عالم الغیب اس ہستی کو کہا جاتا ہے۔ جس کا علم ذاتی ہو اور کلی و احاطی ہو اور وہ ہستی صرف خدا کی ہے۔ شیخی مؤلف نے اپنی اس کتاب کے چوتھے باب میں ''نوع لاہوتی'' کا عنوان قائم کر کے سرکار آئمہ اطہارؑ کو فوق البشر اور انسانی نوع سے خارج کر کے ان کی لاہوتی نوع تجویز کی ہے اور ظاہر ہے کہ عالم لاہوت سے مراد عالم الوھیت ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر اس مشرک کو صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ وہ حضرات بندے نہیں ہیں بلکہ خدا ہیں یہ مخبوط الحواس شخص یہاں تو یہ کہتا ہے اور پھر دسویں باب میں ان کو انسانِ کامل ثابت کرتا ہے۔ اور پھر انسان کامل کا تصور یہ پیش کرتا ہے کہ ''انسان کامل وہ ہوتا ہے۔ جو خدائی کام انجام دے سکے۔ اس کا مطلب تو وہی ہوا۔ جو کسی صوفی شاعر نے پنجابی میں کہا ہے۔ ع ظاہر دے وچ پیر فریدن تے باطن دے وچ اللہ

یعنی ان حضرات نے بظاہر انسانی لباس پہنا ہوا ہے اور باطن میں خود خدا ہیں (العیاذ باللہ) اور یہی کفر صریح ہے حالانکہ صحیح اسلامی تعلیم اور ایمانی تلقین وہی ہے جو سرکار علامہ نجفی مدظلہ نے اپنی کتابوں میں پیش کی ہے۔ کہ تمام انواع عالم میں سے افضل واشرف انسانی نوع ہے۔ اور انبیاء ومرسلین اور آئمہ طاہرین اسی افضل واعلیٰ نوع کے افضل واشرف افراد کاملہ ہیں۔ لہٰذا یہ خدا کی پوری خدائی میں اور خدا کی پوری آسمانی وزمینی مخلوق میں ان کی ہم پایہ اور ان کے برابر کوئی مخلوق نہیں ہے۔ الغرض خدا اپنے خدا والہ اور خالق ہونے میں بے مثل ہے اور یہ ذوات مقدسہ اس کی پوری کائنات ومخلوقات میں بے مثل مخلوق ہیں اور کامل انسان ہیں اور انسان کامل اسے نہیں کہتے جو خدائی کام کرے بلکہ اسے کہتے ہیں جو ہر قسم کی انسانی اعلیٰ صفات سے متصف ہو۔ اور تمام انسانی کمزوریوں اور ادنیٰ صفات سے مبرا ہو۔ وذلک اوضح من ان یخفی۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے۔ ع وہ سرمایہ وہم وخیال ہے۔ بہرحال یہ حقیقت روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ یہ ذوات قادسہ نوع عالی یعنی انسانی نوع کے افراد کاملہ ہیں اور یہ عقیدہ فاسدہ رکھنا کہ وہ بنی آدم سے مافوق کوئی مخلوق ہیں۔ یہ ضال ومضل شیخ احمد احسائی کا من گھڑت عقیدہ ہے۔ چنانچہ عالم جلیل آقائی سید مہدی قزوینی اپنی کتاب بوار الغالین صفحہ ۲۶ طبع بمبئی پر لکھتے ہیں "من جملہ عقائد الشیخ احمد المخالفہ لما علیہ المسلمون کون النبی و عترتہ خلقاً فوق بنی آدم الخ۔ یعنی شیخ احمد احسائی کے منجملہ ان عقائد کے جو تمام مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہیں ایک عقیدہ یہ ہے کہ حضرت محمدؐ وآلہ محمد علیہم السلام بنی آدم کے اوپر کوئی مخلوق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ خالص شیخی عقیدہ فاسدہ ہے۔ جسے شیخیوں کا یہ وظیفہ خوار ایجنٹ شیعی عقیدہ ظاہر کر کے شیعوں کے سر منڈھنا چاہتا ہے۔ جس میں وہ اور اس کے ہم پیالہ وہم

نوالہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ انشاء اللہ۔

ان عادت العقرب عدنا لها وکانت النعل لها حاضرة

اس رسوائے زمانہ کتاب کا چھٹا باب آئمہ اطہار کے حاضر و ناظر ہونے کے بارے میں ہے کہ وہ خداوند عالم کی طرح یہ حضرات ہر وقت ہر جگہ حاضر بھی ہیں اور ناظر بھی۔

اسے انقلاب زمانہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ آج سرکار علامہ نجفی مدظلہ جیسے جامع المعقول و المنقول محدث، فقیہہ اور مفسر قرآن کی تحقیقی کتابوں (جن کا لوہا ایران وعراق کے علماء اعلام بھی مان چکے ہیں) کے جواب میں وہ طفلہائے مکتب قلم اٹھا رہے ہیں، جن جاہلوں کو یہ تک معلوم نہیں ہے کہ محال عقلی کیا چیز ہے۔ اور محال عادی کیا ہے؟ چنانچہ جو چیز عقلاً محال ہو جیسے خدا کا شریک، ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز کا سفید و سیاہ ہونا یا ایک ہی ملک اور ایک ہی علاقہ میں ایک ہی وقت میں دن اور رات کا اکٹھا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ ان محالاتِ عقلیہ سے قدرتِ خدا کا بھی تعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ہر اس شی پر قادر ہے۔ جس کے ممکن ہونے کی وجہ سے قدرت خدا کا اس سے تعلق ہو سکتا ہے اور جو امر محال اور ناممکن ہوتا ہے وہ شی ہی نہیں ہوتا اور جب وہ شی ہی نہیں ہوتا تو پھر اس سے قدرتِ خدا کا تعلق بھی قائم نہیں ہو سکتا اور منجملہ ان محالات عقلیہ کے ایک محال اور ممتنع امر یہ بھی ہے کہ کوئی جسم دار چیز ایک وقت میں ایک سے زائد مقامات پر موجود ہو۔ خدا اس لیے ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ کہ وہ جسم و جسمانیات سے منزہ و مبّرا ہے۔ ورنہ جو چیز بھی جسم رکھتی ہے خواہ وہ نوری ہو یا ناری یا خاکی وہ ایک وقت میں ایک ہی مقام پر ہو سکتی ہے جب وہ وہاں سے منتقل ہوگی۔ تو پہلی جگہ اس سے خالی ہوگی اور دوسری جگہ پُر۔ اور ظاہر ہے۔ کہ انبیاء ہوں یا آئمہ وہ جسم رکھتے ہیں اور جب جسم رکھتے ہیں تو پھر ایک وقت میں ایک ہی جگہ حاضر ہوں گے۔ اگرچہ

وہ زوارت مقدسہ ایک لمحہ میں جس قدر طویل مسافت پر جانا چاہیں باقدار اللہ جاسکتے ہیں اور پھر واپس بھی آسکتے ہیں مگر جب یہاں ہوں گے تو وہاں نہیں ہوں گے اور جب وہاں ہوں گے تو پھر یہاں نہیں ہوں گے۔ امامؑ زمانہ کے بارے میں جو وارد ہے۔ کہ الحاضر فی الامصار و الغائب عن الابصار۔ تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ وہ ہر وقت ہر شہر میں حاضر ہیں۔ بلکہ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ آزاد ہیں کبھی اس شہر میں اور کبھی اس شہر میں۔ کبھی مکہ میں اور کبھی مدینہ میں اور کبھی نجف اشرف میں اور کبھی کربلا معلیٰ میں اور کبھی مشہد مقدس میں۔ ورنہ خلاف عقل و نقل اگر کوئی مخلوق ایک وقت میں ایک سے زائد مقامات پر ہوسکتی ہے۔ تو پھر بتایا جائے کہ جب جبرائیل امین پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں زمین پر وحی لاتے تھے۔ تو اسی وقت آسمان پر بھی موجود ہوتے تھے؟ یا جب پیغمبرؐ اسلام معراج پر تشریف لے گئے تھے تو آیا آپ اسی وقت زمین پر بھی تشریف فرما تھے؟ یا جب پیغمبرؐ اسلام شب ہجرت اپنے بستر پر حضرت علیؑ کو سلا کر غار ثور میں تشریف لے گئے تھے تو آیا اسی وقت اپنے بستر پر بھی موجود تھے؟ اور جب جناب امیر علیہ السلام بستر رسولؐ پر محو استراحت تھے تو عین اسی وقت غار ثور میں بھی موجود تھے؟ یا جب امام حسین علیہ السلام مدینہ چھوڑ کر مکہ پہنچے تو اسی وقت مدینہ میں بھی موجود تھے یا جب امام زین العابدین علیہ السلام زندانِ شام میں قید تھے۔ تو اسی وقت مدینہ میں بھی موجود تھے۔ یا جب رہائی کے بعد مدینہ پہنچے تو کیا اس وقت زندانِ شام میں بھی موجود تھے۔ وھکذا۔ مالکم کیف تحکمون ھل فیکم رجل رشید؟ میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص یہ بات کہتا ہے۔ اس پاگل کا اصلی مقام پاگل خانہ ہے باقی اس شیخی نے جو شاہد و شہید والا گورکھ دھندا پیش کیا ہے اس امر کی پوری تحقیق سرکار علامہ نجفی نے اپنی لاجواب کتاب اصول الشریعہ میں پیش کردی ہے۔ کہ ایک گواہ کے لیے کسی چیز کی گواہی

ذینے کے لیے اس بات کا یقین ہونا چاہیے خواہ وہ جس طریقہ سے بھی حاصل ہو جائے۔

چنانچہ پیغمبر اسلام خدا کے بتانے سے گواہی دیں گے اور آئمہ ھدیٰ پیغمبر اسلامؐ کے بتانے سے اور کراماً کاتبین کی تحریر پڑھنے سے گواہی دیں گے اور شیعہ آئمہ ھدیٰ کے بتانے سے (تفسیر مجمع البیانی۔ تفسیر نور الثقلین و تفسیر صافی وغیرہ)

شہادت ثالثہ در اذان

تاجرانِ خونِ حسینؑ ۔ شیخی مبلغین اور بدعقیدہ اور بے لگام مقررین کا سارا زور بیان اور زورِ قلم تو سرکار علامہ نجفی مدظلہ، کی اس تحریر کے خلاف ہے جو انہوں نے اصلاح الرسوم میں لکھی کہ اذان کے کل اٹھارہ فصول ہیں اور شہادت ثالثہ اس اذان کا جزء نہیں ہے۔ جو خدا نے مقرر فرمائی اور جبرئیلؑ کے ذریعہ پیغمبر اسلام تک پہنچائی اور آپؐ نے اپنے پورے حینِ حیات میں منبر وہ پر کہلوائی اور آپؐ کے بعد حضرت علی علیہ السلام سے لے کر بارہویں لعل ولایت حضرت ہادی مہدیؑ کی غیبت کبریٰ تک پورے بارہ آئمہ اہلبیتؑ نے خود کہی اور کہلوائی۔ ہاں البتہ جب بنی عباس کے عمومی دورِ اقتدار میں چوتھی صدی کے اندر ایران میں بنی دیلم کی شیعہ حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے بنی امیہ و بنی عباس کے خلفاء کی اس روش و رفتار کے ردعمل کے طور پر جو انہوں نے آل رسولؐ کے ساتھ روا رکھی ہوئی تھی۔ پہلی بار اس فقرہ کو اذان میں جاری کیا جو باوجود علماء و فقہاء کی مخالفت کے آج تک برابر جاری ہے۔ سرکار علامہ نجفی مدظلہ، نے اصلاح الرسوم میں لکھا تھا کہ "عہد رسالتؐ سے لے کر امامؑ زمانہ کی غیبت کبریٰ تک کسی بھی دور میں یہ فقرہ اذان میں نہیں کہا گیا اور نہ ہی کسی ضعیف سے ضعیف معصومی روایت سے اس کے جزء اذان و اقامت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (صفحہ ۹۷

اصلاح الرسوم) جوابی کتابیں لکھنے والوں اور رطب ویابس جمع کر کے خریداران یوسف میں اپنا نام درج کرانے والوں میں اگر کوئی علمی دم خم ہوتا تو پھر سرکار علامہ کے خلاف بکواس بازی، افتراء پردازی اور سب وشتم کر کے امیر شام کی سنت کو زندہ کرنے کی بجائے کسی اسلامی تاریخ اور تفسیر حدیث سے کسی مستند حدیث سے یہ ثابت کرتے کہ یہ فقرہ خدا نے جزء اذان بنایا اور نبیؐ وآل نبیؐ میں سے کسی امامؑ نے اذان میں کہایا کہلوایا۔ پس ساری بحث ہی ختم ہو جاتی۔ مگر یہاں تو حقیقت یہ ہے کہ علماء متقدمین تو اس فقرہ کے کہنے کی ممانعت فرماتے ہیں اور متاخرین اپنی اپنی فقہی کتابوں میں اذان کے اٹھارہ فصول لکھتے ہیں۔ ہاں البتہ وہ بھی حقیقت بیان کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ اگر شہادت رسالتؐ کے بعد تبرکاً و تیمناً شہادت ولایت بھی دے دی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کرام پہلا فتویٰ تو خدا اور رسول کی شریعت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر دیتے ہیں اور دوسری بات عوام کالانعام کے گستاخ ہاتھوں سے اپنی پگڑی بچانے کی خاطر لکھتے ہیں۔ فتوؤں کی اس بھرتی کا فائدہ کیا ہے؟ محقق حلی صاحب شرائع الاسلام نے لکھا ہے کہ ......(لو خلا ائماۃ من قول المعصوم لما کان حجۃ ولو خصل فی اثنین لکان حجۃ۔ اگر ایک سو علماء کا قول امام کے قول سے خالی ہو تو وہ حجت نہیں ہے اور اگر دو علماء کے قول میں قول معصوم شامل ہو تو وہ حجت ہے (المعتبر)

احقاق الحق کا شیخی مرتب بوگس حوالوں کے سہارے، شرم وحیا کا پردہ چاک کر کے برابر صفحوں کے صفحے سیاہ کر رہا ہے اور شیخی اور غالی اور فاطر العقل قسم کے مصنفین کی کتابوں کے بوگس حوالے دے رہا ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے دور میں یہ فقرہ کہا جاتا تھا۔ آئمہ کے ادوار میں بھی کہا جاتا تھا اور صحابہ کرام جیسے ابوذرؓ و

سلیمانؑ بھی کہتے تھے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔ یہ سب باتیں جھوٹ کا پوٹ ہیں۔ جن میں صداقت اور سچائی کا کوئی نام ونشان بھی نہیں ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین ۔ یہ سب بوگس حوالے ہیں۔ جن کا حقیقت سے ادنیٰ سا بھی کوئی تعلق نہیں ہے نام بردہ کتابوں میں سے کسی کا دنیا میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ جیسے السلافہ فی امر الخلافہ، مصابیح اور ارشاد طبری وغیرہ اور بعض اس قدر نا قابل اعتبار ہیں کہ ان کو کتاب کا نام دینا بھی روا نہیں ہے جیسے الھدایہ فی امر الخلافہ۔

بموجب، پیالہ از آش گرم تراست

مرزا احقاقی نے بھی اپنی کتاب احکام شریعت میں نماز کے تشہد میں شہادت ثالثہ کا ذکر نہیں کیا مگر استعمار کے اس ایجنٹ نے اپنی اس کتاب کا ایک پورا باب ''شہادت ثالثہ در تشہد'' کے نہ صرف جواز بلکہ لزوم کے لیے وقف کیا ہے اور ذاتی خرافات، شیطانی قیاسات اور جاہلانہ خیالات سے پورا باب بھر دیا ہے۔ مگر ارشادات معصومین اور تاریخ اسلام کی روشنی میں ایک حوالہ بھی پیش نہیں کر سکا۔ کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام میں سے کسی معصوم نے پڑھا ہو یا کسی مومن کو پڑھنے کا حکم دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ محقق علماء وفقہا نے اس اضافہ کو حرام اور مبطل نماز قرار دیا ہے جسے شک ہے۔ وہ سرکار آقائی محسن حکیم اور سرکار آقائی خوئی اعلی اللہ مقامھما اور دیگر اعلام کے فتاویٰ ملاحظہ کر سکتا ہے۔ جو بیسیوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

دیدہ دلیری کی انتہا

سب محرّبین دین یعنی تمام شیخین مل کر اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اذان واقامت میں

تو شہادت ثالثہ کا جواز بالخصوص اس کی جزئیت تو ثابت کر نہیں سکے اور اب چار ہاتھ آگے بڑھ کر تشہد میں اس کا جواز ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں اور سادہ لوح عوام کی محبت اہلبیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی سب سے افضل عبادت (نماز) کو برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی عمل ہو یا عبادت جو آل محمدؐ کے طریقہ کے مطابق نہیں وہ باطل ہے۔ کمالا یخفیٰ ان لوگوں پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

؎ تو کار زمین رانکو ساختی   کہ با آسمان نیز پرداختی

ایک علمی لطیفہ

احقاق کے شیخی ایجنٹ مرتب نے اپنے نامہ اعمال کی طرح اپنی کتاب کے تقریباً ۲۰ صفحات اس بات کے لیے سیاہ کیے ہیں۔ کہ فقہ الرضا نامی کتاب حضرت امام رضا علیہ السلام کی تصنیف ہے جو کہ بالکل غلط ہے اور خلاف حقیقت ہے۔ مگر لطف بالائے لطف یہ ہے کہ اس کتاب میں جواذان درج ہے وہ اٹھارہ فصول پر مشتمل ہے یعنی اس میں شہادت ثالثہ نام کی کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے تو پھر اس کتاب کو امامِ ضامنؑ ثامن کی تصنیف ثابت کرنے کا انہیں فائدہ کیا ہوا؟ یا سعد الابل؟

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

مصافحہ کا مسئلہ

مؤلف موصوف نے اذان اور تشہد کے موضوع پر رطب و یابس اکٹھا کرنے اور اس سلسلہ میں تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودی اور کمزور دلیلیں پیش کرنے سے فارغ ہو کر نماز

باجماعت میں سلام کے بعد اور اختتام نماز کے بعد مصافحہ کرنے کے موضوع پر بھی طبع آزمائی فرمائی ہے اور ملاؤں والی فطرت کہ دین ملائی سبیل اللہ فساد کے طور پر پہلے مصافحہ کے چند فوائد گنواتے ہوئے یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ سرکار آیت اللہ النجفی مدظلہ، مصافحہ کے بالکل منکر ہیں۔ یہ ژاژ خائی کی ہے کہ ''موصوف اتحاد شیعہ کو تباہ کرنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ انہیں دو مومن بھائیوں کا مصافحہ کرنا بدعت نظر آتا ہے'' (صفحہ ۱۴۲۷ احقاق)

حالانکہ سرکار موصوف نے خود مصافحہ کرنے کو کار ثواب قرار دیتے ہوئے اس کے چند فوائد گنوائے ہیں چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔ ''بے شک اہل ایمان کا باہمی مصافحہ کرنا کار ثواب ہے اور شرعاً پسندیدہ فعل ہے۔ اس سے دلوں میں میل محبت اور لوگوں میں یک جہتی ویگانگت پیدا ہوتی ہے اس سے گناہ جھڑتے ہیں اور یہ ہمیشہ اور ہر وقت کیا جا سکتا ہے۔'' (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۱۷) بات صرف اس قدر ہے کہ جو سرکار کا مدعا ہے کہ ''نماز باجماعت کا سلام پھیرتے ہی اور اختتام پر لازماً مصافحہ کرنا۔ اس کا کوئی خصوصی حکم نہیں ہے اور سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی سیرت و کردار میں کوئی عملی ثبوت نہیں ملتا (ایضاً) ان لوگوں کی علمی بے مائگی اور عقلی تہی دامنی کا اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا ہوگا کہ جب ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار مار کر تھک گئے مگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمنی ظاہری ۲۳ سالہ دور رسالت اور امام زمانہؑ کی غیبت کبریٰ ۳۲۹ھ تک ان کو کوئی ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملا کہ کبھی نبیؐ یا کسی امامؑ نے یا ان کے مقتدیوں نے نماز باجماعت کے فوراً بعد یا اس کے اختتام پر باہمی مصافحہ کیا ہو؟ اور اگر ملا تو ایک روایت کے مطابق آسمانوں پر شب معراج حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمانوں پر انبیاء کو نماز پڑھائی تو نماز کے بعد آنحضرتؐ نے جناب

ابراہیمؑ سے مصافحہ کیا'' (صفحہ ۴۲۸ احقاق)

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

بعد از نماز مخصوص زیارات پڑھنے کا مسئلہ

سرکار علامہ نجفی مدظلہ، نے اصلاح الرسوم میں اقرار کیا ہے کہ ''نزدیک اور دور سے سرکار معصومین علیہم السلام کی زیارت پڑھی جاسکتی ہے۔ بلکہ پڑھنا کار ثواب ہے'' (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۱۸) آپ کو جو اختلاف ہے وہ چہاردہ معصومینؑ میں سے صرف تین حضرات کی زیارت پڑھنے یا نماز کے بعد سب کی لازماً زیارت پڑھنے سے ہے کیونکہ سیرت آئمہ طاہرینؑ اور اسوہ فقہاء کاملین میں اس کا کوئی عملی ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ التزام صحیح نہیں ہے۔'' (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۱۸) حضرت علامہ نے نہ مصافحہ کو بدعت و حرام قرار دیا ہے اور نہ نماز کے بعد زیارت پڑھنے کو۔ یہ اس مفتری کی افتراء پردازی اور فتنہ سازی ہے۔

والفتنة اکبر من القتل. وانما یفتری الکذب الذین لایومنون

اس مفتری نے سارا زور بیان زیارت پڑھنے کے جواز پر دیا ہے جس کے سرکار علامہ پہلے ہی قائل ہیں۔ بلکہ صفحہ ۱۱۹ پر ہر نماز کے بعد پڑھنے کے لیے چہاردہ معصومین علیہم السلام کی ایک مختصر زیارت درج بھی کی ہے اور اسی طرح اپنی کتاب مستطاب زاد العباد لیوم المعاد میں سرکار محمد آل محمد علیہم السلام کی دور سے پڑھی جانے والی بعض زیارات نقل بھی کی ہیں لہٰذا اس کوڑھ مغز کا سرکار علامہ مدظلہ کے بیان کو ''نجدیت'' کی تبلیغ قرار دینا کسی طرح بھی

درست نہیں ہے۔

نزول وظہورِ آئمہؑ

کے بارے میں اس ظالم نے سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام پر وہ ظلم ڈھایا ہے۔ جو یزید بن معاویہ اور متوکل عباسی بھی ان ذوات مقدسہ پر نہ ڈھا سکے۔ بے شک انہوں نے ان حضرات پر جسمانی مظالم کے پہاڑ ڈھائے تھے مگر وہ بھی ان کے حسب ونسب پر حملہ کرنے کی جرأت وجسارت نہ کر سکے تھے لیکن یہ ظالم اپنے ہم پیالہ اور ہم نوالہ بدعقیدہ لوگوں کی طرح قرآن مجید کی بعض آیات سے غلط تمسک کر کے ان کی ولادت کا انکار اور نزول کا اقرار کر رہا ہے جیسے ''یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم رانزلنا الیکم نوراً بیناً (النساء) یا واتبعوا النور الذی انزل معہ اولیئک ھم المفلحون (اعراف)

اس جاہل کو یہ معلوم نہیں کہ نزول یا انزال کا لفظ لوہے کے بارے میں بھی قرآن میں استعمال ہوئی ہے (تو کیا لوہا آسمان سے اترتا ہے یا کان سے نکلتا ہے)

رزق کے بارے میں بھی لفظ تنزیل وارد ہے ''وما ننزلہ الابقدر معلوم'' حالانکہ رزق آسمان سے نہیں اترتا بلکہ زمین سے پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ انعام (چوپاؤں) کے بارے لفظ انزال وارد ہوا ہے تو کیا چوپائے بھی پیدا نہیں ہوتے بلکہ بنے بنائے اور گھڑے گھڑائے آسمان سے نازل ہوتے ہیں؟ مالکم کیف تحکمون اللہ کے بندو! یہ چالاکیاں چھوڑ دو اور صاف صاف کہہ دو کہ یہ ذوات مقدسہ لم یلد اور لم یولد کا مصداق ہیں اور دراصل خدا ہیں۔ جو انسانی لباس میں ملبوس ہو کر ظاہر ہوئے ہیں۔

بیفگن پردہ تا معلوم گردد که یاران دیگرے رامی پرستند

ہاں البتہ یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ ذوات مقدسہ لم یلد ولم یولد ہیں، نہ خود پیدا ہوئے ہیں اور نہ کوئی ان سے پیدا ہوا ہے تو پھر مؤلف کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تک کس طرح پہنچتا ہے اور آپ کس طرح موسوی کہلاتے ہیں؟؟

ہم خرافات وہفوات کے اس پلندہ کے جواب میں انہی چند حقائق پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ انبار سے چند دانے ہی دیکھے جاتے ہیں اور کنویں سے ایک گھونٹ ہی پیا جاتا ہے۔ جس سے پورے انبار کے دانوں اور کنویں کے پورے پانی کی نوعیت وکیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

انہی چند ابواب سے پوری کتاب کے ذاتی خرافات وبکواسات اور شیطانی قیاسات کا پتہ چل جاتا ہے کہ شیخیوں کے سکہ بند ایجنٹ اور سبق حرام مشرک باللہ اور غلو نواز نے اپنی ایجنٹی پکی کرنے کی خاطر اپنے نامۂ اعمال کی طرح اپنی کتاب کے اوراق سیاہ کیے ہیں وبس وذلک ھو الخسران المبین۔

۷۔ رسوم الشیعہ کا تذکرہ

مخفی نہ رہے کہ خریداران یوسف کی فہرست میں نام درج کرانے والوں میں ایک مولوی محمد حسنین ساجی بھی ہیں۔ جنہوں نے عبداللہ بن ابی بن ابیٔ سلول یا ابلیس لعین والا کردار ادا کیا ہے۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۷۰۔۱۹۶۵ء کے عشرہ میں جب کہ پاکستان میں شیعہ علماء اور شیخی علماء کے درمیان بحثوں کا بازار گرم تھا۔ تو

موصوف سلطان المدارس خیر پور میرس سندھ میں مدرس تھے اور مختلف اسلامی و علمی موضوعات پر سرکار آیت اللہ علامہ نجفی مدظلہ، سے خط و کتابت کرتے رہتے تھے اور سرکار موصوف کے علمی جوابات پر سر دھنتے تھے۔ اور تعریفی خطوط لکھتے تھے۔ کہ

ع بسیار خوباں زیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حتیٰ کہ یہی چیز ان کو کشاں کشاں مدرسہ محمدیہ سرگودھا لے آئی۔ جہاں سرکار موصوف پرنسپل تھے اور یہاں تدریس بھی شروع کی اور درس بھی۔ تعلیم بھی شروع کی اور تعلم بھی۔ چنانچہ کتاب مکاسب، کتاب کفایہ اور اصول کافی کا کچھ حصہ سرکار علامہ النجفی مدظلہ سے پڑھا اور ہمیشہ اپنا اخلاص و ایمان ظاہر کرتے رہے اور مدح و ثناء کے ڈونگرے برساتے رہے۔

حتیٰ کہ جب ۱۹۶۶ء میں سرکار علامہ نے اختلافی مسائل کے حل کے سلسلہ میں اصول الشریعہ لکھ کر شائع کی تو اس وقت موصوف کے نفاق و شقاق کا پردہ چاک ہوا اور پھر راندہ بارگاہ ہوا۔ جب انہوں نے یہاں رہ کر اصول الشریعہ کے جواب میں نام نہاد کتاب جواہر الاسرار کے نام سے تلہ گنگ کے ایک ہمدانی کی جانب سے شائع کرائی اور جب راز فاش ہوگیا تو ان کو مدرسہ سے نکال دیا گیا اور وہ اس کے بعد پہلے جامعۃ الغدیر احمد پور سیال اور پھر درس آلِ محمد فیصل آباد میں رہے اور وہاں سے معافی کے خطوط لکھتے رہے اور جب سرکار علامہ نے اس غدار کو معافی نہ دی تو پھر اس نے کویتی شیخیوں سے اپنے دین و مذہب کا سودا کیا اور ملتان کو اپنا مقر و مرکز بنایا۔ اور دم واپسیں تک شیخیت کی خدمت کرتے رہے۔ اور اس کی ترویج و ترقی میں کوشاں رہے۔ اور دین و دیانت اور مذہب حق کو طلاق بائن دے دی۔ جیسا کہ اس کی دوسری تحریروں کے علاوہ خود رسوم الشیعہ سے روز روشن کی طرح واضح اور آشکار ہے۔ سچ ہے کہ اذا القیت جلباب الحیاء فاضع ماشئت۔ یعنی بے حیا

باش دہر چہ خواہی کن۔ جس کا اس سبق حرام نے جابجا مظاہرہ کیا ہے آہ۔ وہ آغاز اور یہ انجام؟ خدا توفیق سلب نہ کر"

پہلی خلاف شریعت حرکت

شرع انور کا حکم ہے کہ ظنوا بالمومنین خیراً...... کہ اہل اسلام وایمان کے بارے میں حسن ظن سے کام لو۔ حتیٰ کہ اگر کسی کلام کے ستر معنوں کا احتمال ہو تو انہتر تک اسے اچھے محمل پر محمول کرو۔

چنانچہ اصلاح الرسوم کے مقدمہ میں بڑی وضاحت سے یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ جن حالات سے ملک وملت گزر رہے ہیں اور جن اعتقادی وعملی مسائل سے دوچار ہیں بالخصوص قوم شیعہ جس فکری اور عملی خلفشار اور انتشار کا شکار ہے ان حالات میں علماء دین کے کاندھوں پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور امر و نہی کے جس فریضہ کی ادائیگی ان کے ذمہ لازم ہے اس سے سبکدوش ہونے کی خاطر یہ کتاب لکھی گئی ہے (اصلاح الرسوم صفحہ ۲۶،۲۷،۲۸) مگر یہ ذات شریف "اصلاح الرسوم کیوں لکھی گئی" کا عنوان قائم کر کے لکھتا ہے کہ "دیوبندی بھائیوں کو مانوس کرنے کے لیے اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ہمیں بریلویوں سے زیادہ دیوبندیوں سے دلی عقیدت ہے۔ چند مخصوص ذہنوں کی ملی بھگت اور طے شدہ منصوبہ کی وجہ سے اچانک یہ کتاب تاش کے پتے کی طرح پھینک دی گئی" (رسوم الشیعہ صفحہ ۳۳) انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر شرافت وآدمیت کا دامن چھوڑ کر مخالفت برائے مخالفت کرتے ہوئے بڑے بھونڈے انداز میں اپنے سرپرستوں کو خوش کرنے کے لیے اصلاح الرسوم میں بیان کردہ عقائد وحقائق کے خلاف ژاژ خائی کی ہے جس کی زندہ مثال

اصلاح الرسوم میں شرک جلی وخفی کے اقسام پر بے جا اور پھسپھسی تنقید ہے جسے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو وہ تردید سے زیادہ تائید ہے۔

دو باتوں کی وضاحت

موصوف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۱ پر لکھا ہے کہ ”شرک خفی کا ارتکاب کرنا دائرہ اسلام اور اہل توحید کے دائرہ سے خارج ہونے کا سبب نہیں بنتا“ یہ بات درست ہے چنانچہ سرکار علامہ نے اصلاح الرسوم میں اس کے خلاف نہیں لکھا۔ دوسری یہ کہ موصوف نے سجدہ تعظیمی کو جائز ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے مگر سرکار علامہ نے اس کے حرام ہونے کے جو دلائل قائم کیے ہیں...... موصوف نے ان کو چھوا بھی نہیں ہے۔

ولایت تکوینی کا اجمالی تذکرہ

موصوف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۶۷ سے لے کر صفحہ ۷۰ تک ولایت تکوینی والے باطل نظریہ کے اثبات میں زور بیان صرف کیا ہے۔ ہم قبل ازیں ثابت کر آئے ہیں کہ جس باطل عقیدہ کا نام آئمہ معصومینؑ کے دور میں تفویض تھا جس کے معتقد پر انہوں نے لعنت کی ہے پھر مرور ایام کے ساتھ اس کا نام شیخیت رکھا گیا۔ آج اسے خوشنما غلاف میں لپیٹ کر ”ولایت تکوینی“ کہا جاتا ہے۔ ع نیا جال لایا پرانا شکاری

اذان میں اشہد ان علیا ولی اللہ کا اضافہ

موصوف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۳ سے لے کر صفحہ ۱۲۰ تک پورے ۲۸ صفحات سیاہ کیے ہیں اور ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار کر رطب ویابس کی بھرمار کی ہے مگر ان پورے اٹھائیس

صفحات میں موصوف ایک حوالہ بھی پیش نہیں کر سکے کہ یہ شہادت ثالثہ پیغمبر اکرمؐ کے عہد سے لے کر بارہویں لعلِ ولایت کیغیبت کبریٰ تک کسی معصوم نے اذان میں پڑھی ہے جیسا کہ سرکار آقائے نجفی مدظلہ، کا دعویٰ ہے اس سے بڑھ کر حق وحقیقت کی بالادستی اور کیا ہوگی؟ اور حق کی تائید غیبی والٰہی کیا ہوگی؟ ع آزمائے جس کا جی چاہے

تشہد میں علی ولی اللہ

موصوف نے مذکورہ بالا عنوان قائم کر کے نماز کے تشہد میں شہادت ثالثہ کے جائز ہونے کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش بھی کی ہے یہ بات بھی عجائبات روزگار میں سے ہے کہ موصوف یہ شہادتِ اذان واقامت میں تو ثابت کر نہیں سکے اور نماز جیسی توقیفی عبادت میں اس کے اثبات کا بیڑا اٹھا رہے ہیں۔

تو کار زمین را نکو ساختی۔ کہ با آسمان نیز پرداختی

موصوف نے یہاں بھی اور وہاں (اذان میں بھی) چند علماء وفقہاء کے اقوال پیش کرنے کی کوشش کی ہے مگر اتنا نہیں سوچا کہ احکام شریعت کا مصدر و مأخذ اللہ تعالیٰ کا قرآن ہے اور سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کا کلام وفرمان۔ ہمارے مذہب میں علماء وفقہاء کا کام احکام شریعت کا بیان کرنا ہے احکام شریعہ کا وضع کرنا اور بنانا نہیں ہے۔

فقہ الرضا کا اجمالی تذکرہ

چونکہ فقہ الرضا کتاب میں تشہد میں ''ان علیاً نعم الولی'' لکھا ہے اور یہ کتاب امام رضا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ سرکار علامہ نجفی مدظلہ، نے اصلاح الرسوم میں ثابت کیا

ہے کہ علمائے محققین اور فقہائے مدققین کے نزدیک فقہ الرضا نامی کتاب قطعاً ناقابل اعتماد ہے اور حضرت امام رضا علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت ہرگز ثابت نہیں ہے (اصلاح صفحہ ۱۰۷) یہاں سرکار موصوف نے چند علماء کی تحقیقات کا حوالہ دے کر مذکورہ بالا مطالب کو ثابت کرنے کے بعد ایک علمی لطیفہ کا ذکر کیا تھا کہ جو لوگ اس کتاب کو امام رضا علیہ السلام کی تالیف سمجھتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ اذان واقامت بھی اس کے مطابق دیں، وضو بھی اس کے مطابق کریں اور لباس بھی اس کے مطابق پہن کر نماز پڑھیں۔" پھر کتاب کے حاشیہ پر اس کی یوں وضاحت کی تھی کہ "فقہ الرضا" نامی کتاب میں اذان واقامت میں اشھد ان علیاً ولی اللہ مذکور نہیں ہے۔ نیز اس میں وضو کے بارے میں لکھا ہے کہ پاؤں کا دھونا بھی صحیح ہے اور مسح کرنا بھی درست ہے۔ نیز اس میں لکھا ہے کہ حرام جانور کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں نماز پڑھی جا سکتی ہے (اصلاح صفحہ ۱۰۷) ساقی صاحب نے "جھوٹ کی دھوم" کا عنوان قائم کر کے کتاب کے صفحہ ۱۳۴ پر پہلا جھوٹا حوالہ اور دوسرا جھوٹا حوالہ۔ کا عنوان قائم کر کے پاؤں کا مسح کرنے یا دھونے اور حرام کے رنگے ہوئے چمڑے میں نماز کے پڑھنے کو جھوٹا حوالہ قرار دیا ہے۔ سچ ہے کہ ساون کے اندھے کو ہر شے سبز ہی نظر آتی ہے اسی طرح جھوٹے آدمی کو ہر جگہ جھوٹ ہی جھوٹ نظر آتا ہے حالانکہ یہ جھوٹ نہیں ہے بلکہ بالکل سچ ہے ہمارے سامنے فقہ الرضا کا ایران (استان قدس مشہد مقدس المؤتمر العالمی الامام الرضا علیہ لسلام) کا شائع کردہ نسخہ موجود ہے اس کے صفحہ ۹۶ پر اذان واقامت مذکور ہے جس کی اٹھارہ فصول ہیں اور شہادت ثالثہ کا نام تک نہیں ہے اور وضو میں پاؤں کے دھونے یا مسح کرنے کے جواز کا تذکرہ صفحہ ۷۹ پر بایں الفاظ مذکور ہے۔ وکلاھما جائزان الغسل والمسح

اور حرام کے رنگے ہوئے چمڑے میں نماز پڑھنے کا جواز صفحہ ۳۰۳،۳۰۲ پر مذکور ہے۔

ع آزمائے جس کا جی چاہے

قارئین کرام اس کے بعد صرف ایک بار آیت معلومہ لعنۃ اللہ علیٰ الکاذبین کی تلاوت کردیں۔

(ایک اور لطیفہ) سرکار علامہ نجفی مدظلہ نے اپنے علمی لطیفہ میں فقہ الرضا کے حوالے سے تین باتوں کا تذکرہ کیا تھا۔ اذان، وضو اور نماز...... ساقی صاحب نے اپنی کوتاہ اندیشی سے دو حوالوں کو تو جھوٹا قرار دیا ہے (جو کہ سچے ہیں) مگر تیسرے حوالے یعنی اذان والے حوالے کو شیرِ مادر سمجھ کر پی گئے ہیں کیوں؟

(مخصوص تعداد میں درود پڑھنے، مخصوص اوقات میں مصافحہ کرنے اور مخصوص زیارات پڑھنے وغیرہ جیسے علمی مباحث میں غلط مبحث کی بدترین مثالیں)

سرکار علامہ النجفی مدظلہ، نہ درود شریف پڑھنے کے مخالف ہیں بلکہ اسے بہترین عمل خیر سمجھتے ہیں اور نہ ہی اہل ایمان کے باہمی مصافحہ و معانقہ کرنے کے خلاف ہیں بلکہ اسے بخشش گناہ کا بہترین ذریعہ جانتے ہیں اور نہ ہی وہ نماز کے بعد زیارات پڑھنے کے خلاف ہیں بلکہ اسے کار ثواب جانتے ہیں۔ ہاں البتہ انہوں نے صرف الزام مالم یلزم کی نفی کی ہے کہ ہر نماز کے بعد اپنی طرف سے درود شریف کی کوئی مخصوص مقدار مقرر کرنا، یا سلام پھیرتے ہی دائیں بائیں مصافحہ کرنا یا نماز کے بعد صرف تین زیارتیں پڑھنے کا التزام

کرنے کے خلاف قلم اٹھایا تھا۔ مگر بدنیت اور کم علم لوگوں نے انہیں درود شریف پڑھنے، مصافحہ کرنے اور زیارات پڑھنے کا منکر تصور کر کے ان کے جواز پر زورِ قلم صرف کیا ہے اور اس کے ثواب بیان کیے ہیں جو سراسر مکاری وعیاری اور فریب کاری ہے اور ان لوگوں کی علمی تہی دامنی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا۔ کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا ثبوت واقعہ معراج سے دیا ہے۔ جبکہ پیغمبرِ اسلام کے مکی و مدنی ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں انہیں ایسا کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ملا۔ اس سے بڑھ کر حق وحقیقت کی فتح وکامرانی کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟؟

کچھ رسوم عزاداری کے بارے میں

خدا کسی بندہ سے اپنی توفیق سلب نہ کرے ورنہ آدمی اس طرح اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے کہ اسے چمکتا ہوا سورج بھی نظر نہیں آتا اور آوازِ حق بھی سنائی نہیں دیتی۔ جب کوئی آدمی خدا اور رسول اور آلِ رسول کی خوشنودی کو چھوڑ کر عوام کالانعام کی خوشنودی حاصل کرنے کو قبلۂ مقصود بنالیتا ہے تو پھر مکمل گونگا شیطان بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی نگاہ میں حق وباطل کا امتیاز بھی ختم ہو جاتا ہے اور اسے محسوس بھی نہیں ہوتا کہ وہ تائید کس کی کر رہا ہے اور تردید کس کی؟ جیسا کہ سابقی صاحب اور قبیلہ کے خدا ناترس لوگوں نے کیا ہے۔ جنہوں نے اصلاح الرسوم کے خلاف اور اس سے پہلے اصول الشریعہ کے خلاف طوفانِ بدتمیزی اٹھایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس طرح مت ماردی کہ نہ بصارت رہی اور نہ بصیرت اور دوسری سزا یہ دی کہ زندگی بھر تقریر وتحریر میں حق کی تردید اور باطل کی تائید کرتے رہے۔

وذلک ھو العذاب الالیم

(۱) سرکار آیۃ اللہ النجفی نے اصلاح الرسوم میں عزاداری سید الشہداء میں پہلی اصلاح یہ تجویز کی تھی کہ چونکہ یہ عبادت ہے نہ کہ تجارت۔ لہٰذا مجالس میں مک مکا اور چک چکا جائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر پڑھنے والا خلوص نیت سے مجلس پڑھے اور پھر بانی مجلس حسب توفیق اس کی کچھ خدمت کردے تو اس کا لینا دینا جائز ہے (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۳۴) اس کے جواب میں ساقی صاحب تاجرانِ خون حسینؑ کو جواز مہیا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "شرعاً مجلس خوانی پر معاوضہ طے کرنا جائز ہے" (رسوم الشیعہ صفحہ ۱۸۹)

اور ثبوت میں جناب فاطمہ بنت حسینؑ کا کمیت شاعر کو تیس ہزار دینار اور ایک گھوڑا دینے (بحوالہ ج) حضرت امام محمد باقرؑ نے مذکورہ شاعر کو پچاس ہزار درہم دیئے (مناقب ابن شہر آشوب) اور ایک بار امام محمد باقرؑ نے مذکور شاعر کو پچاس ہزار اور دوسری بار ایک لاکھ درہم عطا فرمائے مگر کمیت نے واپس کر دیئے اور عرض کی کہ مجھے ایک قمیص عطا فرمائیں جو آپ کی جلد سے مس ہوئی ہو (الغدیر) رسوم الشیعہ ۸۹)

اس بندہ خدا سے کوئی پوچھے کہ اس واقعہ سے مجالس عزا میں مک مکا اور چک چکا کرنے کی تائید ہوتی ہے یا تردید؟ کیا کبھی کسی شاعر اہلبیتؑ نے آئمہ اہلبیت سے چک چکا بھی کیا تھا؟ کہ میں نے آپ کے جد مظلوم کا مرثیہ لکھا ہے مگر سناؤں گا تب جب آپ یہ بتائیں گے کہ معاوضہ کس قدر دیں گے؟؟

سرکار علامہ نجفی مدظلہ، نے مجالس میں غنا و سرود کی ممانعت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مجالس پڑھنے، پڑھانے اور سننے والوں کی اکثریت غنا و سرود کو پسند کرتی ہے جس کی حرمت اور قصائد و مراثی میں اس جرم کی سنگینی پر سب علماء و فقہاء کا اتفاق ہے (اصلاح صفحہ ۱۳۶) اس کے جواب میں ساقی صاحب لکھتے ہیں۔ "غنا سے مراد اگر وہ مخصوص لہجے ہوں

جو فسق و فجور کی شناخت ہیں تو اس کے حرام ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے مگر خوش الحانی، سریلی آواز کی ایجاد ہی معصومین علیہم السلام نے فرمائی ہے (رسوم الشیعہ صفحہ ۱۹۰) یہاں سوال یہ ہے کہ موجودہ دور کی فلمی طرزیں اور دھنیں فسق و فجور کی شناخت ہیں یا نہ؟ یقیناً ہر باشعور انسان اس سوال کا جواب اثبات میں دے گا تو پھر جو قصائد اور مراثی انہی فلمی دھنوں میں لکھے اور پڑھے جائیں وہ کس طرح جائز ہوں گے؟ خوش الحانی اور ہے اور غنا و سرود اور؟

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است!!

مہندی اور سیج کا جلوس:

ساقی صاحب نے ہر غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کی قسم کھائی ہے تو وہ سب عقلی و شرعی دلائل و براہین کو نظر انداز کر کے جو سعادۃ الدارین اور اصلاح الرسوم میں دامادیِ قاسم کی رد میں بیان کئے گئے ہیں اس بے بنیاد افسانے کے اثبات پر زور دیا ہے کہ شیخ عباس قمی نے نفس المہموم میں کہا ہے کہ "ہماری نظر میں جناب قاسم کی شادی سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس کو ملا حسین کاشفی نے روضۃ الشہداء میں نقل کیا ہے۔" (رسوم الشیعہ صفحہ ۱۹۷) اگر فی الواقع موصوف کو اس قصے کے انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی تو پھر اسے اسی کتاب (نفس المہموم) میں درج کیوں نہیں کیا؟ اور پھر اپنے استاد محترم محدث نوری کو اس کی وجہ کیوں نہیں بتائی جنہوں نے اپنی کتاب لؤلؤ والمرجان کے پندرہ بیس صفحے اس بے بنیاد قصے کی تردید میں سیاہ کئے ہیں اور ملا حسین کاشفی تو نویں صدی ہجری میں گزرا ہے۔ اس سے پہلے کیوں کسی شیعہ و سنی مورخ نے یہ واقعہ اپنی کسی تاریخی کتاب میں درج نہیں کیا؟

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

علم، تعزیہ اور ذوالجناح کا تذکرہ

مصلح اعظم سرکار علامہ النجفی مدظلہ نے عزاداری سید الشہداؑ کے سلسلہ میں پہلے علم مبارک، تعزیہ اور ذوالجناح کا قواعد شرعیہ کی رو سے جواز ثابت کیا ہے اور پھر اس سلسلہ میں رائج شدہ غلط رسوم کا تذکرہ کر کے ان کی اصلاح کی کوشش کی ہے یعنی یہ فرمایا ہے کہ ان شعائر حسینیؑ کا بے شک احترام کیا جائے لیکن نہ ان کو سجدہ کیا جائے کیونکہ شریعت مقدسہ میں ہر قسم کا سجدہ غیر اللہ کو کرنا حرام ہے اور نہ ان کے ساتھ عرضیاں باندھ کر ان سے حاجات طلب کی جائیں اور نہ ہی ان پر منت منوتی کے چڑھاوے چڑھائے جائیں کیونکہ ان شعائر کے بنانے کا اصل مقصد تمثیلی شکل میں واقعہ کربلا کو پیش کرنا ہے اور اسے زیادہ موثر بنانا ہے نہ کہ ان سے حاجات طلب کرنا اور ان کو قاضی الحاجات ماننا یا ان کو وسیلہ بنانا۔

ساجی صاحب مذکورہ بالا حقائق کے جواب میں بموجب "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" لکھتے ہیں "اگر کوئی مومن کسی ضریح مقدس کے پاس یا تعزیہ و علم کے پاس اس خلوص سے اللہ کا سجدہ کرتے ہوئے اور شعائر کی تعظیم کرتا ہے کہ اللہ نے اس کو اس سعادت کی توفیق دی ہے تو ایسا سجدہ کمالِ معرفت کا مظہر ہوگا" (رسوم الشیعہ صفحہ ۵۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی نیکی کرنے کے بعد سجدۂ شکر کرنا بہت مستحسن فعل ہے یہی وجہ ہے کہ علماء و فقہاء نے لکھا ہے کہ حاجی کو حج کی سعادت کے حصول پر اور مشاہد مقدسہ کے زائر کو شرف زیارت سے مشرف ہونے کے بعد وہاں سجدۂ شکر ادا کرنا مستحب ہے (مفاتیح الجنان۔ زاد العباد) مگر یہ جو عوام علم تعزیہ اور ذوالجناح کو سجدہ کرتے ہیں یہ سجدۂ شکر نہیں ہے۔ (جیسا کہ ساجی نے اسے سجدۂ شکر بنانے کی ناکام کوشش کی ہے) بلکہ یہ بالکل

واضح ہے کہ یہ ان شعائر کا سجدۂ تعظیمی ہے جو شریعت مقدسہ میں حرام ہے اور ذوالجناح کے ساتھ عرضیاں باندھنے اور اس کے نیچے سے بچے گزارنے کے بارے میں ساقی صاحب لکھتے ہیں ''جب شبیہہ ذوالجناح کا جواز تسلیم کر لیا گیا ہے تو اس کی برکات سے کیوں انکار ہو رہا ہے اگر کوئی ازراہِ تبرک و تعظیم ذوالجناح کا بوسہ دے یا عرضی باندھے یا بچوں کو اس کے نیچے سے گزارے تو یہ کس طرح شرک ہے؟'' (رسوم الشیعہ صفحہ ۲۰۸)

یہاں صرف ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ذوالجناح خدا ہے (العیاذ باللہ) یا شریک خدا ہے؟ یا خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ کفر و شرک ہے اور اگر جواب نفی میں ہے تو پھر اس عمل کا جواز کیا ہے؟ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

کچھ زنجیر تلوار اور قمہ کے ماتم کے بارے میں؟

چونکہ جان خالقِ کون و مکان کی امانت ہے لہٰذا اس میں کوئی بھی ایسا تصرف کرنا جائز نہیں ہے جو اس کی مرضی و منشاء کے خلاف ہو۔ اس لیے اصلاح الرسوم میں اس قسم کے ماتم سے منع کیا گیا ہے جس سے جان کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے۔ **ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکه** (اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) یہی وجہ ہے کہ محقق فقہاء نے اس قسم کے ماتم کو ناجائز قرار دیا ہے جن کے اسماء گرامی اصلاح الرسوم میں درج ہیں جن میں مملکت خداداد ایران صانہا اللہ عن الحدثان کے رہبر جناب آقائے خامنہ ای مدظلہ بھی شامل ہیں۔ جناب ساقی صاحب نے چند علماء کے نام گنوا دیے ہیں کہ فلاں صاحب بھی کہتے ہیں کہ ایسا ماتم جائز ہے اور فلاں بھی کہتے ہیں کہ اس قسم کا خونی ماتم روا

ہے۔ (رسوم ۲۱۴،۲۱۳،۲۱۲)۔

کیا ساقی اور ان کے ہمنواؤں کو اتنا بھی معلوم نہیں ہے کہ اللہ کے قرآن اور سرکار محمد آل محمد علیہم السلام کے ایک فرمان کے مقابلہ میں ایک سو کیا بلکہ ایک ہزار مفتیوں کے جذباتی فتاویٰ کی بھی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔!

علاوہ بریں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر پوری قوم شیعہ خونی ماتم کر کے مرجائے تو اس سے مقصد عزاداری اور مشنِ حسینیؑ کو کیا فائدہ ہوگا؟ یہ چاقو چھریاں اور یہ تلواریں تو دشمنان حسینؑ کے سینوں میں پیوست ہونا چاہئیں تھیں۔ جو خود عزاداروں کے سینوں میں پیوست ہو رہی ہیں۔ مالکم کیف تحکمون؟؟

کچھ لوہے کی کڑی پہننے اور لٹّیں رکھنے کے بارے میں

سرکار علامہ النجفی مدظلہ نے اصلاح الرسوم میں واضح کیا تھا کہ کسی نبی یا امام کا کوئی کام و اقدام اس وقت سنت قرار پاتا ہے جب وہ اسے برضا و رغبت خود انجام دیں اور ظاہر ہے کہ حضرت امام سجادؑ کو ہتھکڑیاں ظالموں نے پہنائی تھیں لوہا وہ مکروہ دھات ہے جس کا ایک چھلا پہن کر بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جناب ساقی نے بھی لوہا پہننے کی کراہت تسلیم کی ہے (رسوم صفحہ ۲۲۳) مگر اس کے جواز پر چند اضطراری واقعات سے تمسک کرتے ہیں کہ "جب حجر بن عدی صحابی امیر المومنین علیہ السلام کو امیر شام نے کوفہ میں زنجیریں پہنا کر مرج عذراء دمشق بلا کر قتل کرا دیا۔ تو انہوں نے شہادت کے وقت وصیت کی کہ مرنے کے بعد میرا لوہا نہ اتارنا اور میرا خون نہ دھونا۔ میں فلاں (قاتل) سے راستے میں (اسی حالت میں) ملنے والا ہوں (رسوم الشیعہ صفحہ ۲۲۶ بحوالہ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ) یا پھر حضرت امام موسیٰ کاظم

علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ ''انہ دفن فی قیودہ وانہ اوصیٰ بذلک ۔ان کو ان کی وصیت کے مطابق ان کی زنجیروں اور بیڑیوں کے ساتھ دفن کیا گیا (رسوم صفحہ ۲۲۸ بحوالہ مستدرک الوسائل)

تو کیا اس اضطراری فعل سے لوہے کی کڑی پہننے کا جواز ثابت ہو جائے گا؟ کیا اسی چیز کا نام علمی استدلال ہے؟ ؏

شرم تم کو مگر نہیں آتی

اسی طرح سرکار علامہ نجفی مدظلہ نے اصلاح الرسوم میں بعض بزرگوں اور پیروں کے نام پر لٹیں رکھنے کی غیر اسلامی رسم کے خلاف لکھا تھا۔اور ثابت کیا تھا کہ یہ رسم ہندوؤں کے سادھوؤں سے ماخوذ ہے۔

ساقی صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وسائل الشیعہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۷ اور مستدرک الوسائل جلد ۲ صفحہ ۶۲۳ میں ایک پورے باب کا عنوان ''باب کراہیۃ حلق موضع راس الصبی وترک موضع'' (رسوم صفحہ ۲۲۹) مگر اس کے باوجود مخالفت برائے مخالفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''بچے کے سر کا کچھ حصہ مونڈنا اور کچھ چھوڑ دینا مکروہ ہے (رسوم الشیعہ صفحہ ۲۲۹) اس اللہ کے بندہ سے کوئی پوچھے کہ یہ فعل حرام ہے یا مکروہ بہرحال ہے تو ممنوع پھر یہ بحث کس لیے؟ اس سے اتنا تو واضح ہو جاتا ہے کہ ایسا کرنا شرعاً کوئی پسندیدہ فعل نہیں ہے (جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں) بلکہ ناپسندیدہ فعل ہے اور یہی بات اس مطلب کے اثبات کے لیے کافی ہے۔

ایک ضروری وضاحت

ساجی نے بار بار یہ کہا ہے کہ یہ بات ابن تیمیہ سے ماخوذ ہے۔اور یہ ابن تیمیہ سے اور فلاں غیر شیعہ سے۔

واضح رہے کہ سرکار علامہ نجفی صاحب جو کچھ کہتے یا لکھتے ہیں وہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں کہتے ہیں ہاں تائید کی خاطر کسی اور کی تقریر و تحریر سے تمسک کرنا اور بات ہے اور اس پر استدلال کی بنیاد رکھنا اور بات؟ ع

سخن شناس نہ دلبر اخطا اینجا است !!

کچھ خاندانی قبرستان یا مقامات مقدسہ کی طرف میت کی منتقلی کے بارے میں:

سرکار آیت اللہ النجفی مدظلہ، نے اس موضوع پر صرف اتنا تبصرہ کیا تھا کہ عام لوگ اس دفن کے مسئلے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں کہ آبائی قبرستان یا مقامات مقدسہ کی طرف ضرور منتقل کرتے ہیں۔ اگرچہ میت کی صرف ہڈیاں ہی باقی رہ جائیں یا میت میں بدبو پیدا ہوجائے۔ آخری نتیجہ یہ قرار دیا تھا کہ ”احوط واولیٰ یہی ہے کہ جس کا جہاں انتقال ہو اسے وہیں سپرد خاک کر دیا جائے (اصلاح صفحہ ۲۶۰) انہوں نے اس نقل وانتقال کو نہ حرام لکھا ہے اور نہ مقام موت پر دفن کرنے کو واجب قرار دیا ہے تو پھر معلوم نہیں ساجی کو اپنی کتاب کے پورے دس صفحے یعنی صفحہ ۲۴۹ سے لیکر صفحہ ۲۵۹ تک سیاہ کر کے اس کا جواز ثابت کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اور اس طرح اپنا اور اپنے قارئین کرام کا وقت کیوں ضائع کیا؟

اسی طرح قبہ وقبور اور مشاہد مقدسہ میں نماز پڑھنے کے بارے میں ساقی نے ابلہ فریبی اور فریب کاری کی حد کر دی ہے بھلا سرکار علامہ نجفی نے کب اور کہاں مشاہد مقدسہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے؟ تا کہ وہ اس کا جواز یا اس کی فضیلت ثابت کریں۔ اسی طرح انہوں نے کب قبروں پر قبہ تعمیر کرنے کے ممنوع ہونے کا تذکرہ کیا تھا کہ یہ شرعاً ممنوع ہے اور ساقی ورقوں پر ورقے سیاہ کرتا جا رہا ہے کہ فلاں قبر پر فلاں نے قبہ تعمیر کرایا اور فلاں قبر پر فلاں نے قبہ بنوایا۔ سوال یہ ہے کہ پنجتن پاک یا بارہ آئمہ یا چہاردہ معصومین میں سے کسی نے کسی کی قبر پر قبہ تعمیر کیا یا کرایا۔ قل ھا توا برھانکم ان کنتم صادقین

کچھ تصوف وعرفان کے بارے میں

مصلح اعظم سرکار آقائے نجفی مدظلہ نے مذہب شیعہ کی مقدس تعلیمات کو ہر قسم کے کفر و شرک اور الحاد کے خس وخاشاک سے پاک کرنے کی خاطر اصلاح الرسوم میں بڑے اختصار کے ساتھ مگر جامع انداز میں یہ حقیقت واضح کی تھی کہ تصوف وعرفان کا قرآن اور شیعہ مذہب کی مقدس تعلیمات سے اتنا بھی تعلق نہیں ہے جتنا کہ کھجور کی گٹھلی کا اس کے چھلکا سے ہوتا ہے اور آئمہ طاہرین کے ارشادات اور محقق مسلمانوں کی تحریرات سے ثابت کیا تھا کہ تصوف و عرفان سرزمین اسلام میں اجنبی پودا ہے۔ مگر یہ توفیق کے سلب ہونے اور اپنے عالی قدر استاد کو عوعو کرنے کا نتیجہ ہے کہ ساقی نے اپنی نام نہاد کتاب رسوم الشیعہ کے پورے بارہ صفحات یعنی صفحہ ۲۷۵ سے لے کر صفحہ ۲۸۶ تک اپنے نامۂ اعمال کی طرح تصوف وتشیع کے یک جان اور دو قالب ہونے کے ثبوت پر صرف کیے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

سچ ہے کہ۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ نیکاں زند

اور ساتھی اور اس کے ہم نوالہ وہم پیالہ مذہبی نابالغوں کی یہ سب ہاؤ ہو اور یہ مذبوحی حرکات اسی بات کا ثمر اور نتیجہ ہیں کہ قوم نے شیخیوں کو شیعہ سمجھ لیا ہے اور کویتیوں کو عراقی اور نجفی سمجھ لیا ہے اور ان آستین کے سانپوں کے بہروپ کو دیکھا ہے ان کے اصلی روپ کو نہیں دیکھا ہے۔

یا رب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات

دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور!!

دوسرا باب

بعض عقائد حقہ کا بیان اور بعض

غلط تاویلات کے جوابات

سرکار علامہ محقق یگانہ آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہ، نے عقائد اسلامیہ وایمانیہ پر متعدد تحقیقی وعلمی کتابیں سپرد قلم وقرطاس فرمائی ہیں۔ جیسے احسن الفوائد فی شرح العقائد، اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ، اعتقادات امامیہ ور ترجمہ رسالہ لیلیہ اور مختصر عقائد الشیعہ وغیرہ۔ اوران کے ذریعہ سے اردو داں عوام وخواص اہل ایمان کے لیے رشد وہدایات کی شمعیں فروزاں کردی ہیں اور بفضلہ تعالیٰ باطل اور ضلالت کے چراغ گل کردیئے ہیں اور بعونہ یہ کتابیں اندرون ملک وبیرون ملک تمام انصاف پسند، علم دوست اور حق پرست لوگوں سے خراج آفرین وتحسین وصول کرچکی ہیں اب علامہ موصوف کو عقائد واصول کے موضوع پر مزید قلم فرسائی کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنا فرض کفائی کما حقہ، ادا کرچکے ہیں ہاں البتہ انہوں نے اپنی تازہ کتاب اصلاح الرسوم میں صرف بر سبیل تذکرہ وتجدید عہد چند عقائد باطلہ کی نشاندہی کردی ہے جو مفوضہ وشیخیہ کی صحبت بد کی وجہ سے اکثر سادہ لوح شیعہ میں سرایت کرگئے ہیں تو اصلاح الرسوم کے خلاف قلم اٹھانے والوں میں سے اگرچہ اکثر لوگوں نے تو نہ ان اعتقادی مسائل کو چھیڑا ہے نہ چھوا ہے مگر بعض نادان اور نوآموز طلبہ نے ان خالص علمی مسائل میں بھونڈے طریقہ پر خواہ مخواہ ٹانگ اڑا کر اپنی جگ ہنسائی کرائی ہے اور کج بحثی کرکے اور شیطان کی آنت کی طرح مختصر بات کو طول دے کر جہاں اپنی کم علمی

اور کوتاہ اندیشی کا ثبوت فراہم کیا ہے وہاں اپنی کج فہمی و بد سلیقگی کا ثبوت بھی دیا ہے۔ مثلاً ایک صاحب نے اپنی کتاب کا ایک پورا باب ''توحید و شرک و عبادت'' کے لیے وقف کر کے پورے آٹھ صفحات سیاہ کر کے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ ''عقیدہ الوہیت کے تحت کوئی بھی قول و عمل ظاہر ہو تو وہ عبادت ہے یعنی کسی ہستی کو مستقل بالذات مالک و مدبرّ و مدیر کائنات سمجھ کر اس کے سامنے خشوع و خضوع ظاہر کیا جائے تو اس کا نام عبادت ہے لہٰذا اگر کسی ہستی (نبیؑ یا امامؑ) کو مستقل بالذات مالک و مدّبر و مدیر کائنات نہ سمجھا جائے بلکہ باذن اللہ ایسا سمجھ کر اس کے سامنے خشوع و خضوع کیا جائے تو وہ عبادت نہیں ہے بلکہ تعظیم و تکریم ہے (خلاصہ مطلب انتصار المظلوم صفحہ ۲۷ تا ۳۴)

حالانکہ اس بے چارے یتیم العقل والعلم کو اتنا بھی معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے جو نظریہ پیش کیا ہے بعینہٖ یہی نظریہ کفار مکہ کا تھا جس کی جابجا قرآن نے رد فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن خبر دیتا ہے کہ جب کفار مکہ سے پوچھا گیا کہ تم کیوں بتوں کی پرستش کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ''مانعبد ھم الالیقر بونا الی اللہ زلفیٰ (القرآن) (ہم ان کو مستقل بالذات مدبر و مدیر کائنات سمجھ کر تھوڑی عبادت کرتے ہیں بلکہ) ہم تو محض اس لیے ان کی عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقیقی مدبر و مدیر کائنات (خدا) کا مقرب بارگاہ بنا دیں'' تو اب بات بالکل واضح ہے کہ اگر کفار مکہ کا یہ جواب خدا اور رسول نے قبول کر لیا تھا اور ان کے شرک کو توحید و عبادت کا درجہ دے دیا تھا تو ہم بھی صاحب انتصار کی تحقیق انیق کو قبول کر لیں گے۔ لیکن اگر خدا و مصطفیٰؐ نے کفار کے اس عذر لنگ کو عذر گناہ بدتر از گناہ سمجھ کر مسترد کر دیا تھا تو ہم بھی اس تاویل علیل کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے اور اسے شرک و کفر کو مشرف بالاسلام کرنے کی عبث کاوش سمجھ کر اسے مسترد کرتے ہیں اور یہ مستقل اور باذن اللہ مدبر

کائنات ہونے کی اصطلاح شیخیوں کی خانہ زاد اصطلاح ہے۔ عقیدۂ تفویض بہر حال غلط اور باطل ہے خواہ استقلالی ہو یا غیر استقلالی۔ اس موضوع کی جملہ تفصیلات کے لیے اصول الشریعہ کی طرف رجوع کیا جائے اس سلسلہ میں میدان علم وعمل کے نابالغ طالب علم نے ملائکہ، اور والدین و برادران یوسف کے سجدوں سے قرآن کی تفسیر بالرائے جیسے سنگین جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے جو غلط استدلال کیا ہے وہ بھی لائق صد مذمت ہے اصلاح الرسوم کے صفحہ ۱۵۰ پر اور اسی طرح احسن الفوائد میں آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے ارشادات اور فقہاء و مجتہدین کی فرمائشات کی روشنی میں روز روشن کی طرح واضح و آشکار کیا گیا ہے۔ کہ خدا نے ملائکہ سے جناب آدمؑ کو قبلہ بنا کر اپنی ذات کو سجدہ کرایا تھا اور والدین و برادران یوسف نے گم شدہ یوسفؑ کو زندہ اور وہ بھی مسند اقتدار پر فائز دیکھ کر سجدۂ شکر ادا کیا تھا۔ (احتجاج طبرسی سابع بحار الانوار، حیات القلوب اور العروۃ الوثقیٰ) اور اگر بفرض محال چند منٹ کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ملائکہ نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا تھا تو چونکہ حکم خدا کے ماتحت کیا تھا لہٰذا وہ حکم خدا کو سجدہ مقصود ہوگا اس لیے شرک نہیں بنے گا۔ ان حقائق سے معلوم ہو گیا کہ جو مخصوص خشوع و خضوع اور جو طریقہ عبادت و اطاعت اور جو طرز دعا و پکار پروردگار عالم سے مخصوص ہے اگر وہ خشوع خضوع اور اس قسم کی عبادت و اطاعت اور اس قسم کی دعا و پکار کسی بھی غیر خدا کے لیے روا رکھی جائے تو یہ شرک عظیم ہوگا۔ نہ کہ تعظیم و تکریم اور یہ ناقابل مغفرت اور ناقابل معافی جرم و گناہ متصور ہوگا۔ ''ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذل لمن یشاء''

آیت اللہ آقائی ناصر مکارم شیرازی سے سوال کیا جاتا ہے کہ ''تعریف شرک جلی و خفی فرما دیجیے'' آپ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ''شرک سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص یا کسی شی

کو خدا کے صفات و افعال و عبادت میں شریک قرار دینا شرک جلی مثلاً بت پرست کہ ظاہراً غیر خدا کی عبادت کرتے ہیں... شرکِ خفی جیسے ریا کاری کہ غیر خدا کو اپنی سرنوشت میں موثر سمجھیں۔

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار

یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں

یہ درست ہے کہ شریعت میں بزرگان کا احترام واکرام واجب ہے مگر نہ اس طرح جس طرح خدا کا کیا جائے جیسے سجدہ جو کہ عبودیت کی آخری منزل ہے۔

(۲) اسی مذکورہ بالا شخص نے اپنی اسی کتاب (انتصار المظلوم) میں ایک مستقل باب "توسلیات" کے عنوان سے معنون کر کے صفحہ ۳۵ سے لے کر صفحہ ۴۷ تک پورے ۱۳ صفحات عقیدہ وسیلہ کو ثابت کرنے کے لیے سیاہ کیے ہیں یہ کہہ کر کہ "وسیلہ کا عقیدہ قرآنی عقیدہ ہے من گھڑت نہیں ہے۔ جبکہ اصلاح الرسوم نے اس عقیدہ کو بدعات کے باب میں شمار کیا ہے" صفحہ ۸۵ (انتصار صفحہ ۳۵)

علاوہ اس کے کہ سرکار آیت اللہ ڈھکو صاحب نے احسن الفوائد اور اصول الشریعہ میں وسیلہ کے اثبات پر اس قدر لکھا ہے کہ وہابیوں کے قلم توڑ دیئے ہیں اور خود اصلاح الرسوم کے جس صفحہ ۸۵ کا حوالہ دے کر اسے بدعت قرار دیتے ہوئے نوآموز مولف نے اس کے خلاف اپنے نامہ اعمال کی طرح پورے ۱۳ صفحات سیاہ کیے ہیں۔ اسی صفحہ پر آیت کریمہ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلہ پیش کر کے وسیلہ کو ثابت کیا گیا ہے۔ بعد ازاں مفہوم وسیلہ کی توضیح وتشریح کی گئی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انتصار المظلوم کے مرتب نے وہ صفحہ پڑھ کر جواب لکھا

ہے یا بغیر پڑھے اس کی تردید کی ہے، اگر پڑھ کر اور یہ سمجھ کر کہ مصنف اصلاح الرسوم وسیلہ کو جائز اور صحیح جانتے ہیں لیکن محض ان کو بدنام کرنے اور مخالفین اے مخالفت کرنے کی خاطر ان کو اس کا منکر قرار دے کر ان کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ ان جیسا کوئی بے دین اور لعین نہیں ہے جو کہ " بموجب یعرفون نعمة الله ثم ینکرونها " جان بوجھ کر حق و اہل حق کی مخالفت کر رہا ہے اور اگر بغیر پڑھے اور بغیر سوچے سمجھے ان کے خلاف قلم اٹھایا ہے تو پھر ان جیسا کوئی جاہل مرکب بلکہ ابوجہل نہیں ہے۔

ع بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

ہاں البتہ سرکار علامہ مدظلہ نے جس چیز کی خصوصی طور پر وضاحت کی ہے وہ وسیلہ کا مفہوم ہے چنانچہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وسیلہ کا یہ مفہوم "کلمۃ حق یراد بہا الباطل" کا مصداق ہے جو بعض بدعقیدہ لوگ مراد لیتے ہیں کہ "یہ ذوات مقدسہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں اور اس طرح یہ واسطہ فیض ہیں" بلکہ اس کا صاف و سادہ اور صریح مطلب یہ ہے کہ ان ذوات مقدسہ کا واسطہ دے کر بارگاہ خداوندی میں دعا و التجا کی جائے کہ وہ ان کے صدقے میں ہمارے حال زار پر رحم فرمائے اور ہماری دینی و دنیوی حاجات برلائے اور سب مشکلات آسان فرمائے ہمارے گناہ معاف فرمائے اور ان کے وسیلے سے ہمیں دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے" (اصلاح الرسوم صفحہ ۸۹) چنانچہ جب اس طرح ان ذوات مقدسہ کا وسیلہ پیش کیا جائے تو خدا ضرور کرم نوازی فرماتا ہے لطف یہ ہے کہ وسیلہ کا جو مفہوم سرکار علامہ نے متعین کیا ہے وہی مفہوم جناب آیت اللہ شیخ جواد تبریزی نے بیان فرمایا ہے جیسا کہ خود صاحب انتصار نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۷ پر درج کیا ہے کہ آپ سے سوال کیا جاتا ہے "اہلبیتؑ کے وسیلہ سے خدا سے حاجات طلب

کرنا کیسا ہے؟

آپ جواب میں تحریر فرماتے ہیں ''خدا سے حاجت طلب کرنا اور اہلبیت کو وسیلہ قرار دینا شریعت میں مطلوب ہے جیسے وابتغوا الیه الوسیله (انتصار المظلوم صفحہ ۲۱۷) مؤلف انتصار المظلوم کی طرح ایضاح الموہوم کے مؤلف نے بھی انتہائی چالاکی اور بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سرکار علامہ کو توسل کا منکر قرار دے کر علماء اعلام سے اس کے جواز کے فتاویٰ منگوا کر اپنی کتاب میں شائع کرائے ہیں جن سے الٹا سرکار علامہ کی حرف بحرف تائید مزید ہوتی ہے چنانچہ آیت اللہ آقائی الشیخ محمد فاضل لنکرانی سے سوال کیا جاتا ہے کہ آیا آئمہ سے توسل شرک و بدعت ہے؟ موصوف جواب میں فرماتے ہیں

''توسل بہ آئمہ معصومینؑ بایں جہت کہ آناں بندگانِ خالص و ممتاز خداوند ہستند، ہیچ گونہ شرک و بدعت نیست یعنی آئمہ معصومینؑ کو اللہ تعالیٰ کے بندگان خالص اور ممتاز سمجھ کر ان سے توسل کرنا کسی طرح بھی شرک و بدعت نہیں ہے (ایضاح صفحہ ۲۴۹)

بہر کیف سرکار محمد آل محمد علیہم السلام کا وسیلہ ہونا ایک مسلمہ شیعی عقیدہ ہے دعائے عدیلہ میں امام زمانہؑ کے بارے میں یہ وارد ہے۔'' وبیمنه رزق الوری و بوجوده ثبتت الارض والسماء' اسی طرح زیارت جامعہ میں وارد ہے۔ کہ بکم فتح الله وبکم یختم و بکم ینزل الغیث وبکم......

الغرض انہی ذوات قادسہ کے صدقہ میں خداوند عالم کائنات کو رزق دیتا ہے اور انہی کے وجود مسعود کی برکت سے زمین و آسمان اپنے مرکز پر قائم ہیں مگر اس کا اس عقیدہ سے کیا تعلق ہے کہ خدا سے لیتے ہیں اور بندوں کو دیتے ہیں۔ شیخیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا جو کام کرتا ہے۔ وہ حضرت علیؑ سے کراتا ہے۔ وسیلہ کے اس مفہوم کے غلط ہونے کے تمام شواہد و دلائل

اصول الشریعہ میں دیکھے جا سکتے ہیں سر دست ایک عالم جلیل کی الکلم الطیب صفحہ ۱۱۹ کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے چنانچہ موصوف فرماتے ہیں۔ ''ولیکن واسطہ فیض بایں معنی کہ از خدا بگیرند و بخلق دہند چنانچہ بعضے بیان کردہ اند درست نیست وایں عقیدہ با توحید افعالی منافات دارد'' یعنی واسطہ فیض کا بایں معنی عقیدہ رکھنا کہ یہ ذوات مقدسہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ عقیدہ توحیدِ افعالی کے ساتھ منافات رکھتا ہے''

ایک عیاری کی پردہ دری

سرکار علامہ نجفی صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب مستطاب اصلاح الرسوم کے صفحہ ۱۵۸ سے لے کر صفحہ ۱۶۰ تک جعلی مزارات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے صفحہ ۱۵۹ پر لکھا تھا۔ ''اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس نقل پر اصل والے تمام احکام مرتب کیے جا رہے ہیں اصلی مزارات مقدسہ کی طرح ان نقلی مزارات کی طرف زیارت کے لیے قافلے آ جا رہے ہیں۔ وہاں نمازیں پڑھی جا رہی ہیں۔ دعائیں مانگی جا رہی ہیں اس کے مواجہ زیارات پڑھی جا رہی ہیں۔ طواف ہو رہے ہیں۔ مکالمات و مخاطبات کا سلسلہ جاری ہے حالانکہ ان میں سے اکثر امور تو وہ ہیں جن کا اصلی قبور مقدسہ پر بھی بجالانا جائز نہیں ہے جیسے طواف اور براہ راست طلب حاجات وغیرہ۔ تا چہ رسد بہ جعلی مزارات'' (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۵۹) مذکورہ بالا عبارت کے آخری جملہ ''اور براہِ راست طلب حاجات'' سے ان کوڑھ مغز مؤلفین نے یہ سمجھا کہ شاید اصلاح الرسوم کے مؤلف علام کے نزدیک قبور مقدسہ کے پاس خدا سے بھی حاجت طلب کرنا جائز نہیں ہے اس لیے اپنی کتابوں میں ''ضرائح معصومین پر طلب حاجت'' کے عنوان قائم کر کے وہاں حاجت طلب کرنے کا جواز ثابت کیا اور علماء

کرام سے لئے جواز پر فتوے طلب کیے۔ حالانکہ علامہ صاحب کا مطلب واضح تھا کہ امور تکوینیہ (خلق، رزق، موت وحیات وغیرہ جیسے امور تکونیہ) میں براہ راست صاحب قبر سے طلب کرنا جائز نہیں ہیں نہ یہ کہ ان کے توسل سے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی دعا کرنا جائز نہیں ہے۔ حاشا وکلا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہاں جانے کا مقصد ہی کیا ہے؟ افسوس کہ

ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

یہ پُر آشوب دور بھی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھنا تھا کہ جو لوگ علمی کتابوں کی چند سطروں کا صحیح مفہوم سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے وہ بھی آج قوم وملت کے درد سے متاثر ہو کر اور قلم بدست ہو کر کتابیں لکھ رہے ہیں اور وہ بھی آیت اللہ نجفی جیسے استاد العلماء اور صدر المحققین کے خلاف۔ ع

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

بعض مؤلفین کی نا سمجھی اور کوڑھ مغزی کی ایک اور مثال

اس ناسمجھی اور کوڑھ مغزی کی دیگر بیسیوں مثالوں میں سے ایک زندہ مثال یہ بھی ہے کہ حضرت علامہ نجفی مدظلہ، نے اصلاح الرسوم کے صفحہ ۲۷۶ پر لکھا ہے "چونکہ میت کے تمام احکام از قسم غسل کفن، دفن اور نماز جنازہ وغیرہ" واجب کفائی ہیں اور واجبات کی ادائیگی پر اجرت لینا بالاتفاق حرام ہے" مطلب یہ تھا کہ غسال اور گورکن کو اس کام کی اجرت دینا جائز نہیں ہے۔ ان مورکھوں نے یہ سمجھا کہ شاید حضرت علامہ کی مراد یہ ہے۔ کہ نماز اجارہ جائز نہیں ہے۔ (حالانکہ یہ نماز دوسرے مجتہدین کی طرح حضرت علامہ صاحب کے نزدیک بھی جائز ہے جیسا کہ ان کے رسالہ عملیہ اور فقہی شاہکار قوانین الشریعہ میں صراحت

ساتھ مذکور ہے) اسی لیے ان لوگوں نے مراجع تقلید سے فتاویٰ حاصل کیے اور کتابوں میں شائع کیے کہ "نماز اجارہ جائز ہے"۔ جبکہ اصلاح الرسوم کی مذکورہ بالا عبارت کا نماز اجارہ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا نماز جنازہ وغیرہ جیسے واجبات کے ساتھ تعلق ہے۔ جو خود آدمی پر بطور واجب کفائی واجب ہیں اس کا اس نماز اجارہ سے کیا تعلق جو واجب کسی اور پر ہوتی ہے اور اجرت لے کر پڑھتا کوئی اور ہے۔؟؟ ع پڑیں پتھر اس سمجھ پر وہ سمجھے تو کیا سمجھے؟؟

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است !!

صاحب ایضاح الموہوم کا ایک اور علمی کارنامہ

صاحب ایضاح الموہوم نے ایک اور تیر بھی مارا ہے۔ کہ نبی و امام کے حاضر ناظر ہونے جیسے علمی و اعتقادی مسائل کے صحیح یا غلط ہونے پر قرآن و حدیث سے ناقابل رد دلائل پیش کرنے کے بجائے جناب آقائی شیرازی کا یہ فتویٰ شائع کرتے ہیں کہ "امام ملائکہ سے افضل ہے اور عزرائیل ہمیشہ ہر جگہ نگاہ رکھتا ہے جیسا کہ روایات میں وارد ہے" (ایضاح صفحہ ۲۵)

اسے کہتے ہیں ماروں گھٹنا اور پھوٹے آنکھ

اس طفل مکتب کو اتنا بھی معلوم نہیں ہے کہ فتوے فروع دین میں کارآمد ہوتے ہیں جس میں تقلید کی جاتی ہے اور وہ بھی صرف اس مجتہد کے مقلدین کے لیے اور جہاں تک اعتقادی مسائل کا تعلق ہے۔ جن میں تقلید جائز ہی نہیں ہے۔ وہاں فتوے کام نہیں آتے۔ وہاں تو دلائل و براہین کارآمد اور مفید ہوتے ہیں۔ و بس۔ پھر آقائے شیرازی نے یہاں

اپنے فتوے کے استناد میں حوالہ بھی اس چیز کا دیا ہے کہ تضحک منہ الثکلی'' جسے سن کر بچہ مردہ عورت بھی ہنس پڑے کہ چونکہ ''ملک الموت ہر جگہ نگاہ رکھتا ہے۔ لہٰذا نبی و امام ہر جگہ اور ہر وقت حاضر بھی ہیں اور ناظر بھی'' انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ بات بالکل خلاف حقیقت ہے کہ ''عزرائیل ہر وقت ہر جگہ حاضر ہے اور ہر وقت ہر جگہ ناظر بھی ہے۔ ملک الموت کے ہزاروں اعوان و انصار ہیں جو مختلف مقامات پر جا کر لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ اسی طرح نبی و امام بھی ہر وقت اور ہر جگہ نہ حاضر ہیں نہ ناظر۔ یہ اس ذات کی مخصوص صفت ہے جو جسم و جسمانیات سے منزہ و مبرّا ہے۔ اور علمی و احاطی لحاظ سے ہر جگہ اور ہر وقت حاضر بھی ہے۔ اور ناظر بھی۔ لیکن کسی بھی جسم دار چیز کے لیے ناممکن اور محال ہے کیونکہ جسم والی کوئی بھی چیز ایک وقت میں ایک ہی جگہ موجود ہوتی ہے اور جب اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے تو پہلی جگہ اس سے خالی ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی بھی مخلوق کی توجہ ایک وقت میں کسی ایک ہی چیز میں مرکوز ہوتی ہے۔ تفصیل کے لیے اصول الشریعہ کے چھٹے باب کی طرف رجوع کیا جائے جو اسی موضوع کے ساتھ مختص ہے۔ ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء ذکرہ۔

ولایت تکوینی کا اجمالی تذکرہ

آج کل ولایتِ تکوینی کا بڑے شد و مد سے ذکر کیا جا رہا ہے اور اصلاح الرسوم کے جواب میں لکھی جانے والی اکثر کتابوں میں اس کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اس کے بارے میں ہم یہاں بنظر اختصار صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ پورا قرآن پڑھ جائیں الم کی الف سے لے کر والناس کی سین تک کہیں بھی قرآن مجید میں لفظ ولایت تکوینی

استعمال نہیں ہوا۔ جس طرح کہ لفظ معجزہ کہیں استعمال نہیں ہوا بے شک خداوند عالم نے اپنے نمائندوں (انبیاء ومرسلین اوران کے اوصیاء یعنی آئمہ طاہرینؑ) کوان کی صداقت کے اظہار کے لیے بعض خاص خاص نشانیاں عطا فرمائیں تا کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ وہ خدا کے مقرر کردہ اوراس کے بھیجے ہوئے ہیں خود ساختہ یا لوگوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں اور وہ نشانیاں ایسی ہوتی تھیں کہ کوئی انسان من حیث الانسان ان کے انجام دینے سے عاجز ہوتا تھا۔ اسی لیے ان نشانیوں کو فعل خدا سمجھا جاتا تھا اور چونکہ وہ نبی وامام کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی تھیں اس لیے مجازاً ان کی طرف بھی ان کی نسبت دی جاتی تھی۔

ان نشانیوں کو قرآنی اصطلاح میں بالعموم ''آیت'' اور ''آیات'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور کہیں کہیں ''بینہ'' اور ''برہان'' کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ قد جئتک بآیة من ربک (سورہ طٰہٰ) فرعون سے کہو ہم تیرے پروردگار کی طرف سے ایک آیت (نشانی) لے کر آئے ہیں۔

لقد ارسلنا موسیٰ بایتینا الی فرعون وملائبہ (زخرف) ہم نے موسیٰ کو فرعون اوراس کے سرداروں کے پاس اپنی آیات (نشانیاں) دے کر بھیجا۔

قد جئتکم ببینة من ربکم (اعراف) جناب موسیٰؑ نے کہا میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بینہ (ثبوت) لے کر آیا ہوں۔

فذانک برھانان من ربک الی فرعون و ملائۃ (القصص) اے موسیٰ یہ دو برہان (دلیلیں) ہیں۔ تمہارے پرودگار کی طرف سے فرعون اوراس کے سرداراں کے لیے۔

آغاز اسلام سے لے کر بارہویں صدی تک تمام شیعہ وسنی علماء اسلام نے ان آیات کو

''معجزہ'' اور معجزات سے تعبیر کیا اور ہمیشہ ان کا حقیقی فاعل خدائے قدیر کو قرار دیا۔ چنانچہ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمتہ نے یہاں تک فرمایا کہ ''من اعتقدان المعجزات من فعل النبی والامام فلیس فی کفرہ ریب ولاشک '' جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ معجزہ نبی وامام کا فعل ہے اس کے کفر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو سبیل النجاۃ فی اصول الاعتقادات صفحہ ۱۴۱ طبع ایران)۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ آیات ومعجزات خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ علاوہ دوسری بیسیوں آیات وروایات کے صرف ایسی ایک آیت یہاں درج کردینا کافی ہے کہ خداوند عالم خبر دیتا ہے کہ کفار نے کہا ''قالو الولاانزل علیه آیات من ربه '' اور اس پیغمبرؐ پر خدا کی طرف سے کچھ آیات (نشانیاں) کیوں نہیں اتاری گئیں؟ ارشاد قدرت ہوتا ہے ''قل انما الایات عنداللہ وانماانا نذیر مبین '' کہدو کہ یہ آیات (نشانیاں) تو بس خدا کے پاس ہیں اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں (عنکبوت) الغرض بارہ سو سال تک علماء ان آیات بینات کو معجزات ہی کہتے تھے۔ البتہ تیرہویں صدی کے تیسرے عشرہ میں پہلے پہل جس شخص نے ولایت اور ولی کو رب ومدبر کائنات کے معنوں میں مراد لیا۔ وہ ضال ومضل شیخ احمد احسائی تھا اور اس کے بعد اس کے جانشینوں نے اس کی تشریحات کو درست قرار دیتے ہوئے پیغمبروں کے معجزات کے لیے پہلے نبوت تکوینی کا لفظ استعمال کیا اور پھر رفتہ رفتہ ولایت تکوینی کی اصطلاح کو شہرت دی (ملاحظہ ہو احقاق الحق۔ موسیٰ اسکوئی احقاقی اور رسالہ ولایت از دیدگاہ قرآن) اور پھر اس کا اتنے خوشنما الفاظ وعبارات کے ساتھ پروپیگنڈ کیا کہ بعض علماء شیعہ بھی یہ اصطلاح استعمال کرنے لگے۔ چنانچہ محقق شہیت جناب برقی تبصرۃ الھموم میں لکھتے ہیں !! ہمیں بڑے افسوس اور دکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ دور کے جن شیعہ علماء نے بارہ سو سال سے

چلی آرہی معجزہ کی اصطلاح کو ترک کر کے شیخیوں کی طرف سے شہرت دادہ ولایت تکوینی کی اصطلاح کو اپنایا ہے اس سے عوام کے گمراہ ہونے میں مدد ملی ہے کیونکہ رؤسائے شیخیہ عوام میں یہ تبلیغ کرتے ہیں کہ جو کچھ خلق ورزق واحیاء واماتت وغیرہ سے متعلق تکوینی کام اب تک ہو چکے ہیں اور آئندہ ہوں گے اس کے کرنے والے یہی ہیں اور اللہ نے یہ کام ان کو سپرد کر دیئے ہیں اور مدبّر کائنات یہی ہیں اور یہی ولایت تکوینی ہے" (تبصرۃ المھموم صفحہ ۹۲)

خلاصۂ کلام اینکہ اگر اس ولایت تکوینی سے مراد معجزہ ہے (جس کا فاعل حقیقی خدا اور فاعل مجازی نبیؐ وامام ہوتا ہے) تو یہ برحق بجق ہے اور اگر اس سے مراد کوئی اور چیز ہے تو ہم اس کے ہرگز قائل نہیں ہیں اور نہ ہی قرآن اور چودہ کے فرمان میں اس کا کوئی نام ونشان ہے۔ واللہ الموفق۔

بعض مراجع کے فتوؤں سے مذکورہ بالا مطلب کی تائید مزید

جوابی کتابیں لکھنے والوں نے علماء اعلام سے فتوے حاصل کر کے جو بھرتی کی ہے ان میں سے اکثر پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ "من چہ سرایم وطنبورہ ام چہ سراید"

ان کا مطلب کچھ ہوتا ہے اور مفتی کے فتویٰ کا مطلب کچھ اور؟ مگر چونکہ ان کو تائید و تردید کے باریک فرق کا بھی شعور نہیں ہے لہٰذا وہ برابر نقل کئے جارہے ہیں اوپر اس کی کئی مثالیں گزر چکی ہیں اور اب تازہ مثال ملاحظہ ہو۔

(۱) جناب آقائی حافظ بشیر حسین صاحب نجفی مدظلہ سے پوچھا جاتا ہے "کیا امام کو ولایت تکوینی علی الاطلاق حاصل ہے یا نہیں یا مقید ہے"

موصوف جواباً تحریر فرماتے ہیں "اگر ولایت تکوینی سے مراد یہ ہے کہ یہ اولی الامر ہیں

تو پھر بلا شک ولایت تکوینی ہے اور اگر ولایت تکوینی سے مراد یہ ہے کہ وہ کون ومکان کے مدیر و مدبر ہیں تو پھر باطل ہے۔" (انتصار المظلوم صفحہ ۲۴۰) مخفی نہ رہے کہ اس مقام پر بعض نو آموز طلبہ نے علم امامؑ اور علم غیب کے بارے میں چند سطریں حوالہ قلم کی ہیں جو ان کی علمی اصطلاحات سے لاعلمی کی دلیل ہیں اور انہوں نے اصلاح الرسوم کے "علم غیب" والی بحث کو چھوا بھی نہیں ہے اور نہ ہی ان حقائق کو چھیڑا ہے۔ جو اس سلسلہ میں اصول الشریعہ میں سپرد قلم وقرطاس کئے گئے ہیں اور نہ ہی یہ چیز ان لوگوں کے بس کا روگ ہے ان کا کام تو بس مخالفت برائے مخالفت کر کے اور علامہ ڈھکو صاحب کے خلاف قلم گھسا کے اپنا قد اونچا کرنا ہے اور خریداران یوسف کی فہرست میں اپنا نام درج کرانا ہے وبس۔ اگر ان لوگوں کا مطمع نظر تحقیق حق ہوتا تو انہیں چاہیے تھا کہ بزرگوں کے منہ لگنے سے پہلے کم از کم اپنے قبیلہ کے بزرگ علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم کی لمعۃ الانوار یا ان کی تفسیر انوار النجف کا ہی مطالعہ کر لیتے جو حرف بحرف سرکار علامہ ڈھکو صاحب کے بیان کردہ عقائد وحقائق کی تائید مزید کرتی ہیں۔ انہوں نے علامہ ڈھکو صاحب کے خلاف قلمکاری کر کے جہاں خدا و رسول اور آئمہ ھدیٰ کو ناراض کیا ہے۔ وہاں اپنے بزرگوں کی روحوں کو بھی عالم برزخ میں ناراض اور بے آرام کیا ہے۔ ہاں البتہ مفوضہ اور شیخیہ کو ضرور خوش کیا ہے اور ممکن ہے انہیں اس کا دنیا میں کچھ معاوضہ بھی مل جائے مگر وہ آخرت کے عذاب وعقاب سے ہرگز نہیں بچ سکیں گے۔

وان عذاب الاخرة هي اشد وابقىٰ"

تیسرا باب

عام علماء اعلام کے خلاف بالعموم اور رئیس المحد ثین حضرت شیخ صدوق، سرکار آقائی خالصی اور حضرت علامہ نجفی صاحب مدظلہ کے خلاف بالخصوص شور مچانے والوں کے شیخی المذہب ہونے کا بیان

بفضلہ تعالیٰ اب ع

یہ راز نہیں کوئی راز رہا سب اہل گلستان جان گئے

کہ ماضی بعید میں جن لوگوں نے پاکستان کے عام بی علماء اعلام کے خلاف بالعموم اور سرکار علامہ الشیخ محمد حسین النجفی صاحب قبلہ مدظلہ کے خلاف بالخصوص تقریری وتحریری محاذ قائم کیا اور شور مچانے اور شر پھیلانے کے تمام ریکارڈ توڑ دئیے وہ سب کے سب شیخی تھے۔ یعنی ضال ومضل شیخ احمد احسائی کے پیروکار تھے اور جو لوگ اب ملک میں یہ شور مچارہے ہیں اور غوغا آرائی فرمارہے ہیں۔ وہ بھی انہی شیخیوں کے بقیۃ السلف شیخی ولوتی ہیں اور انہی کے پیروکار اور وظیفہ خوار ہیں۔ اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے انسب یہ ہے کہ محقق شیخیت وقاطع غالیت جناب زیدی برتی صاحب کی تازہ تالیف "تبصرۃ الھموم علی اصلاح الرسوم وایضح الموہوم" کے عنوان "ضرورتِ تالیف" سے چند اقتباسات پیش کر دیئے جائیں اگرچہ موصوف نے سرکار علامہ صاحب پر بھی تنقید کی ہے مگر انہوں نے

انصاف اور شرافت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور حق گوئی کا حق ادا کر دیا ہے۔ آیئے ان کے مبنی بر حقیقت اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں۔

''ابھی ماضی قریب میں ایک کتاب اصلاح الرسوم کے نام سے علامہ محمد حسین صاحب نجفی نے شائع کرائی ہے اس کتاب کے شائع ہوتے ہی ایک شور برپا ہو گیا۔ ایسا ہی شور جیسا کہ ان کی کتاب احسن الفوائد کے (۱۹۶۵ء میں ناقل) شائع ہونے کے بعد برپا ہوا تھا۔ حالانکہ وہ کتاب ان کی اپنی تالیف نہیں تھی۔ بلکہ شیخ صدوق'' کی کتاب اعتقادیہ کی شرح تھی۔ بلکہ اصل کتاب کا ترجمہ بھی ان کا اپنا نہیں تھا۔ بلکہ وہ مولانا السید منظور حسین صاحب بخاری مرحوم کا کیا ہوا تھا علامہ صاحب نے اس کتاب کی صرف شرح لکھی تھی۔

اس کتاب کے ۴۴ ابواب تھے اور ان میں سے ۴۳ ابواب پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ صرف مذکورہ کتاب کے سینتیسویں (۳۷) باب پر جو تفویض کے بارے میں ہے۔ اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی گئی اور اس کتاب کے جواب میں جتنی کتابیں لکھی گئیں وہ تقریباً سب اسی باب تفویض میں بیان کردہ تشریح کے خلاف تھیں حالانکہ بالاتفاق عقیدہ تفویض شیعہ جعفریہ اثناعشریہ کے نزدیک شرک ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اس باب کے بارے میں شور مچانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہ شور مچانے والے سب کے سب مذہب شیخیہ سے تعلق رکھتے تھے اور عرصہ دراز سے مجالس امام حسینؑ علیہ السلام کا استحصال کر رہے تھے اور عقائد شیخیہ کو جو سراسر نظریہ تفویض پر مشتمل تھے بیان کر رہے تھے اور یہ مبلغین شیخیہ فضائل کے نام پر بے خبر۔ کم علم اور سادہ لوح محبان آلِ رسول کے ایمان و عقائد کو خراب کر کے انہیں گمراہ کر رہے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اردو میں لکھی گئی اس کتاب سے جب شیعہ عوام آگاہ ہوں گے تو ان کے لیے مذہب شیخیہ کے عقائد کو پھیلانے میں دشواری

ہوگی۔ لہٰذا انہوں نے اس کتاب کے خلاف شوروغوغا شروع کر دیا لیکن ایک انصاف پسند قاری کے نزدیک ان جوابات میں سے کوئی سا جواب بھی معقول یا ان مندرجات کا جواب نہیں تھا۔ البتہ شیعہ عوام کو بھڑکانے کے لیے انہیں ایک ایسا نکتہ ہاتھ آ گیا جس کے ذریعہ وہ ان سادہ لوح شیعہ عوام کو بھڑکانے میں کامیاب ہو گئے۔ جو ان کی تبلیغ سے گمراہی کے گڑھے میں گرنے کے لیے آنکھیں بند کر کے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ حالانکہ علامہ صاحب نے وہ بات صرف خداوند تعالیٰ کی قدرت کے اظہار کے لیے بیان کی تھی۔ اور وہ بات یہ تھی ''اگر خدا مچھر سے بھی کوئی کام لینا چاہیے۔ تو وہ مچھر سے بھی لے سکتا ہے۔''

مگر شاید شیخی حضرات خدا کی قدرت کے قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا انہیں یہ بات گراں گزری۔ یا شیعہ عوام کو بھڑکانے کے لیے یہ نکتہ بہت کارآمد معلوم ہوا۔ چونکہ موضوع بحث یہ تھا کہ معجزہ فعل خدا ہوتا ہے اور علامہ مجلسی نے جو مذہب شیعہ کے ایک مسلمہ عالم و مجتہد تھے انہوں نے معجزہ کے بارے میں کہا ہے کہ ''من اعتقدان المعجزات و الکرامات من فعل النبی و لاامام فلیس فی کفر ریب ولاشک'' یعنی جس کا عقیدہ یہ ہو کہ معجزہ نبی و امام کا اپنا فعل ہوتا ہے۔ اس کے کفر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے'' لہٰذا اس مثال کا مطلب وہ نہیں تھا جو شیخیوں نے اچھالا۔ بلکہ اس مثال کے دینے کا مقصد یہ تھا کہ نبی و امام کی ہستی تو بہت ارفع و بلند ہوتی ہے۔ خدا تو ایک مچھر سے بھی ایسے کام لے سکتا ہے جو انسانوں سے ممکن نہیں ہیں......

اور یہ بات تاریخ کا ایک حصہ ہے کہ خداوند عالم نے نمرود کا جو خدا بنا بیٹھا تھا اسی چھوٹی سی مخلوق یعنی مچھر ہی کے ذریعہ کام تمام کیا تھا اور قرآن اس بات کا شاہد ہے کہ فرعون جیسے جابر بادشاہ کا جو خدا کہلاتا تھا۔ ٹڈیوں، چچڑیوں اور مینڈکوں کے ذریعے ہی ناطقہ بند کر

دیا تھا۔ قرآن نے ان ٹڈیوں...... کو حضرت موسیٰ کے معجزات میں شمار کیا ہے لیکن یہ ٹڈیاں...... اور مینڈک حضرت موسیٰ کے خلق کردہ نہ تھے بلکہ ان کو خداوند تعالیٰ نے خلق فرمایا تھا اور یہی حال دوسرے معجزات کا ہے...... بہر حال بحث اس میں تھی کہ معجزہ فعل خدا ہوتا ہے لیکن شیخی حضرات ان معجزات کو نبی و امام کا فعل قرار دے کر اسے عقیدہ تفویض کے لیے دلیل بناتے ہیں۔ اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے محمد و آل محمد کو خلق کرنے کے بعد اور کوئی کام نہیں کیا بلکہ جو کچھ خلق و رزق و احیاء و اماتت وغیرہ کاموں میں سے اب تک ہوا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا اس کے کرنے والے محمد و آل محمد ہی ہیں۔ بہر حال علامہ صاحب کی کتاب احسن الفوائد کے خلاف مچا ہوا شور ابھی تھما نہیں تھا کہ علامہ صاحب نے ایک اور کتاب لکھ کر قوم کے سامنے پیش کر دی (اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ۔ ناقل) یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل تھی اور در اصل یہ احسن الفوائد کے اسی تفویض والے عقیدہ کو ہی پھیلا کر علیحدہ علیحدہ دس ابواب میں بیان کیا گیا تھا اور آخری دسویں باب میں واضح طور پر یہ لکھ دیا تھا کہ مذکورہ عقائد مذہب شیخیہ کے عقائد ہیں۔ جن کو پھیلانے والے شیخی مبلغین ہیں اور شیعہ عقائد سے ان کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

یہ بات پاکستان کے ان شیخی مبلغین کے لیے انتہائی پریشان کن تھی۔ لہٰذا انہوں نے پاکستان کے شیعہ عوام کو بھڑکانے کے لیے اس کتاب کے جواب میں بھی کئی کتابیں لکھیں لیکن ان میں سے کوئی سی کتاب بھی ایسی نہیں تھی جسے مذکورہ کتاب کا جواب کہا جا سکے۔

بہر حال اصول الشریعہ کے ان جوابات میں انہی شیخی نظریات کو دھرایا گیا تھا اور اس کا جواب لکھنے والے تمام مصنفین سب کے سب شیخی مبلغین تھے اور یہ بات ہم شیخیوں کی طرح بطور اتہام کے نہیں کہتے بلکہ ہم نے ان کے خطوط کے عکس اپنی حسب ذیل کتابوں میں شائع

کر دیئے ہیں جن میں انہوں نے خود مذہب شیخیہ کے مبلغ ہونے کا اقبال کیا ہے وہ یہ ہیں (۱) شیخیت کیا ہے اور شیخی کون اور خالصیت بھی کوئی مذہب ہے؟ (۲) ایک پر اسرار جاسوسی کردار یعنی شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں (۳) نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نوع نبیؑ و امامؑ۔ ہماری مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ اگر کوئی شخص ان عکسوں کو یکجائی طور پر ملاحظہ کرنا چاہے تو وہ شیخی مبلغ کاظم علی رسا کے شائع کردہ کتابچہ "گلدستۂ مودت" کا مطالعہ کرے جس میں ایک قاری واشگاف الفاظ میں لکھا ہوا پائے گا۔ کہ یہ حضرات پاکستان میں مذہب شیخیہ کی تبلیغ کر رہے تھے اور یہ حضرات شیخیت کو صمیم قلب کے ساتھ ایک مذہب کے طور پر قبول کیے ہوئے تھے (اور ان شیخی مبلغین کے نام یہ ہیں۔ (۱) مولوی محمد بشیر انصاری، (۲) مرزا یوسف حسین لکھنوی (۳) مولوی محمد قاسم (۴) مولوی محمد حسنین ساقی (۵) مولوی ضمیر الحسن۔ (ایضاح لموہوم صفحہ ۲۱) اور ان کے علاوہ (۶) مولوی سید محمد عارف (۷) مولوی محمد اسماعیل وغیرہ)

اور چونکہ یہ حضرات شیخی مذہب کی تبلیغ میں مصروف تھے اور مجالس امام حسینؑ کا غلط طور پر استحصال کر رہے تھے اور اپنے نظریات کو بہت سے سادہ لوح شیعہ عوام کے ذہنوں میں مرتسم کر چکے تھے لہٰذا ان شیخی مبلغین نے ان فریب خوردہ سادہ لوح شیعہ عوام کو بڑھکانے کے لیے اور شیعہ علماء حق سے ان کو بدظن کرنے کے لیے شیعہ علماء حقہ کو طرح طرح کے خطابات دینے شروع کر دیئے چنانچہ انہوں نے ان شیعہ علماء حق کو کبھی "قشری" کبھی مقصرین اور کبھی وہابی کہا اور کبھی خالصی کہا اور یہ سلسلہ ابھی تک رکا نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ہماری اس بات کی تصدیق کرنا چاہے تو وہ شیخیوں کے شائع کردہ رسالے "خالصیت پر پہلا ایٹم بم" کا مطالعہ کرے اور انہیں کے شائع کردہ ایک دوسرے رسالے "طمانچہ بمد خسالد

خالصی وخالصیان" کو دیکھے اور سب سے بڑھ کر مرزا یوسف حسین صاحب کی کتاب حقائق العقائد کے صفحہ (۵) پر خالصی کے نائبین کے اسماء گرامی کا مطالعہ کرے کہ یہ شیخی مبلغین خالصی کے نائبین کسے کہتے ہیں چنانچہ مرزا یوسف حسین صاحب نے خالصی کے جو نائبین مذکورہ صفحہ پر تحریر فرمائے ہیں وہ یہ ہیں (۱) مفتی جعفر حسین (۲) مولوی محمد یار شاہ (۳) مولوی اختر عباس ((۴) مولوی محمد حسین ڈھکو (۵) مولوی سیف اللہ (۶) مولوی حسین بخش جاڑا (۷) مولوی گلاب شاہ۔

اب ماضی قریب میں علامہ صاحب نے ایک اور کتاب لکھ کر قوم کے سامنے پیش کر دی ہے۔ جس کا نام "اصلاح الرسوم الظاہرہ بکلام العترۃ الطاہرہ" ہے اس کتاب کے شائع ہونے کے ساتھ ہی پھر ایک شور برپا ہو گیا ذاکرین حسینی سٹیج پر، واعظین منبر حسینیؑ پر، اور شیخی مبلغین ہر محفل میں اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہیں...... حالانکہ لکھا انہوں نے بھی وہی ہے جو دوسرے اسے اچھے طریقہ سے لکھتے آئے ہیں یعنی دوسروں نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ فقرہ جزءِ اذان نہیں ہے اور علامہ صاحب نے بھی یہی لکھا ہے کہ "یہاں مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ یہ فقرہ جزءِ اذان نہیں ہے" کاش وہ اس مقصد کو اچھے طریقے سے بیان کرتے اور اسے دوسرے فرقوں کی طرف سے رائج اذان میں کمی بیشی اور تحریف کے بیان کے ضمن میں بیان نہ فرماتے اور اسی بنا پر ان کا حاشیہ میں لکھا ہوا یہ فقرہ بھی بے اثر ہو کر رہ گیا۔ کہ اب رہی یہ بحث کہ یہ فقرہ پڑھنا چاہیے یا نہ؟ تو ہر شخص کو اپنے مرجع تقلید کے فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے"...... لہٰذا یہ بات تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ علامہ صاحب نے اس مقام پر انتہائی زبردست لغزش کھائی ہے...... اور انہوں نے شیخیوں کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار دے دیا ہے جسے دکھا دکھا کر وہ بے خبر سادہ لوح شیعہ عوام کے

سامنے ان کے مقابلہ میں اپنی غلط باتوں کو بھی صحیح باور کرا رہے ہیں (تبصرۃ الھموم بر اصلاح الرسوم وایضاح الموھوم از صفحہ ۵ تا صفحہ ۱۴) پھر ذرا آگے چل کر صفحہ ۲۴ اور ۲۵ پر مولوی محمد بشیر انصاری کے انگریزوں کی جاسوسی کے لیے عراق جانے اور وہاں رئیس مذہب شیخیہ مرزا موسیٰ الاسکوئی الحائری الاحقاقی کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقع ملنے اور پھر اس سے متاثر ہو کر اور شیخی مذہب اختیار کرنے اور اس سے بانی شیخیت شیخ احمد احسائی کی کتاب شرح زیارت اور احقاقی کی اپنی کتاب احقاق الحق لے کر واپس لوٹنے کی تفصیلی باحوالہ جات داستان بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں "پاکستان بننے کے بعد یہاں آئے اور یہاں قحط الرجال کی وجہ سے میدان خالی پا کر اور ان کی کتابوں سے شیخی مذہب کی تبلیغ شروع کر دی۔ لہٰذا انہوں نے مجالس کا استحصال کیا اور شیخی عقائد و فضائل کے نام پر سادہ لوح شیعہ عوام کے ذہنوں میں بٹھا دیا اور پھر ان کی دیکھا دیکھی ذاکروں اور مبلغوں نے بھی ان باتوں کو ہوا دی۔ (تبصرۃ الھموم)

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں   گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

تبصرہ الھموم کے مؤلف محترم نے جس اختصار، جامعیت اور حقیقت پسندی کے ساتھ حالات کا تجزیہ پیش کیا ہے اس کی داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء عن الحق واھلہ۔

اس تبصرہ کا تجزیہ

قارئین کرام کے لیے اس سے معلومات کے نئے نئے دریچے کھلتے ہیں اور شیخیوں کے ایجنٹوں کا طریقہ واردات کیا ہے؟ انہوں نے کن کن لطائف الحیل سے شیخیت کو

شیعیت کے روپ میں سادہ لوح عوام شیعہ کے سامنے پیش کر کے راسخ کیا ہے اور ان رہزنوں نے حقیقی علماء شیعہ کو کن کن قبیح القاب سے ملقب کر کے شیعہ عوام کو کس طرح اپنے مخلص راہنما علماء عظام سے بدگمان کیا ہے اور کر رہے ہیں یہ تمام باتیں سمیٹ کر اس تجزیہ میں بیان کر دی گئی ہیں اسی لیے ہم نے ان اقتباسات کو ان کے غیر معمولی طویل ہونے کے باوجود من وعن نقل کر دیا ہے تا کہ شیخیت کے منحوس چہرہ پر شیعیت کے جو دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں وہ ہٹ جائیں اور شیخیت اپنے اصل رنگ و روپ میں اس کتاب کے قارئین کے سامنے آجائے چونکہ شیخیت کے ایجنٹوں، جاسوسوں اور اپنے مرکز کویت کے وظیفہ خواروں کو سب سے زیادہ تکلیف حضرت رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق اعلیٰ اللہ مقامہ سے پہنچی ہے کہ انہوں نے اپنے رسالہ اعتقادیہ (دین امامیہ) کا ایک پورا باب مفوضہ کے غلط عقائد ان کے مذموم مقاصد اور ان کی مذمت میں احادیث پیش کر کے ان کو بالکل بے نقاب کر دیا۔ اور دوسرے نمبر پر مظلوم و مرحوم مخلص و محقق عالم سرکار آقائے خالصی سے پہنچی ہے جنہوں نے عراق میں شیخیوں اور ان کے روساء کے خلاف تقریر و تحریر کا میدان کارزار گرم کر کے نہ صرف یہ کہ ان کو زیارت کاظمین سے روکا۔ بلکہ انہیں سرزمین عراق کو خیر باد کہہ کر کویت ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور پھر موجودہ دور میں ان لوگوں کو سب سے زیادہ اذیت آیت اللہ نجفی صاحب سے پہنچی ہے جنہوں نے اپنی مدلل تقریروں اور اپنی لاجواب تحریروں میں ان کا اور ان کے روسا کا حدود اربعہ، ان کے عقائد فاسدہ اور نظریات کاسدہ کا نہ صرف تذکرہ کر کے ان کو بے نقاب کیا ہے بلکہ ان کا علمی و تحقیقی پوسٹ مارٹم کر کے ان کو دفاعی پوزیشن اختیار کرنے اور کھسیانی بلی کھمبا نوچے کا رول ادا کرنے پر مجبور کر دیا ہے اور ان پر قافیۂ حیات اس طرح تنگ کر دیا ہے کہ اب ان کے لیے

نہ جائے ماندن ہے اور نہ پائے رفتن ؎

انہیں شکایت ہے۔ ہم فقیروں کے خاصہ حریت رقم سے

کہ اس کی معجز نگاریوں سے عجب حقائق نکھر رہے ہیں

لیکن کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس ہاؤ ہو۔ اور شور و شر سے اور اس تمام غوغا آرائی اور محاذ آرائی سے اہل حق کو ڈرا سکیں گے؟ یا ان کی آواز حق کو دبا سکیں گے؟ یا وہ اپنے ان اوچھے ہتھکنڈوں سے حق و اہل حق پر چھا سکیں گے؟ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

؎

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی

یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا؟

بہر حال ان لوگوں نے اپنی جوابی کتابوں میں حضرت شیخ صدوق ؒ اور آقائی شیخ خالصیؒ کے خلاف جو ژاژ خائی اور ہرزہ سرائی کی ہے اور جس طرح دنیا سنوار کے اپنی عاقبت خراب و برباد کی ہے ہم اس کا یہاں پوسٹ مارٹم Post Mortum پیش کرتے ہیں اور جہاں تک سرکار علامہ ڈھکو صاحب کی ذات بابرکات کا تعلق ہے تو ان لوگوں نے دل کھول کر جس طرح ان کے خلاف محاذ لگایا ہے الزام تراشی، اتہام سازی اور دشنام طرازی کی ہے اور ان کی ذات والا صفات کو جس جارحانہ انداز میں ہدف تنقید (Criticize) بنایا ہے اس پر ایک علیحدہ مستقل باب (Separate Permanent Chapter) میں گفتگو کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

(رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی عظیم شخصیت کا مختصر تعارف)

Breif Inroduction of Geat Personaity of Sheikh Saddoq A.R

رئیس المحدثین، صدوق العلماء الکاملین جن کا اسم گرامی محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی معروف بہ ابن بابویہ وشیخ صدوق ہے کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ صنفِ علماء میں ان کا نام کالشمس فی رابعۃ النہار مشہور ومعروف ہے آپ امام زمانہ کی دعا سے پیدا ہوئے۔ حضرت شیخ طوسیؒ اور دیگر بعض اعلام نے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ صدوقؒ کے والد ماجد جناب شیخ علی بن حسینؒ کی اپنے عمِ محترم محمد بن موسیٰ کی دختر نیک اختر سے شادی ہوئی مگر ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی چنانچہ آپ نے امام زمانہؑ کے نائب خاص جناب ابوالقاسم حسین بن روح کی خدمت میں مکتوب ارسال کیا۔ کہ وہ امام العصر کی بارگاہ میں عرض کریں کہ وہ خداوند عالم کی بارگاہ میں سفارش کریں کہ وہ ذات بابرکات ان کو ایسی اولاد عطا فرمائے جو فقیہہ ہو چنانچہ ناحیۂ مقدسہ سے توقیع صادر ہوئی کہ ہم نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ہے مگر موجودہ بیوی سے اولاد نہیں ہوگی۔ البتہ عنقریب ایک دیلمیہ کنیز دستیاب ہوگی جس سے ان کو دو فقیہہ بیٹے عطا ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ دو فرزند ایک یہی محمد بن علی (شیخ صدوقؒ ہیں اور دوسرے ان کے بھائی جناب حسین بن علی تھے جب یہ لکھنے پڑھنے کے قابل ہوئے تو ان کی ذہانت وفطانت اور قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ دوسرے طلبہ یاد نہیں کرسکتے تھے یہ بآسانی یاد کرلیتے تھے اساتذہ ان کی قوت حافظہ پر تعجب کرتے اور پھر کہتے ۔کیوں ایسا نہ ہو آخر امام زمانہؑ کی خصوصی دعا سے پیدا ہوئے ہیں (روضات الجنات وغیرہ)

حضرت شیخ صدوق کی جلالت شان وبلندی مقام محتاج بیان نہیں ہے ہمیشہ ہر دور میں علماء اعلام نے ہزار عزت واحترام کے ساتھ ان کا نام لیا ہے اور ان کی علمی اور عملی بلندی

مقام کے سامنے علماء اسلام کی گردنیں خم نظر آتی ہیں۔ تاہم بطور نمونہ مشتے ازخروارے دوچار اعلام کی تصریحات پیش خدمت ہیں۔

☆۔ شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اپنی فہرست میں (۲) حضرت علامہ حلی علیہ رحمہ نے اپنی کتاب خلاصۃ الرجال میں (۳) اور حضرت شیخ حر عاملی نے اپنی کتاب اصل الآمل میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

''محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی، جلیل القدر یکنی ابا جعفر کان جلیلاً، حافظاً بالاحادیث، بصیراً بالرجال، ناقداً للاخبار، لم یر مثلہ فی القمیین فی حفظہ وکثرۃ علمہ لہ نحو ثلاث ماۃ مصنف وفہرستہ کتبہ معروف، (۴) اور حضرت شیخ محدث قمیؒ نے اپنی کتاب فوائد رضویہ میں ان کے سوانح حیات کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے ''محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی اباوالدیلمی اما ابو جعفر العالم الجلیل والمحدث النبیل، نقاد الاخبار، وناشر اثار الائمۃ الاطہار علیہم السلام عماد الملۃ والمذہب والدین، شیخ القمیین وملاذ المحدثین، شیخ مشائخ الشیعۃ ورکن من ارکان الشریعۃ وشیخ الحفظۃ ووجہ الطائفۃ المستحفظۃ، رئیس المحدثین والصدوق فیما یرویہ عن الائمۃ الطاہرین صلوٰت اللہ علیہم اجمعین''۔

آپ کے تصنیفات وتالیفات

اوپر علماءِ اعلام کے کلام میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے تصنیفات وتالیفات کی تعداد تین سو کے قریب ہے مقام افسوس ہے کہ ان میں سے اکثر کتابیں حوادثِ زمانہ کا شکار ہو گئیں البتہ جو اس وقت موجود ہیں اور شائع ہو کر مورد استفادہ عام وخاص ہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں (۱) من لایحضرہ الفقیہ (جو ہماری ان کتب

اربعہ میں سے ایک ہے جن پر مدار تشیع ہے) (۲) عیون اخبار الرضا (۳) معانی الاخبار (۴) علل الشرائع (۵) کتاب الخصال (۶) کتاب الآمالی (۷) اکمال الدین واتمام النعمة (۸) ثوب الاعمال (۹) عقاب الاعمال (۱۰) کتاب التوحید (۱۱) صفات الشیعہ (۱۲) فضل الشیعہ (۱۳) حقوق الاخوان (۱۴) رسالہ اعتقادیہ (جو کہ دین امامیہ کے نام سے مشہور ہے) (فہرست شیخ طوسی صفحہ ۱۵۷ طبع النجف ۔ (اقتباس از احسن الفوائد فی شرح العقائد از صفحہ ۵۰ تا ۵۲) یہ ہیں وہ حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ جن کو آج کے دور کے نا ہنجار، کج رفتار بد گفتار اور شیخیوں کے وظیفہ خوار لونڈے عوعو کر کے جہاں اپنی بد طینتی کا ثبوت دے رہے ہیں وہاں اپنی عاقبت کو جو پہلے ہی خراب تھی اسے مزید خراب و برباد کر رہے ہیں اور تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ علماء حق ہونے کے دعویدار بھی خاموش تماشائی کی طرح یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں مگر ان جھوٹے عوعو کرنے والوں کے گلوں میں پٹہ ڈالنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ آیئے ذیل میں ان کی احمقانہ تنقید کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں یہ عنوان قائم کرتے ہیں "شیخ صدوقؒ کے کئی دیگر بے بنیاد فتوے"

بے شک شیخ صدوقؒ مذہب شیعہ کے انتہائی بزرگ اور نہایت ہی قابل قدر عالم دین ہیں لیکن معصوم نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر بات سے اتفاق لازمی نہیں ہے (ایضاح الموہوم صفحہ ۱۸۷)

اس بندۂ خدا سے کوئی پوچھے کہ کس نے یہ کہا ہے کہ وہ معصوم عن الخطاء ہیں تاکہ تم یہ کہو کہ وہ معصوم نہیں ہیں جب تک عقل و شکل کا فطری و قدرتی اختلاف موجود ہے تب تک اختلاف فکر و نظر قائم رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹروں میں اختلاف ہوتا ہے ججوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ خود مجتہدین میں اختلاف ہوتا ہے مگر اس اختلاف (Difference

(of opinion) کی وجہ سے کسی عالم دین کی توہین کرنا تو جائز نہیں ہے اور ان کے فتوؤں کو بے بنیاد کہنا کہاں تک زیبا ہے؟

بعد ازاں لکھتے ہیں "بطور نمونہ چند فتاویٰ یہ ہیں (۱) تشہد نماز میں حضرت محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود پڑھنا شیخ صدوق کے نزدیک واجب نہیں ہے انہوں نے خود جو تشہد لکھا ہے اس میں درود نہیں ہے (ایضاح صفحہ ۱۸۸) یہ نسبت بالکل دروغ بے فروغ ہے۔

انہوں نے جو تشہد فقیہ میں نقل کیا ہے اس میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود و سلام مذکور ہے۔ مراجع ع

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

(۲) پھر لکھتے ہیں "شیخ صدوق" تحریر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرمؐ نے معاذ اللہ آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے صبح کی نماز قضا کی حتیٰ کہ سورج چڑھ آیا اور پھر بھی با جماعت نمازِ قضا پڑھائی تو ان کو نماز میں سہو ہو گیا" (ایضاح صفحہ ۱۸۹)

جواباً عرض ہے کہ اولاً تو اربابِ علم و دانش جانتے ہیں کہ کسی مصنف و مؤلف کے کسی روایت کو اپنی کتاب میں درج کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا عقیدہ بھی اس روایت کے مضمون کے مطابق ہے۔ کما لا یخفیٰ

ثانیاً اگر خواہ مخواہ اس روایت کی وجہ سے حضرت شیخ صدوق کو سہو النبی کا قائل ثابت کرنا ہے تو پھر یہی الزام حضرت شیخ کلینی اور حضرت شیخ طوسی پر بھی لگانا پڑے گا۔ کیونکہ انہوں نے بھی اس روایت کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ ع

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟؟

بلکہ اسے علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں محدث جزائری نے انوارِ نعمانیہ میں اور دیگر

بہت سے محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے لہٰذا ان سب کو موردِ الزام قرار دینا پڑے گا؟

ثالثاً۔ اس روایت کی کوئی مناسب تاویل کرنا پڑے گی اور وہ یہ ہے کہ نبی و امام کو شیطانی سہو و نسیان بالکل نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ منافئ عصمت ہے مگر خداوند عالم کسی مصلحت کے تحت ان کو اسہاؤ و انساءِ رحمانی کرا سکتا ہے یعنی بھلوا سکتا ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ وہ مخلوق ہیں خالق نہیں ہیں۔ والذی لاینسا ولا یسہو ھو اللہ (عیون اخبار الرضا)

(۳) پھر لکھتے ہیں کہ شیخ صدوق کا کہنا ہے کہ تحت الحنک والے عمامے کے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے (الیضاح ۱۸۹)

جواباً عرض ہے کہ حضرت شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب من لایحضرہ الفقیہ میں اس مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے جو بالکل ایسی ہے جیسے وہ حدیث جس میں وارد ہے کہ لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد" کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے بغیر نہیں ہوتی جس کے معنی محقق علماء نے یہ کیے ہیں کہ پڑوسی کی نماز مسجد کے بغیر کامل نہیں ہوتی۔ نہ یہ کہ بالکل ہی نہیں ہوتی تو یہاں بھی اس حدیث کے یہی معنی کیوں نہ کیے جائیں کہ تحت الحنک کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی کیونکہ تحت الحنک پھیرنے کی بڑی فضیلت ہے۔

(۴) صاحب انتصار المظلوم لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ صدوق کے چند عجیب فتاویٰ ہیں جیسے نبی کو سہو کا ہونا و رحج کا ہر سال واجب ہونا اور آبِ مضاف سے وضو کرنا اور شراب کا پاک ہونا وغیرہ وغیرہ (انتصار المظلوم) جہاں تک سہو النبی کے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔ اور جہاں تک مستطیع پر ہر سال حج کے واجب ہونے کا تعلق ہے یہ اگرچہ خلاف مشہور ہے مگر ان کی بعض روایات موجود ہیں تو اگر

کوئی محدث و مجتہد ان کے مطابق فتویٰ دیتا ہے تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ اور یہی کیفیت آب مضاف سے طہارت کرنے کی ہے کہ چونکہ اس مضمون کی ایک روایت موجود ہے جسے حضرت شیخ صدوق نے مستند سمجھتے ہوئے اس کے مطابق فتویٰ دے دیا ہے جبکہ مشہور فقہاء کے نزدیک وہ استناد کے اس درجہ تک نہیں پہنچتی کہ اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے اور یہی کیفیت طہارت خمر والے مسئلہ کی ہے تو ایسے اجتہادی اختلاف فقہاء میں اس قدر موجود ہیں کہ حضرت شیخ طوسی نے پوری کتاب الخلاف اور علامہ حلی نے مختلف الشیعہ نامی مکمل کتاب انہی اختلافات کے سلسلہ میں سپرد قلم کر دی ہے عوام کو چھوڑ کر علماء کرام کے لیے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

(۵) صاحب ایضاح الموہوم یہ بڑ بھی ہانکتے ہیں کہ ''بعض عقائد میں تو خود مولانا (ڈھکو صاحب) بھی شیخ صدوق کو ''مخالفِ حق'' قرار دیتے ہیں۔ مثلاً احسن الفوائد طبع اول تصنیف مولانا ڈھکو صاحب ملاحظہ فرمائیں۔ شیخ صدوق کہتے ہیں ''ہمارا عقیدہ لوح و قلم کے متعلق یہ ہے کہ وہ دو فرشتے ہیں'' مولانا ڈھکو صاحب اسی فقرے کی تشریح میں اسی صفحہ کی آخری سطر پر تحریر فرماتے ہیں۔ ''جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ لوح و قلم دو فرشتے ہیں وہ اس سلسلہ میں حق سے بہت دور ہو گئے ہیں کیونکہ ملائکہ لوح و قلم نہیں ہوتے'' (ایضاح صفحہ ۱۸۶، ۱۸۷)

اس وقت احسن الفوائد کا تیسرا ایڈیشن ہمارے سامنے موجود ہے اور اس کے صفحہ ۲۳۵ و ۲۳۶ پہ یہ بحث مذکور ہے اسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرکار علامہ ڈھکو صاحب پر سراسر بہتان ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں سرکار شیخ صدوق کو حق سے بہت دور قرار دیا ہے یہ ناقل کی انتہائی بددیانتی اور ابلہ فریبی ہے (ولعنت اللہ علی الکاذبین) دراصل بات یہ ہے

کہ یہ الفاظ جناب شیخ مفیدؒ کے تبصرہ کے ہیں۔ حضرت علامہ ڈھکو صاحب نے دونوں حضرات کی بات نقل کر کے دو نظریوں کے درمیان میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ ان کی عبارت کا عنوان یہ ہے۔ ”مصنف کے بیان کردہ مسلک اور مشہور نظریہ کے درمیان جمع و توفیق“ اور اس ضمن میں تین تاویلیں پیش کی ہیں اور آخر اپنی طرف سے یہ ”قولِ فیصل“ پیش کیا ہے کہ ”اس قسم کے جو امور کتاب و سنت میں وارد ہوئے ہیں ان کی محض وہمی استبعادات کی بنا پر بغیر کسی دلیل و برہان اور بغیر کسی معارضِ نص کے تاویل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ایسے امور کو اپنے ظاہری معنوں پر باقی رکھنا چاہیے۔ واللہ العالم بحقائق لامور (احسن الفوائد صفحہ ۲۳۶)

اس سے ظاہر ہے کہ علامہ ڈھکو صاحب نے حضرت شیخ صدوق کے نظریہ کی تائید کی ہے۔ نہ کہ تردید۔ کما لا یخفی علی اولی النہی

(۵) بعض نو آموز مولفین نے اذان کے بارے میں حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ پر شدید تنقید کی ہے اور یہ بے جا تاویل کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ ”ممکن ہے کہ شیخ صدوق صرف جزئیت اذان کی نفی کرنا چاہتے تھے کیونکہ مفوضہ جزئیت ثابت کرتے تھے ورنہ شہادت ثالثہ کی محبوبیت ذاتی کے وہ بھی قائل ہیں۔ کما قال لا شک ان علیا ولی اللہ۔ لیکن وہ یہ جملہ جزء اذان قرار نہیں دیتے تھے۔“ (انتصار صفحہ ۱۰۷) اسی طرح صاحب ایضاح لکھتے ہیں علماء نے شیخ صدوق“ کے قول کی بھی یہی توجیہ کی ہے کہ وہ منکر جزئیت تھے اور مطلقاً شہادتِ ولایت کے منکر نہ تھے (ایضاح الموہوم صفحہ ۱۹۳ کذا فی تبصرہ بر اصلاح الرسوم صفحہ ۷۸)

ایسی ہی تاویلات رکیکہ اور توجیہات عتیقہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ ”تاویل القول

بما لا یرضی به قائلہ ''کہ کسی کے قول کی ایسی تاویل کرنا کہ جس پر خود قائل بھی راضی نہ ہو'' جب حضرت شیخ صدوق آئمہ معصومین علیہم السلام کی بیان کردہ اٹھارہ فصول والی اذان لکھنے کے بعد بالکل غیر مبہم الفاظ میں یہ لکھتے ہیں کہ'' قال مصنف ھذا الکتاب ھذا ھو الاذان الصحیح لایزادفیہ ولا ینقص ''اس کتاب کے مصف فرماتے ہیں کہ یہ ہے'' وہ صحیح اذان (جو شارع نے مقرر کی ہے) اس میں کسی قسم کی نہ زیادتی کی جائے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی کمی کی جائے۔الخ......''

جب انہوں نے ۱۸ فصول والی اذان میں ہر قسم کی کمی اور بیشی کرنے کی سخت الفاظ میں ممانعت کرتے ہوئے اسے خلاف شرع قرار دے دیا ہے۔تو بعد ازاں اس تاویل علیل کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ کہ بطور جزئیت نفی کی ہے ورنہ وہ اس کی محبوبیت ذاتی کے قائل ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اگر کوئی شخص ''علی ولی اللہ'' کی محبوبیت ذاتی کی وجہ سے اذان میں اس کے جواز کا بھی قائل ہو سکتا ہے تو پھر آپ لوگ آقائے خالصی اور علامہ ڈھکو صاحب کو اس کا منکر کیوں قرار دیتے ہیں۔ وہ لوگ بھی تو اس کے قائل ہیں کہ'' بے شک حضرت علیؑ مومنوں کے امیر، متقیوں کے امام، خدا کے ولی اور نبیؐ کے بلا فصل وصی ہیں'' اصلاح الرسوم صفحہ ۹۷

ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کی ذاتی محبوبیت اور ہے (جو جزء ایمان ہے) اور اس کا اذان میں داخل کرنا اور ہے یہ دو الگ الگ موضوع ہیں ان کو آپس میں گڈمڈ نہیں کیا جا سکتا۔ وھذا اوضح من الا یخفیٰ

عالم اجل وفاضل بے بدل مجتہد مطلق سرکار آقائی خالصی کا مختصر تعارف اوران پر لگائے گئے بے بنیاد الزامات کے تحقیقی جوابات:

قارئین کرام پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ چونکہ مذہب شیعہ مظلوموں کا مذہب ہے اور مظلوموں کی حمایت کرنا اس کا مسلک ہے ظالموں سے نفرت کرنا اس دستار کا......اوران پر نفرین کرنا اس کا پرانا شیوہ وشعار ہے تو اسی جذبہ سے سرشار ہو کر ہم یہاں اس مظلوم مجتہد کا تعارف کرارہے ہیں اور محض قربۃً الی اللہ اس کے دفاع میں چند سطریں سپرد قلم وقرطاس کر رہے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اگر آج کوئی شخص شیخ احمد احسائی جیسے ضال ومضل کی حمایت میں چند سطریں لکھدے تو اس کے لیے کوتی درہموں اور دیناروں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر کوئی شخص خالصی مرحوم کی حمایت میں کچھ لکھے یا بولے تو اس پر طعن و تشنیع کے تیر برسائے جاتے ہیں۔ واللہ من وراء القصد

سومخفی نہ رہے کہ حضرت شیخ محمد خالصی عراق کے ایک قصبہ ''خالص'' کے باشندے تھے اور ان کے والد ماجد آیت اللہ الشیخ مہدی خالصی کاظمینی اپنے دور کے مجتہد اعظم تھے اور نہ صرف عراق بلکہ بیرونجات کے لوگ بھی ان کی تقلید کرتے تھے۔ اور حکام وسلاطین ان کی عظمت کا لوہا مانتے تھے آقائی شیخ محمد خالصی مرحوم نے اپنے والد ماجد اور دوسرے اعاظم علماء سے اسلامی علوم وفنون کی تکمیل کی اور درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے اور پھر زندگی بھر درس و تدریس، تصنیف وتالیف اور تقریر وتبلیغ کے ذریعہ حقائق اسلام اور معارف ایمان کی

نشر واشاعت کرتے رہے اور اسلامی نظام شریعت کے نفاذ اور طاغوت کی حکمرانی کے خلاف ہمیشہ جنگ وجدال بھی کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مدتوں ایران کے سابق شاہ ایران اور اس کے والد رضا شاہ پہلوی کے خلاف برسرِ پیکار رہے اور ان کی زندگی کے قریباً تیس سن وسال ان کی قید و بند میں گزر گئے اور خلوت وتنہائی کے انہی لمحات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا۔ رع یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

جب بھی کوئی بے لاگ مؤرخ انقلاب اسلامی ایران پر قلم اٹھائے گا تو وہ اس مظلوم آقائے خالصی کی خدمات وزحمات کو خراج تحسین پیش کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکے گا۔

مرحوم خالصی نے مختلف اسلامی وایمانی موضوعات پر متعدد علمی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے درج ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) احیاء الشریعہ (۲) الاسلام سبیل السعادۃ والسلام (۳) الجمعۃ والاسلام (۴) الشیخیہ (۵) حجاب در اسلام (۶) ترجمہ وتشریح خدا اور طبیعت (۷) ہذا ھو اللہ (۸) مجلۃ العلم وغیرہ وغیرہ۔

علاوہ برایں سرکار محمد آل محمد علیہم السلام کے علوم کی ترویج وترقی کے لیے کاظمین میں مدینۃ العلم کے نام سے دار العلوم بھی قائم کیا۔ رفاہِ عامہ کے اور بھی بہت سے کام کئے اور کئی ادارے کھولے مرحوم نہ صرف ایک جامع الشرائط مجتہد تھے بلکہ کاظمین وغیرہ کے ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ ان کے مقلد بھی تھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملہ میں وہ بڑے سخت تھے زندگی بھر حریتِ قول کی آبیاری کی۔ اعلاء کلمۂ حق کی خاطر اپنی زندگی وقف کر دی۔ دنیا جانتی ہے کہ عراق میں ۱۹۵۷ء کے خونی انقلاب کے بعد عبدالکریم قاسم جیسے ڈکٹیٹر نے جب خلافِ اسلام بعض اصلاحات نافذ کرنا چاہیں جیسے عورتوں کو ووٹ

دینے کا حق اور لڑکی لڑکے کے وراثت میں برابر ہونے کا مسئلہ وغیرہ تو بڑے بڑے علماء اور سیاسی زعماء منقار زیر پر تھے مگر پورے عراق میں وہ واحد شخص جو تقریر و تحریر میں اس کا جواب دے کر اس کا ناطقہ بند کر رہا تھا وہ یہی خالصی مرحوم تھا۔ بالآخر بموجب "نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندارد۔ اس ڈکٹیٹر نے مرحوم خالصی کے بیانات پر، خطابات پر اور نماز جمعہ و جماعت پر حکومتی پابندی لگا دی چنانچہ جب ۱۹۶۲ء میں مرحوم خالصی کا انتقال ہوا تو وہ اپنی حکومتی پابندیوں میں جکڑے ہوئے تھے سچ ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست

تا نبخشد خدائے بخشندہ

خلاصہ کلام یہ کہ وہ ایک صحیح العقیدہ شیعہ عالم دین اور مجتہد شرع متین تھے وہ نہ کسی جدید مذہب کے بانی تھے اور نہ ہی خالصیت نام کا کوئی مذہب و مسلک موجود ہے۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ ان کا وہ کون سا جرم تھا جس کی پاداش میں ان کو دل کھول کر وہاں اور یہاں بدنام کیا گیا؟ اور آج تک برابر ان کو ایک طبقہ گالیاں دینا کار ثواب سمجھتا ہے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کی نظر میں ان کا جو ناقابل معافی جرم تھا وہ یہ تھا کہ وہ شیخیوں کو مشرک اور نجس العین سمجھتے تھے (انما المشرکون نجس) اس لیے وہ انہیں کاظمین میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ چنانچہ القائم کے بچوں کے شائع کردہ خالصی کے خلاف ایک رسالے میں شیخ عبدالمنعم کاظمی کا یہ قول لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شیخی حضرات نے کاظمین میں داخل ہونے کی کوشش کی تو خالصی کے غنڈوں نے ان پر ڈنڈے برسائے اور انہیں کاظمین میں داخل نہ ہونے دیا گیا۔" (تبصرہ المہموم صفحہ ۱۳۱) الغرض انہوں نے شیخیوں کے خلاف تقریر و تحریر کے ذریعہ اس قدر کام کیا کہ شیخیوں کے سربراہ شیخ موسیٰ اسکوئی

احقاقی کو عراق چھوڑنے اور کویت میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ جس کی وجہ سے شیخیوں اور ان کے ایجنٹوں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ مرحوم خالصی کے خلاف وہ محاذ لگایا اور ان کے خلاف وہ گندی زبان استعمال کی کہ معلم الملکوت ابلیس کے ماتھے پر بھی پسینہ آ گیا۔ اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے البتہ اب عراق سے پاکستان منتقل ہو گیا ہے جس کا زندہ ثبوت اصلاح الرسوم کے خلاف لکھی جانے والی کتابیں ہیں۔ کہ ان کے یہ مؤلفین خوفِ خدا اور خوفِ حشر و نشر سے بالا ہو کر ہر ہونی ان ہوئی بات مرحوم کی طرف منسوب کر کے اپنے ولیانِ نعمت کو خوش کرنے کے لیے خدا اور رسول اور آئمہ ہدیٰ کی لعنت کا طوق اپنی گردن میں ڈالا ہے میں ہم بلا خوف تردید علی الاعلان کہتے ہیں کہ خالصی مرحوم ایک صحیح العقیدہ شیعہ عالم دین اور مجتہد تھے۔ شیخ احمد احسائی کی طرح وہ کسی نئے مذہب یا مسلک کے بانی نہ تھے۔

ان کا کوئی عقیدہ مذہب شیعہ کے خلاف نہ تھا اور اذان میں شہادت ثالثہ کے بارے میں ان کا بالکل وہی مسلک تھا جو سرکار شیخ صدوق کا تھا۔ اس وقت پاکستان میں نہ ان کا کوئی شاگرد ہے اور نہ ہی مقلد۔ وہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ ہم سب نے ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور اسی راستہ پر چلنا ہے۔ جس پر وہ چل کر بارگاہ خدا میں پہنچ چکے ہیں۔ ع

جب احمد مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا؟

قریب ہے یارو روز محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستین کا

مرحوم خالصی کے مخالفین (شیخیوں) کو ساون کے اندھے کی طرح ہر وہ شخص شیخ خالصی یا اس کا شاگرد یا مقلد نظر آتا ہے۔ جو ان کے عقائد باطلہ پر تنقید کرتا ہے اور ان کے

مذموم ارادوں کے سامنے بند باندھتا ہے اور ان کے غلط مقاصد کی تکمیل میں روڑے اٹکاتا ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پہلے تو پاکستان کے تمام نامور جید علماء اعلام کو خالصی کا نائب کہا۔ جن کے نام اسی باب میں گزر چکے ہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ جن سات علماء اعلام کو ان لوگوں نے پاکستان میں خالصی کے نائبین قرار دیا تھا۔ ان میں سرفہرست سرکار علامہ مفتی جعفر حسین صاحب کا نام آتا ہے مگر شیعیان پاکستان نے ان کو اپنا متفقہ قائد تسلیم کر کے شیخیوں کے منہ پر طمانچہ رسید کیا۔ پاکستان بھر میں شیخی مبلغین اور ان کے زر خرید جرائد سرکار مفتی صاحب اور قائد شہید کو بھی ''ڈھکو پارٹی'' کا قائد کہتے رہے اور پھر سب سے زیادہ نزلہ سرکار علامہ محمد حسین النجفی پر گراتے ہیں۔

یہ لوگ تقریر و تحریر میں کبھی انہیں خالصی مجتہد العصر کبھی خالصی پاکستان۔ کبھی خالصی کا شاگرد اور کبھی خالصی مرحوم کو ان کا پیر و مرشد کہا جاتا ہے۔ اور کبھی عقائد و نظریات میں ان کے درمیان مماثلت ثابت کی جاتی ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بات بھی درست نہیں ہے جب ہم نے سرکار علامہ نجفی صاحب کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھے ان کا تلمذ حاصل ہوتا تو یہ بات میرے لیے افتخار کا باعث ہوتی مگر افسوس محمد ایسا نہ ہو سکا میں پورے چھ سات سال نجف اشرف میں رہ کر وہاں کے اعلام اور مراجع تقلید شیعان جہان سے تکمیل علوم کرتا رہا۔ جبکہ سرکار خالصی کاظمین میں مقیم تھے لے دے کے آئمہ عراق کی زیارت کے سلسلہ میں صرف تین یا چار دفعہ کاظمین میں سرکار موصوف سے نیاز ملاقات حاصل ہوا۔ جب کہ ہر بار نجف اشرف میں مقیم بعض پاکستانی طلبہ کرام بھی ہمراہ ہوتے تھے اور وہ ملاقاتیں بھی بعض علمی مسائل پر بحث و تمحیص کی نذر ہو گئیں۔

سرکار علامہ ۱۹۶۰ء سے لے کر آج تک مخالفین سے برابر یہ مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ

جس طرح ایران وعراق کے تمام مراجع نے شیخ احمد احسائی کو ضال ومضل اور اس کی کتابوں کی نشر واشاعت کو ناجائز وحرام قرار دیا ہے اور اسے ایک بدعقیدہ شخص، مفسد اور مذہب شیخیت کا بانی قرار دیا ہے۔ کسی مائی کے لال میں ہمت ہے۔ تو اسی طرح مراجع عظام میں کسی ایک مرجع سے مرحوم خالصی کے خلاف فتویٰ حاصل کر کے شائع کرے۔ یا ان کی اپنی کسی کتاب سے کوئی غلط عقیدہ ثابت کرے مگر آج تک ان کے مخالفین ایسا نہیں کر سکے اور نہ ہی آئندہ کبھی ایسا کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ انشاء اللہ۔ ہاں البتہ یہ لوگ بار بار کے مردودہ اور فرسودہ الزامات واتہامات کو مرچ مسالہ لگا کر اپنے نامۂ اعمال کی طرح کتابوں کے اوراق سیاہ کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اور خود ذلیل وخوار ہوتے رہیں گے۔

کیونکہ

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

اور من حفر بر اًلاخیر وقع فیہ۔ یعنی چاہ کن را چاہ در پیش

الغرض۔ ع

میری رسوائی جو چاہی نہ آپ وہ رسوا ہو گئے ...... والحمدللہ

اب آیئے ذرا ذیل میں بعض ان الزامات واتہامات کا تذکرہ اور پھر ان کا تجزیہ کریں جو خوف خدا سے بالا ہو کر ان لوگوں نے اس مظلوم پر عائد کیے ہیں مگر پہلے یہ حقیقت عرض کر دینا ضروری ہے کہ (خالصی کا وصیت نامہ کیا ہے)

سو واضح ہو کہ مرحوم خالصی کا یہ وصیت نامہ چند صفحات پر مشتمل ہے اور عربی زبان میں ہے۔ جو انہوں نے ۵۸۔۱۹۵۷ء میں بغداد کے بڑے ہسپتال (Hospital) میں اس

وقت لکھا تھا جب وہ وہاں زیر علاج تھے اس کے اردو وفارسی تراجم بھی چھپ چکے ہیں چند سال قبل ایک شیخی مبلغ نے جامعہ حسینیہ جھنگ سے شائع کردہ جعفریہ جنتری میں وصیت نامہ اس کی بسم اللہ سے شروع کر کے آخری لفظ ''یہ میری وصیت ہے'' تک اور اس کے نیچے دستخط ''محمد خالصی'' تک اس خیال محال کے تحت شائع کیا تھا کہ شاید کچھ لوگ اسے پڑھ کر مرحوم خالصی سے متنفر ہو جائیں گے لیکن جب ان کی توقع کے خلاف نتیجہ برآمد ہوا اور لوگ یہ وصیت نامہ پڑھ کر مرحوم خالصی کے معتقد ہونے لگے تو پھر موصوف وہ شمارہ شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے تھے اور اگر ان سے کوئی شخص وہ جنتری مانگتا تھا تو اس سے لڑتے تھے (شاید ہم بھی اس کتاب میں کسی مناسب مقام پر اس وصیت نامہ کی اشاعت کی سعادت حاصل کرسکیں)

مگر بقول صاحب تبصرۃ الهموم ''خالصی کا یہ وصیت نامہ وقت کے ساتھ ساتھ شاہ نعمت اللہ ولی کی پیش گوئی کی طرح بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اور اب یہ بڑھتے بڑھتے سینکڑوں صفحات تک پہنچ گیا ہے اور شاید وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہے گا'' (تبصرۃ الهموم صفحہ ۳۲)

اکثر طالع آزما قلم داران کی فارسی شرح کو خالصی مرحوم کا وصیت نامہ قرار دے کر اس سے یہ کہہ کر حوالے دیتے ہیں کہ خالصی نے وصیت نامہ میں یہ لکھا ہے اور وہ لکھا ہے۔ یہ سراسر بد دیانتی ہے اور خیانت مجرمانہ ہے۔ کسیقلمدار صاحب کے خیالات ونظریات کو خالصی مرحوم کے سر نہیں تھونپا جاسکتا۔

ولا تزروازرة وزراخرى، فتلبروتشكر

چنانچہ الیضاح الموہوم کا خلیع العذار اور شتر بے مہار مؤلف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷ پر یہ عنوان قائم کرتا ہے۔ ''شیخ محمد خالصی اور شیخ محمد حسین ڈھکو صاحب کے عقائد ونظریات

میں مماثلت وہم آہنگی"۔

(۱) اس سلسلہ میں انہوں نے اذان کی بات کی ہے جس پر پہلے مفصل گفتگو ہو چکی ہے کہ اس سلسلہ میں ہم لوگوں کا وہی نظریہ ہے۔ جو علامہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ اور ہم نوا علماء اعلام کا ہے۔ لہٰذا ان پر جو فتویٰ بھی لگاتا ہے براہ کرم پہلے وہی فتویٰ حضرت شیخ صدوق اور ان کے ہم نوا علماء و مجتہدین پر لگائیں۔

(۲) بعد ازاں زیر عنوان "شیخ خالصی کا کعبۃ اللہ، مسجد نبوی اور نجف اشرف کے بارے میں نظریہ" اور پھر صفحہ ۷۷ سے لے کر صفحہ ۸۴ تک پورے آٹھ صفحات سیاہ کیے ہیں کہ خالصی نے یہ کہا ہے ڈھکو صاحب یہ کہتے ہیں مگر اس میں خیانت مجرمانہ یہ کی گئی ہے کہ حوالہ خالصی مرحوم کے وصیت نامہ کا دیا گیا ہے حالانکہ یہ عبارات شیخ حیدر علی قلم داران کی ہیں خالصی مرحوم کے وصیت نامہ میں ایسا ایک لفظ بھی موجود نہیں ہے۔ ع

آزمائے جس کا جی چاہے

اصل وصیت نامہ پندرہ بیس صفحہ کا ہے اور یہاں صفحہ ۱۰۹ سے صفحہ ۱۱۱ کے حوالے مذکور میں...... **لعنۃ اللہ علی الکاذبین**۔

(۳) شیخ محمد خالصی کا ضرائح مقدسہ کے طواف کے بارے میں نظریہ (صفحہ ۸۵) اور پھر "مولانا ڈھکو صاحب کی ضرائح مقدسہ کے طواف کے بارے میں شیخ خالصی کی تائید (صفحہ ۸۷) یہ ٹھیک ہے کہ نہ آقائی خالصی اس طواف کو جائز جانتے ہیں اور نہ ہی علامہ ڈھکو صاحب مگر مؤلف نے یہاں وصیت نامہ کے صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۶ کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی ہے وہ قلمداران کی ہے۔ سرکار خالصی کی نہیں ہے مؤلف کو علامہ ڈھکو صاحب کی ہر بات کی مماثلت آقائی خالصی کے ساتھ نظر آتی ہے۔ ان کو دوسرے علماء و مجتہدین کے ساتھ ان کی

مماثلت کیوں نظر نہیں آتی مثلاً اسی ضرائح مقدسہ کے طواف کو لے لیں اگر علامہ ڈھکو صاحب نے اسے ناجائز قرار دیا ہے تو قائد انقلاب اسلامی ایران جناب آقائے خمینیؒ نے بھی تو اسے ناجائز قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے۔ "طواف تو صرف کعبہ کا ہی جائز ہے" تو پھر مؤلف نے یوں کیوں نہ لکھا کہ مولانا ڈھکو صاحب کی ضرائح مقدسہ کے طواف کے بارے میں جناب آقائی خمینی کی تائید" اور پھر کیوں نہ لکھا کہ اس سلسلہ میں خمینی صاحب بھی یہی کہتے ہیں اور ڈھکو صاحب بھی یہی کہتے ہیں مگر ان کا تو الو سیدھا ہی اس طرح ہوتا ہے کہ پہلے وہ یہ ثابت کریں کہ خالصیت کوئی مذہب ہے اور ڈھکو صاحب اس کے پیرو ہیں" تا کہ پاکستانی شیعہ سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیا جا سکے اور ان کو علماء اعلام سے دور کیا جا سکے مخفی نہ رہے کہ علامہ ڈھکو صاحب کی ضرائح مقدسہ کے طواف کے ممنوع قرار دینے سے مراد یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کی طرح بقصد طواف نہ کیا جائے لیکن اگر یہ قصد نہ ہو تو صرف ضرائح مقدسہ کے ارد گرد چکر لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مخفی نہ رہے کہ مؤلف نے صفحہ ۹۴ پر مفاتیح الجنان سے جس زیارت جامعہ کا یہ جملہ نقل کیا ہے "بابی انتم وامی یا آل المصطفیٰ انا لانملک الاان نطوف حول مشاھد کم" انہی معنوں میں طواف مراد ہے کما لا یخفیٰ (کما فی الوسائل باب المزار)

(۴) ضرائح مقدسہ پر طلب حاجات سے متعلق شیخ خالصی کا نظریہ (صفحہ ۸۸ ایضاح) یہاں پھر مؤلف نے جو عبارت وصیت نامہ سے نقل کی ہے۔ یہ اصل وصیت نامہ کی نہیں ہے بلکہ قلمبد اران کی شرح کی ہے جس کی مسئولیت سرکار خالصی پر عائد نہیں ہوتی۔ پھر صفحہ ۹۰ پر ضرائح مقدسہ پر طلب حاجات سے متعلق مولانا ڈھکو صاحب کا فتویٰ" اس موضوع پر پہلے تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ اس مورکھ نے اپنی ناسمجھی سے علامہ صاحب کے کلام کا

مطلب غلط سمجھا ہے ان کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ ''ضرائح مقدسہ پر ہاتھ اٹھا کر وہاں طلب حاجت حرام ہے'' (صفحہ۹۱) (العیاذ باللہ) بلکہ دوسرے صحیح العقیدہ علماء اعلام کی طرح حضرت علامہ ڈھکو صاحب کا مقصد بھی صرف یہ وضاحت کرتا ہے کہ امور تکوینیہ از قسم خلق و رزق اور اماتت واحیاء وغیرہ براہ راست صاحب قبر سے طلب نہیں کرنا چاہیں۔ بلکہ ان کے توسل سے خداوند عالم سے طلب کرنا چاہئیں اور بہترین عبادت ہے۔ نہ کہ حرام۔ کما لایخفیٰ علی العوام۔

(۵) احکام اموات کے بارے میں شیخ خالصی کے نظریات ''صفحہ۹۱) اس سلسلہ میں جو کچھ موصوف کے حوالہ سے لکھا گیا ہے خالص اسلامی تعلیمات یہی ہیں۔ لہٰذا ان امور کو خالصی مرحوم کے نظریات کا نام دینا اسلامی تعلیمات سے اپنی جہالت یا پھر اپنی ضلالت کی بدترین مثال ہے۔

(۶) شیخ خالصی کے نزدیک قرآن خوانی ومجلس فاتحہ خوانی بدعت ہے۔ (صفحہ ۹۶ ایضاح) اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آقائی خالصی مرحوم تعزیت کے قائل نہیں ہیں تاکہ تعزیت کی حدیثیں پیش کی جائیں۔ اور نہ ہی وہ صحیح مجلس حسینؑ کے خلاف ہیں (وہ خود مجالس پڑھتے تھے اور دوسروں سے پڑھاتے بھی تھے) تاکہ عزاداری کا اثبات کیا جائے وہ مرحوم صحیح عزاداری کو دوسرے علماء شیعہ کی طرح دین حق کی نشرواشاعت اور اُس کی بقا کا بہترین ذریعہ جانتے تھے (ملاحظہ ہو ان کا مجلّہ مدینۃ العلم صفحہ ۸۸) ہاں البتہ وہ ان جاہل اور بے دین پیشہ ور تاجران خونِ حسینؑ کے مخالف تھے جو قوم کی جیبوں پر ہاتھ صاف کرتے تھے اور فضائل ومصائب کے نام پر غلط اور گمراہ کن روایات پڑھ کر لوگوں کے دین وایمان اور ان کے عمل وکردار پر ڈاکہ ڈالتے تھے (ملاحظہ ہو مدینۃ العلم صفحہ۹۲) انہوں نے ایسی مجلس

تعزیت کو جس میں سگریٹ وحقہ نوشی کی جائے، چائے نوشی کی جائے، دولت کا ضیاع کیا جائے اور جس میں مرنے والوں کی یا زندوں کی غلط مدح وثنا اور ان کی چاپلوسی کی جائے اور اہل ایمان کی ہجو کی جائے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ یہ حقائق خود ان کے کلام میں مذکور ہیں اور کون سلیم الفطرت، صحیح الدماغ اور سچا مسلمان ہو گا جو ان حقائق کو جھٹلانے کی جرأت کرے گا؟؟

(۷) شیخ محمد خالصی کے نزدیک زنجیرزنی، شمشیرزنی اور آئمہ معصومینؑ سے توسل شرک ہے (صفحہ ۱۰۲) جہاں تک توسل کا تعلق ہے تو وہ اس کے حقیقی معنوں میں اور اس کی روح کے ساتھ اس کے قائل ہیں اور اس پر عامل بھی ہیں۔

چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب احیاء الشریعہ صفحہ ۸۴ پر بڑی شدومد سے توسل کا جواز ثابت کرتے ہوئے دلائل قاطعہ سے وہابیوں کا رد پیش کیا ہے۔ احیاء الشریعہ کے علاوہ انہوں نے اپنے رسالہ مدینۃ العلم وغیرہ میں کئی مضامین نجدیوں اور وہابیوں کی رد میں تحریر کئے ہیں (مگر شیخیوں کی نظر میں وہ پھر بھی وہابی ہیں) لیکن ان کے پیرو مرشد شیخ احمد احسائی نے وہابیوں کے خلاف ایک صفحہ بھی نہیں لکھا (لیکن شیخیوں کی نظر میں وہ بڑے مؤمن اور موالی ہیں) ع

چو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ہاں البتہ شمشیرزنی وقمہ زنی کے بارے میں ان کا وہی فتویٰ ہے۔ جو حضرت آقائی محسن امین عاملی آقائے سید مہدی کاظمینی، سرکار آقائی بروجردی اور موجودہ رہبر جمہوری اسلامی ایران آقائی خامنہ ای کا ہے۔ مؤلف کی عیاری دیکھئے کہ صفحہ ۱۰۳ پر سرخی قائم کرتے ہیں۔

"مولانا ڈھکو صاحب کی ماتم کے بارے میں شیخ خالصی کی تائید" اور پھر صفحہ ۱۰۴ پر

''ثبوت ماتم کی سرخی قائم کی ہے۔ تاکہ اس سے یہ تاثر قائم کیا جا سکے کہ حضرت علامہ ماتم کو جائز نہیں جانتے حالانکہ باشعور شیعیان پاکستان کے سمجھنے کے لیے یہ بات ہی کافی ہے۔ کہ علامہ صاحب نے پہلے ماتم کے جواز کو دلیل کے ساتھ ثابت کیا تھا اور اس کے بعد صرف زنجیر زنی، قمہ اور تلوار کے ماتم کے بارے میں یہ لکھا تھا۔ کہ اس کے بارے میں ہمارے موجودہ فقہاء شیعہ خیر البریہ میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے کچھ حضرات اسے جائز جانتے ہیں اور کچھ حضرات جیسے آقائی بروجردی آقائی محسن امین عاملی اور علامہ سید مہدی کاظمینی اعلی اللہ مقامھم اور بہت سے دیگر علماء و فقہاء اسے ناجائز جانتے ہیں۔ (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۷) اور پھر صفحہ ۱۷۰ کے حاشیہ پر آیت اللہ برودی کے رسالہ عملیہ جامع المسائل اردو کے صفحہ ۴۰۴ طبع لاہور کی عبارت نقل کی ہے اور اس بزرگ ترین مرجع عالیقدر کے فتویٰ سے اتفاق کرنے کے باوجود پھر بھی ہر کسی کو اپنے مرجع تقلید کے فتویٰ پر عمل کرنے کو کہا ہے (اصلاح الرسو صفحہ ۱۷۱) اور کوئی بھی مصنف کسی موضوع پر اس سے زیادہ انصاف کے ساتھ نہیں لکھ سکتا لیکن یہاں بھی شیخی فطرت غالب آئی اور شیعیان پاکستان کو دھوکہ دینے کے لیے ایضاح الموہوم کے ۱۰۳ پر یہ عنوان قائم کیا گیا۔ ''مولانا ڈھکو صاحب کی ماتم کے بارے میں شیخ خالصی کی تائید'' حالانکہ علامہ صاحب نے بزرگ ترین مرجع عالیقدر شیعیان جہاں آیت اللہ بروجردی کا فتویٰ نقل کیا تھا۔ اور ان کی سالم کتاب میں کسی بھی موضوع کی تائید میں خالصی مرحوم کا کوئی ایک بھی حوالہ مذکور نہیں ہے۔ مگر صاحب ایضاح الموہوم نے اس کتاب کے تقریباً ۵۰ سے زیادہ صفحات اسی گردان سے پر کر دیے کہ ''خالصی بھی یہی کہتا ہے اور ڈھکو بھی یہی کہتے ہیں اور شیعیان پاکستان کو دھوکہ دینے کے لیے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۲ پر ایک عنوان ''خاکپائے ماتم داران حسین: سرمہ چشم آقائی بروجردی'' لکھ کر پاکستان

کے سادہ لوح شیعہ عوام کو اتنا بڑا دھوکہ دینے کی کوشش کی کہ اس سے بڑھ کر ابلیس بھی کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اور اگر کوئی پاکباز شیعہ اس عنوان میں بیان کردہ واقعہ کا ایک ایک لفظ پڑھ کر دیکھے تو اسے ایک لفظ بھی ایسا نہ ملے گا کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ آقائی بروجردی کے سامنے ماتم کرنے والا ماتمیوں کا دستہ زنجیر وقمہ یا تلوار کا ماتم کر رہا تھا اور اس عنوان کے تحت صفحہ ۱۲۳ پر اس ماتمی قافلہ کی شان خود بیان کی ہے اور فی الحقیقت عزاداروں اور ماتمی قافلوں کی ھیت ایسی ہی ہونی چاہیے دراصل آقائے بروجردی کا یہ واقعہ اس لیے بیان کیا تا کہ شیعہ عوام کو دھوکہ دے کر ان کے فتوئی سے توجہ ہٹائی جا سکے۔" (تبصرہ الھموم صفحہ ۲۵)

الغرض ان حقائق کے خلاف دس علماء تو کجا اگر دس ہزار علماء کے فتوے نقل کیے جائیں تو وہ صرف ان کی ذات یا ان کے مقلدین کے لیے تو حجت ہو سکتے ہیں۔ یہ بلا دلیل و برہان فتوے دوسرے محققین کے لیے سند نہیں ہو سکتے۔

(۸) "شیخ محمد خالصی کے نزدیک نذر و نیاز اور مولانا ڈھکو صاحب کے نزدیک نذر و نیاز" یہ عنوان قائم کر کے یہ تاثر دینے کی کس قدر عیارانہ کاوش ہے کہ لوگوں کو یہ تاثر دیا جائے کہ ان دو حضرات کے علاوہ باقی سب علماء وفقہاء غیر اللہ کے نام کی منت جائز جانتے ہیں۔ حالانکہ جو شخص فقہ جعفریہ کی ابجد سے بھی واقف ہے اور جس کی نگاہ فقہی کتابوں کے ابواب نذر پر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سب فقہاء شیعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عہد و یمین کی طرح نذر (منت) بھی صرف خدا کے نام کی مانی جاتی ہے۔ اس کے باوجود سرکار علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب مدظلہ نے نیاز امام حسینؑ اور حاضری ابوالفضل العباسؑ کے جواز کا یہ طریقہ تجویز کیا ہے کہ "زیادہ سے زیادہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں دعا واستدعا کرتے وقت یا منت مانتے وقت ان ذوات مقدسہ میں سے کسی ذات گرامی صفات کا واسطہ دیا

جا سکتا ہے اور اس طرح منت مانی جا سکتی ہے کہ اگر خداوند عالم فلاں ہستی کے وسیلہ سے میرا فلاں کام کر دے یا میری فلاں حاجت براری کر دے تو میں خدا کے نام پر فلاں کام کروں گا یا فلاں چیز تقسیم کروں گا۔ اور اس کا ثواب فلاں ہستی کی روح مقدس کو ہدیہ کروں گا اس طرح من باب المجاز تسبیح جناب سیدہ اور نماز جعفر طیار کی طرح وہ جناب سیدہ اور جناب امام حسین علیہ السلام کی نیاز اور حضرت ابوالفضل عباس کی حاضری کہلا سکے گی اور علی الاظہر جائز بھی ہوگی (اصلاح الرسوم صفحہ ۳۳۱)

کیا یہ عبارت اس ابلہ فریب کی نظر سے نہیں گزری؟ اور اگر گزری ہے تو پھر اتم سکاری کو چھوڑ کر لاتقربوا الصلوٰۃ کے ساتھ استدلال کرنے والے شخص کی کیا سزا ہے؟ بینوا توجروا۔

مخفی نہ رہے کہ جن مراجع کے فتوے ان کتابوں میں شائع کیے گئے ہیں انہوں نے بھی اس شکل میں اس منت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

(۹) ''شیخ محمد خالصی کے نزدیک اجارہ کی نمازیں اور روزے جائز نہیں'' یہ ایک فقہی مسئلہ ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک اجارہ پر نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا درست ہے مگر بعض علماء اسے ناجائز جانتے ہیں جن میں سے ایک سرکار آقائی خالصی بھی ہیں۔ جب کہ سرکار علامہ ڈھکو صاحب کے نزدیک علی الاقویٰ نماز و روزہ استجاری جائز ہے (ملاحظہ کریں قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ) اور اس مورکھ مؤلف نے اصلاح الرسوم کے صفحہ ۳۲۹ کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی ہے کہ ''واجبات پر اجرت لینا بالاتفاق حرام ہے'' اس سے لوگوں کی واجبی نمازیں اجرت پر پڑھنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ واجبات ہیں جو خود آدمی پر واجب ہوں خواہ واجب عینی ہوں جیسے نماز پنجگانہ یا واجب کفائی ہوں جیسے نماز جنازہ وغیرہ جیسا

کہ عبارت کے سیاق وسباق سے واضح وعیاں ہے اور یہ غلطی قریباً ان سب چھوٹے بڑے مؤلفین نے کی ہے جنہوں نے اصلاح الرسوم کے خلاف محاذ لگایا ہے۔

عجب انقلاب زمانہ ہے کہ وہ بقلم خود علامے اور مولانے علماء اعلام کے خلاف کتابیں لکھ رہے ہیں جو ان کی کتابوں کی اردو عبارات کا مطلب سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں رکھتے !!

بت کریں دعوئ خدائی کا۔ شان ہے تیری کبریائی کا

(۱۰) شیخ خالصی کے نزدیک حوزہ علمیہ نجف اشرف جہالت وکفر وبدعات کا مرکز ہے (ایضاح صفحہ ۱۳۹)

اس عنوان کے تحت خالصی مرحوم کے وصیت نامہ صفحہ ۱۲۶ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ دجل وفریب کی بدترین مثال ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ سب قلمداران کا کلام ہے اسے مرحوم خالصی کا کلام قرار دینا خیانت مجرمانہ کے زمرہ میں داخل ہے کہ **وانما یفتری الکذب الذین لایؤمنون**

(۱۱) شیخ محمد خالصی کے نزدیک کتاب الفرائد مجموعہ خرافات ہے۔"

(۱۲) شیخ خالصی کے نزدیک دنیا کے بڑے بڑے اسلامی مراکز میں کفر کی تدریس ہو رہی ہے۔ (ایضاح صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹)

ان عناوین کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے وہ قلمداران کی ذاتی عبارتیں ہیں۔

اسے آقائی خالصی کا کلام قرار دے کر ان پر تنقید کرنا انسانیت سوز حرکت ہے سچ ہے۔ **اذالم تستح فاصنع ماشئت**

یعنی بے حیا باش وہرچہ خواہی کن۔ نیز یہ بات بھی پیش نظر رکھی چاہیے کہ اگر بالفرض آقائی خالصی فرائد الاصول کی مخالفت بھی کرتے تو کوئی قابل گرفت بات نہ ہوتی۔ کیونکہ

کتاب الفرائد (المعروف بہ رسائل شیخ انصاری) نہ قرآن ہے۔ اور نہ چودہ معصومینؑ کا فرمان ہے تا کہ اس پر اعتراض کرنے سے کوئی آدمی خارج از اسلام یا خارج از ایمان قرار پائے بلکہ ایک غیر معصوم عالم اور مجتہد کی فکری کاوش ہے اور اس فن میں ہے جس کے اکثر بانی اور مطالب و معانی اغیار سے مستعار لیے گئے ہیں۔ تو اس پر علمی اور فنی رنگ میں تنقید کرنا نہ کوئی جرم ہے اور نہ کوئی گناہ خود آقائی خراسانی نے کفایہ میں اور دوسرے اعاظم علماء نے اسے ہدف تنقید بنایا ہے اور یہ سلسلہ محققین میں چلتا رہتا ہے اور اسی سے علوم وفنون ترقی کرتے ہیں اور خمود و جمود ٹوٹتا ہے۔

(۱۳) ''شیخ خالصی کا حضرت عباس کی توہین کرنا''

شیخ محمد علی حلی لکھتا ہے کہ ''شیخ خالصی نے چونکہ......اور کہا کہ خالد بن ولید ایمان کے لحاظ سے سیدنا عباس علیہ السلام سے افضل ہے'' (ایضاح الموہوم صفحہ ۱۴۹)

انا للہ وانا الیہ راجعون یہ اتنا بڑا افتراء ہے کہ قریب ہے کہ اس کی سنگینی سے آسمان کا شامیانہ ٹوٹ کر زمین پر گر جائے، زمین شگافتہ ہو جائے اور لکھنے والے کا ہاتھ ٹوٹ جائے اور پھر مؤلف کی بے دینی اور جسارت کا یہ عالم ہے کہ نہ العیاذ باللہ نہ نعوذ باللہ، نہ نقل کفر کفر نباشد؟ بلکہ پوری ڈھٹائی اور بے حیائی سے یہ بکواس نقل کر دی ہے اگر اس بے دین ملا میں جرات ہے تو اس الزام کا کوئی ثبوت مہیا کرے ورنہ اپنے اوپر اور اپنے شیخی حلی (بلکہ اپنے شیخ چلی) پر کم از کم ایک ہزار بار لعنت کرے جبکہ خدا و رسول اور ملائکہ و مومنین تو کر رہے ہیں (لعنت اللہ علی الکاذبین)

(۱۴) ''شیخ خالصی کے نزدیک خرگوش اور بجو حلال ہے (ایضاح صفحہ ۱۴۰) اس سلسلہ میں مؤلف خالصی مرحوم کے خلاف لکھے جانے والے رسالہ ''السیاط القارعۃ'' کے حوالہ سے

لکھتے ہیں کہ خالصی مرحوم نے خرگوش اور بجو کو حلال قرار دیا ہے اس کا جواب اسی بات سے ظاہر ہے کہ حوالہ مخالف کا دیا گیا ہے اور دنیا جانتی ہے۔ کہ ع

کلام العدیٰ ضرب من الھذیان

کہ مخالف کا کلام بکواس کی ایک قسم ہوتا ہے اور اگر بالفرض یہ نسبت صحیح بھی ہو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کیونکہ فروعی مسائل میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوتا رہتا ہے یعنی ایک چیز ایک عالم کے نزدیک حلال ہوتی ہے جب کہ دوسروں کے نزدیک وہ حرام ہوتی ہے۔ جیسے طاؤس (مور) ہے۔ کہ ہمارے عام فقہاء اسے حرام قرار دیتے ہیں جبکہ جناب آقائی سیتانی نے اسے حلال قرار دیا ہے بات عقائد و نظریات کی ہے اور ہمارا دعویٰ ہے کہ سرکار آقائی خالصی کا کوئی ایک عقیدہ بھی شیعی مسلمہ عقائد و نظریات کے خلاف نہیں ہے۔

قل ھا تو ابرھانکم ان کنتم صادقین

(۱۵) شیخ خالصی اپنی تقریر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو مجتہد کہتے ہیں اور واضح طور پر ان سے غلطی کے صادر ہونے کے امکان کی تصریح کی گئی ہے (انتصار صفحہ ۷) جس ذات شریف نے انتصار المظلوم کے حرف اول میں ایک مظلوم و مرحوم عالم دین پر یہ اتہام لگایا ہے۔ اس نے ایک پورے صفحہ کی اس بھونڈی تحریر میں پورے بارہ جھوٹ بولے ہیں جب کہ ایک جھوٹ بولنے والا بنص قرآن خارج از ایمان تصور ہوتا ہے۔ وانما یفتری الکذب الذین لایؤمنون ۔ اے کاش کہ وہ خود اصلاح الرسوم کے خلاف قلم اٹھاتے تا کہ لوگوں پر ان کا علمی حدود اربعہ واضح ہو جاتا اور سب کو معلوم ہو جاتا کہ ان کے سر میں غرور کے سوا عقل نام کی کوئی چیز اور سینہ میں کینہ کے سوا علم نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ سچ ہے کہ کل طویل احمق۔ کہتے ہیں کہ شیطان بھی آدمی کے مرجانے والوں کا پیچھا

چھوڑ دیتا ہے۔ مگر اس کے مریدان باصفا اپنے گرو سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے ہیں۔ کہ وہ مرنے والوں کو بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بے شک وہ زندوں کو اپنے جور و جفا کی مشق گاہ بنائیں اور کذب وافترا اور الزام واتہام کے جتنے تیران کے ترکش میں موجود ہیں وہ سب استعمال کریں اور بے شک اپنی عاقبت کے ساتھ ساتھ اپنی دنیا بھی تباہ و برباد فرمائیں اور خود تماشہ بنیں اور دنیا والوں کو تماشہ دکھائیں......

مگر کم از کم تحریر میں تو وہ چیز لائیں جس کا ثبوت بہم پہنچا سکیں۔ ورنہ بلا بینہ و برہان مرحوم علماء پر اتہام لگا کر عذاب خداوندی کو دعوت نہ دیں۔ اور لعنت کا طوق اپنی گردن میں نہ ڈالیں خالصی مرحوم کی کتابیں (خاص طور پر احیاء الشریعہ) چھلک رہی ہیں کہ وہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کو معصوم عن الخطاء، منصوص من اللہ امام واجب الاتباع جانتے ہیں۔ اور ان کو ہر قسم کے گناہ وعصیان اور سہو ونسیان سے محفوظ جانتے ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ کے بعد ان کو تمام کائنات سے افضل واعلیٰ جانتے ہیں۔ بایں ہمہ اگر وہ شیعہ نہیں ہیں تو کیا حقد و حسد کے یہ پتلے اور بغض وعناد کے یہ مجسمے اور اخلاق وانسانیت سے عاری یہ درندے شیعہ ہیں؟؟ جن کو انسان کہنا انسانیت کی توہین ہے!!

دراصل یہ الزام آقائے خالصی کے ایک معاند عبدالمنعم کاظمی نے ان پر لگایا ہے کیا شرع شریف میں ایک آدمی کی شہادت سے کسی کے خلاف الزام ثابت ہو جاتا ہے۔ اگر ایسے بقامت بہتر وبقیمت کہتر ننگِ علم وعلماء بلکہ ننگِ انسانیت وآدمیت کے پاس ایسا کوئی قطعی ثبوت ہے اور ظاہر ہے کہ وہ ثبوت بھی خالصی مرحوم کی اپنی تحریر ہو سکتی ہے یا ان کی تقریر کی کیسٹ تو وہ پیش کر کے منہ مانگا انعام حاصل کریں اور اگر قیامت تک ایسا نہیں کر سکتے تو پھر وہ ابلیس کی طرح وہ خدائی لعنت کا طوق اپنی گردن میں ڈالنے کے لیے تیار

ہو جائیں۔ لعنتہ اللہ علی الکاذبین۔

(ایک لطیفہ یا کثیفہ)

کچھ لوگوں نے سرکار علامہ ڈھکو صاحب کی بعض کتابوں کے ناموں سے بھی آقائی خالصی اوران کے درمیان مماثلت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ بعض بے توفیق لوگوں نے توان کی کتابوں کے ان کی کتابوں کی نقل ہونے کی بھی بے پر کی اڑائی ہے مثلاً آقائے خالصی کی ایک کتاب کا نام ''احیا الشریعہ'' ہے اور علامہ ڈھکو صاحب کی ایک کتاب کا نام اصول الشریعہ حالانکہ اولاً ''تو یہ نام ایک نہیں ہے ثانیاً'' دونوں کتابوں کا موضوع الگ الگ ہے احیاء الشریعہ فقہی کتاب ہے (صرف ابتدائی چند صفحات عقائد پر مشتمل ہیں) جبکہ اصول الشریعہ، اصول وعقائد کی کتاب ہے (۲) ان کی ایک کتاب کا نام ہے کہ قوانین الشریعہ۔ ڈھکو صاحب کی کتاب کا نام بھی قوانین الشریعہ ہے۔ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔ سرکار خالصی کی کسی کتاب کا نام انوار الشریعہ یا قوانین الشریعہ نہیں ہے۔

(۳) آقائی خالصی کی ایک کتاب کا نام ہے۔ سعادۃ الدارین اور علامہ ڈھکو صاحب کی کتاب کا نام بھی یہی ہے کہ ''سعادۃ الدارین'' ہاں صرف اس ایک کتاب کے نام میں مماثلت ہے مگر موضوع دونوں کا الگ الگ ہے آقائے خالصی کا یہ چھوٹا سا رسالہ ہے جو چند متفرق موضوعات پر مشتمل ہے۔ جب کہ علامہ نجفی صاحب کی ضخیم کتاب واقعات کربلا پر مشتمل ہے۔ ویسے بھی سینکڑوں کتابوں کے نام ایک جیسے ہوتے ہیں۔

مالکم کیف تحکمون ؟؟ فقد منا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ہباء منثوراً والحمد للہ رب العالمین۔

چوتھا باب

المتفرقات یعنی اصلاح الرسوم کے مختلف ابواب کے بوگس جوابات کے محققانہ جوابات لاجواب

جیسا کہ قارئین کرام کو معلوم ہے کہ کتاب مستطاب اصلاح الرسوم الظاہرہ بکلام العترۃ الطاہرہ آٹھ مختلف ابواب پر مشتمل ہے۔ مگر اکثر جواب نویسوں نے تو صرف اس کی بحث اذان کو موضوع سخن بنا کر سارا زور بیان وقلم اسی پر صرف فرمایا ہے (جس کا دندان وہمت شکن جواب اس کتاب کے پہلے باب میں پیش کر دیا گیا ہے۔ والحمدللہ) اور بعض نے اس کے ساتھ عزاداری والے موضوع کو بھی چھیڑا ہے مگر کئی حضرات نے اس موضوع پر کوئی خاص گفتگو نہیں کی ہے اسی طرح دوسرے ابواب کا معاملہ ہے بلکہ بعض حضرات نے تو دبے دبے لفظوں میں ان کی تائید مزید کی ہے۔ اور بعض نے صرف اکا دکا کسی نہ کسی موضوع پر مختصر سا تبصرہ کر دیا ہے۔ بہرحال ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان سب جوابی کتابوں کے جواب الجواب میں لکھی جانے والی اس جوابی کتاب کے ایک مختص باب میں ان تمام جوابی کتابوں کے تبصروں پر الگ جامع تبصرہ کر دیا جائے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے اور قارئین کرام کے سامنے حق اپنی تمام تر لطافتوں اور رعنائیوں اور تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو جائے اور باطل اپنی تمام تر کثافتوں، تاریکیوں اور حماقتوں کے ساتھ ملیا میٹ ہو جائے کیونکہ ع

باطل آخر داغ حسرت میری است

تبصرۃ المہموم کا تبصرہ

چنانچہ یہ صاحب اذان وغیرہ بعض امور پر تبصرہ کرنے کے بعد (جن پر پہلے تبصرہ کیا جاچکا ہے) لکھتے ہیں "لیکن اگر بعض باتیں ایسی ہیں جو واقعتاً بدعت ہیں اور صحیح لکھا ہے لیکن ان کی اصلاح اگر ناممکن نہیں ہے تو مشکل ضرور ہے۔ مثلاً مسجدوں کے اونچے اونچے مینار بنانا، بے شک یہ بنی امیہ کے زمانہ کی بدعت ہے لیکن ان میناروں کو امام زمانہ ہی ظہور فرما کر گرائیں گے۔ یہ کسی اور کے بس کی بات نہیں ہے (صفحہ ۱۵)

جناب اس بیان حقیقت ترجمان کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اس تحریر سے متاثر ہونے والے سلیم الفطرت اہل ایمان نئی تعمیر ہونے والی مساجد میں اس سے پرہیز کریں گے۔ (انشاءاللہ)

اور بعض باتیں ایسی ہیں جن پر عمل ممکن ہے اور اگر مومنین ان پر عمل کریں تو یقیناً وہ غلط بات سے بچ جائیں گے۔ مثلاً بعض نقوش کا بعض مخصوص اوقات میں دیکھنا وغیرہ اس کتاب کا چوتھا باب ان رسوم کے بارے میں ہے۔ جو عزاداری میں رائج ہیں۔ اس باب کی اکثر باتیں تو وہی ہیں جو اصلاح المجالس میں بیان ہو چکی ہیں اور کچھ باتیں ایسی ہیں جو نئی ہیں۔ اور ان میں تعزیہ، علم اور ذوالجناح کے جواز کو احسن طریقہ سے بیان فرمایا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا ہے کہ بے شک ایک ایک ہزار فٹ اونچے علم بنائیں تو کوئی حرج نہیں ہے حالانکہ اتنا لمبا علم نہ پیغمبرؐ کے زمانہ میں کسی نے ' یا۔ نہ آئمہ طاہرین کے زمانہ میں کسی نے اٹھایا۔ اور ماتم کرنے کو بھی جائز کہا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ ان شعائر کے سلسلہ میں جو غلط کام ہوتے ہیں اور وہ یقیناً نہ صرف غلط ہیں بلکہ بعض تو حدِ شرک میں داخل ہیں۔ ان کو بھی بیان

کیا ہے اوران کا بیان کرنا اشد ضروری تھا اوران کی اصلاح کی قوم کو یقینی طور پر ضرورت تھی۔ مگر ہمیشہ کا دستور چلا آیا ہے کہ جو لوگ کوئی غلط کام یا شرک کی کوئی بات کرنے کے عادی بن جاتے ہیں۔ وہ اس کی اصلاح کو مشکل سے ہی قبول کرتے ہیں۔" (تبصرہ صفحہ ۱۶)

اس سلسلہ میں صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ علماء کا کام منوانا نہیں ہے بلکہ ان کا کام صرف آوازِ حق کو لوگوں کے کانوں تک پہنچانا ہے۔ بھلا جب نبیوں اور اماموں کا کام منوانا نہیں ہے تو علماء کی ذمہ داری ان سے زیادہ تو نہیں ہے ع بر رسولاں بلاغ باشد و بس

ے مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائیں گے

پھر آگے لکھتے ہیں۔ "اس کتاب کے پانچویں باب میں ان بدعات اور غلط رسوم و رواج کو بیان کیا گیا ہے۔ جو شادی بیاہ سے متعلق ہیں اس بارے میں جو باتیں جائز ہیں انہیں جائز ہی کہا گیا ہے اور جو ناجائز اور غلط ہیں ان کو غلط اور ناجائز کہا گیا ہے۔ ان میں واقعتاً اصلاح کی ضرورت ہے مگر جہیز کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کے بارے میں صفحہ ۱۸۸ کے حاشیہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے صرف وہی کافی تھا اور یہی بات حق اور صحیح ہے کہ اسلام میں جہیز کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے اپنی بیٹی کو بوقت رخصت جو اشیاء دی تھیں انہیں جہیز کہنا یا ان پر جہیز کا اطلاق کرنا قطعی طور پر غلط ہے۔ (تبصرہ صفحہ ۱۶)

برقی صاحب!! حق کی تائید کرنے کا شکریہ اور اختلافی امر کے متعلق گزارش ہے کہ حضرت علامہ نے بھی تو متن میں روایتی انداز میں مختصر جہیز کا تذکرہ کرنے کے بعد حاشیہ پر صاف صاف لکھ دیا ہے کہ "جہیز کے متعلق ہم نے جو سطور بالا میں جو کچھ لکھا ہے کہ جہیز مختصر

اور سادہ دینا چاہیے جس طرح کہ پیغمبر اکرمؐ نے دیا تھا۔ یہ سطحی اور روایتی اندازِ فکر کا نتیجہ ہے لیکن اگر بہ غائر اس مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جہیز کا سرے سے اسلام میں کوئی وجود ہی نہیں ہے" (اصلاح الرسوم حاشیہ صفحہ ۱۸۸)

لہٰذا اس جہیز پر مولفِ تبصرہ المھموم نے آگے صفحہ ۱۷، ۱۸ پر جو تبصرہ فرمایا ہے وہ سب ھباءً منثورا ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ جب ع

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

تو پھر یہ اختلاف کا شاخسانہ کیسا ہے؟؟

البتہ جناب موصوف نے اپنے تبصرہ کے صفحہ ۱۸ پر ایک مفید معلوماتی اضافہ کیا ہے جسے شکریہ کے ساتھ اصلاح الرسوم کے اگلے ایڈیشن میں درج کر دیا جائے گا۔ انشہ اور وہ یہ ہے فرماتے ہیں۔ "اس باب میں حق مہر کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ایک حد تک تو بالکل درست ہے۔ لیکن علامہ صاحب سے اس کے بیان میں ایک بات رہ گئی ہے...... اور وہ بات یہی ہے کہ نہ تو قرآن میں لکھا ہے کہ مرد مہر کے علاوہ "مزید" کے نام کی بھی کوئی چیز دے۔ نہ احادیث معصومینؑ سے یہ بات ثابت ہے کہ پیغمبر اکرمؐ یا آئمہ طاہرینؑ میں سے کسی نے مہر کے علاوہ کچھ اور دیا ہو" (تبصرہ صفحہ ۱۸)

پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ "اس کے علاوہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں جو رسومات رائج ہیں ان میں سے بہت سی رسومات تو جو جائز ہیں۔ ان کو جائز ہی کہا ہے۔ لیکن جو ظاہر بظاہر غلط ہیں ان کو غلط ہی کہا گیا ہے اور واقعتاً ان میں اصلاح کی ضرورت ہے بلکہ ان کا ترک کرنا واجب ہے مثلاً غیر مشروط تعددِ ازواج یا قرآن سے شادی جو ایک طرح سے قرآن کی توہین ہے اور لڑکی پر ظلم ہے۔ بہر حال اس کتاب کا چھٹا باب ان غلط رسموں کے

بیان میں ہے جو ولادتِ اولاد سے متعلق ہے اور آٹھواں باب ان غلط رسومات کے بیان میں ہے جو مختلف موضوعات سے متعلق ہیں ان ابواب میں بھی جو باتیں مشروع ہیں۔ان کو جائز کہا گیا ہے لیکن جو غلط رسمیں جاری ہوگئی ہیں ان کی بھی نشاندہی کردی گئی ہے۔اور غلط رسموں کے ترک کرنے میں خصوصاً ان کو جو غیر مشروع ہیں انسان کے لیے بہتری اور فلاح ہے" (تبصرۃ الھموم صفحہ ۱۹)

حق کو حق اور باطل کو باطل کہہ کر حق کی تائید مزید کرنے کا قلبی شکریہ ادا کیا جارہا ہے جزاکم اللہ خیر الجزاء عن الحق واھلہ۔دعا ہے کہ خداوند عالم دوسرے اہل قلم و زبان کو بھی ہر قسم کی مصلحتوں اور ذاتی مفادات سے بلند و بالا ہو کر برملا حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔بحق النبی والہ۔ورنہ اہل علم جانتے ہیں کہ جو شخص حق کو حق اور باطل کو باطل نہ کہہ سکے اس کی مذمت یہاں تک وارد ہے کہ وہ "شیطان اخرس" یعنی وہ گونگا شیطان ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

حقیقت الامر یہی ہے کہ قرآن وسنت کے یہی ارشادات علماء حق کو ان تلخ حقائق کے ظاہر کرنے اور لوگوں کی بکواسات سننے پر آمادہ کرتے ہیں۔ورنہ ہر عالم و جاہل اور نیک و بد ہر شخص اپنی عزتِ نفس چاہتا ہے۔تو علماء حق کو کسی باولے کتے نے کاٹا ہے کہ وہ ٹکے ٹکے کے لوگوں کی گالیاں سنیں اور تعریف و توصیف کی بجائے ان کی تنقید و تہدید کا ہدف بنیں؟

لکھتے رہے جنوں کا حکایاتِ خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

تبصرہ براصلاح الرسوم

اسی طرح تبصرہ براصلاح الرسوم کے مؤلف نے اپنے رسالہ میں اصلاح الرسوم کے تیسرے باب کو ہدف تنقید بنانے کے بعد (جس پر پہلے باب میں بقدر ضرورت جامع نقدو تبصرہ کر دیا گیا ہے (والحمدللہ) اپنے رسالہ کے صفحہ ۸۳) پر "اصلاح الرسوم آٹھ ابواب اور ایک تمہید پر مشتمل ہے پہلا اور دوسرا باب عقائد سے متعلق ہے اور دونوں ابواب میں بیان کردہ بیانات اور مطالب سے نظریاتی حوالے سے اختلاف کرنے کی گنجائش موجود ہے اور عالم بزرگوار کی ہر بات کو من وعن تسلیم کرنا درست نہ ہے" (تبصرہ براصلاح الرسوم صفحہ ۸۳)

اے کاش کہ مؤلف صاحب زحمت فرما کران اختلافی مطالب کی نشاندہی بھی کر دیتے اور ساتھ ہی صحیح شیعی عقائد و نظریات کی وضاحت بھی کر دیتے۔ مگر انہوں نے اپنی مخصوص مصلحتوں کے ماتحت، تحریک جعفریہ کے پلیٹ فارم سے جاری کردہ بیان کی طرح اسے مجمل رکھنا ہی مناسب سمجھا ہے اور لوگوں کے اصرار کے باوجود صحیح شیعہ عقائد کی نشاندہی نہیں کی۔ اس لیے ہم بھی کوئی تبصرہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اگر وہ کھل کر اظہار کرتے تو ہم بھی وضاحت کرتے کہ شیعیت اور جمن شاہیت میں فرق کیا ہے؟؟

بیفکن پردہ تا معلوم گردد۔ کہ یاران دیگرے رامی پرستند

پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں "تیسرا باب عبادات میں غلط رسوم اور بدعات کے بارے میں ہے اسی بات میں اذان کے اندر شہادت ثالثہ، مخصوص تعداد میں درود پڑھنا مخصوص اوقات میں مصافحہ کرنا۔ نماز کے بعد تین زیارتوں کا پڑھنا۔ خدا کا ذکر بالجبر کرنا اور مساجد کے حوالہ سے احکام بیان کیے گئے ہیں جن کے بارے میں ہم نے اپنے نظریات

واضح کردیے ہیں'' (صفحہ ۸۴)

جہاں تک اذان والی بحث کا تعلق ہے تو اس پر تبصرہ کا دندان و ہمت شکن جواب اس کتاب کے پہلے باب میں تفصیل سے دے دیا گیا ہے اور باقی جن بعض عبادات کا یہاں نام لیا گیا ہے تبصرہ نگار نے تفصیل سے یہاں بھی ان چیزوں کا اپنی کتاب میں تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ دو مقامات پر اجمالاً ان کا تذرہ کیا ہے مثلات صفحہ ۵۵ پر ''ایک وضاحت'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔ ''عالم بزرگوار نے ہر اچھے عمل کو بدعت'' لکھ کر یہ کہہ دیا ہے کہ اگر ورود کی نیت سے نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ جناب دلوں کے رازوں کو تو سوائے خداوند کے کوئی نہیں جانتا۔ امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر اپنے مومن بھائی کو کسی غلط حالت میں دیکھو...... تو اپنے مومن کے عمل کو صحیح بنانے کے لیے ستر تاویلیں کرو'' (تبصرہ صفحہ ۵۵، ۵۶) نیز صفحہ ۸۱ پر بزیر عنوان ''تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ درود شریف پڑھنا'' لکھتے ہیں ''ہر نماز کے تشہد کے بعد محمدؐ و آل محمد علیہم السلام پر صلوات پڑھنا بھی واجب ہے اس پر تقریباً سنی شیعہ فقہاء و مجتہدین کا اتفاق ہے۔ جس طرح ہر نماز کے اختتام کے بعد تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ درود شریف پڑھ لے تو اس سے آیت میں دیئے گئے حکم کی اطاعت ہوتی ہے یہ کسی قسم کی بدعت نہیں ہے (تبصرہ صفحہ ۸۱)

اس کے متعلق پہلی گزارش تو یہ ہے کہ تبصرہ نگار کا بار بار یہ لکھنا کہ ''عالم بزرگوار نے ہر اچھے عمل کو بدعت لکھ کر یہ کہہ دیا کہ اگر ورود کے قصد سے نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہ ہے'' (تبصرہ صفحہ ۵۵) یہ سراسر دروغ بے فروغ ہے سرکار علامہ نے ان اعمال میں سے کسی بھی عمل کو ''بدعت'' نہیں کہا۔ تبصرہ نگار نے خود یہاں حضرت امیر علیہ السلام کے قول پر کیوں عمل نہ کیا اور اپنے مومن بھائی کے عمل کی ستر تاویلیں کیوں نہ کیں۔ بلکہ ان کو بھی بعض دوسرے

مؤلفین کی طرح ساون کے اندھے کی طرح (جسے ہر شئی سبز نظر آتی ہے) اصلاح الرسوم کی ہر بات بدعت نظر آتی ہے۔ یہ ان کی غلط بیانی ہے کہ عالم بزرگوار نے نماز کے بعد مخصوص تعداد میں درود پڑھنے کے بارے میں (اس کی عمومی فضیلت یہاں بیان کرنے کے بعد) زیادہ سے زیادہ یہ لکھا ہے کہ "اگر یہ رسم وریت بنالی جائے کہ نماز کا سلام پھیرتے ہی باآواز بلند پانچ یا دس مرتبہ درود پڑھا جائے تو یہ مقام وعدد کی تعیین ممنوع ہو جائے گی" (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۱۷) اور مخصوص اوقات میں مصافحہ کا التزام کے بارے میں (اس کی عمومی فضیلت بیان کرنے کے بعد) زیادہ سے زیادہ صرف یہ لکھا ہے کہ "مگر یہ التزام کہ نماز با جماعت کا سلام پھیرتے ہی مصافحہ کرنا اور پھر نماز کے اختتام پر بھی مصافحہ کرنا اور اس مقام کے لیے مخصوص شرعی حکم سمجھ کر کرنا کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہے (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۱۷)

اسی طرح نماز کے بعد صرف مخصوص تین زیارتیں پڑھنا" کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ "یہ ایک رسم تو ہے مگر سیرت آئمہ طاہرین واسوۂ فقہاء کاملین میں اس کا کوئی عملی ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ التزام صحیح نہیں ہے" (صفحہ ۱۱۸ اصلاح الرسوم)

یہاں لفظ بدعت کہاں ہے؟ کیا ایسی بات کی نسبت صاحب اصلاح الرسوم سے دینا جیسا کہ عام مؤلفین نے بالعموم اور ایضاح الموہوم کے جاہل مرکب مؤلف نے بالخصوص بار باران کی طرف یہ نسبت دی ہے۔ بہتان کے زمرہ میں نہیں آتا؟ وانما یفتری الکذب الذین لایؤمنون۔

اور دوسری گزارش یہ ہے کہ صاحب اصلاح الرسوم نے جو علمی وفنی حقائق بیان فرمائے ہیں وہ اسلامی سپرٹ (Spirtirit) اور فقہی قواعد وضوابط کے عین مطابق ہیں مگر ان کو سمجھنے کے لیے اسلامی علوم میں کامل دسترس کی ضرورت ہے۔ جو بدقسمتی سے ان جوابی کتابوں کے

مؤلفین کو حاصل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ جزائری لا الہ الا اللہ کے ورد کی خوبی بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس کے لیے از خود خاص وقت مقرر کر کے اور خاص تعداد مقرر کر کے پڑھے تو یہ ناجائز ہو جائے گا (انوارِ نعمانیہ) ایسا ہی شرح لمعہ کے فارسی مترجم و شارح نے اذان والی بحث میں بیان کیا ہے۔ بہر حال اہل علم جانتے ہیں کہ لا لہ للعام علی الخاص باحدی الد لالات اللثلث ۔لہٰذا سرکار علامہ صاحب کا مطلب صرف یہ ہے کہ درود شریف کی خود مقررہ تعداد کو کعبہ کا طواف نہ بنائیں کہ جس میں کمی و بیشی نہ کی جاسکے اور نہ ہی تین زیارتوں کو ایسا خصوصی حکم قرار نہ دیں کہ جسے بدلا نہ جاسکے بلکہ کبھی تین پڑھ لیں اور کبھی ایک آدھ کی کمی بیشی۔ یہی حال نماز کے بعد مصافحہ کا ہے......تا کہ یہ التزام ختم ہو جائے۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں ''چوتھا باب عزاداری سید الشہداء کے بارے ہے۔ عزاداری ہماری شہ رگِ حیات ہے۔ عزاداری کو منانے کے لیے وہ طریقہ اپنانا جائز اور موجب اجر و ثواب ہے جس سے مذہب اہلبیت کی ترویج و تبلیغ ہوتی ہو۔ اس عظیم عبادت کو منانے میں جو خامیاں یا کوتاہیاں عزاداروں سے سرزد ہوتی ہیں ان کو دور کرنا چاہیے لیکن ہم عالم بزرگوار کی اس روش سے اتفاق نہیں کرتے کہ جلوسوں کو محدود کر دیا جائے یا مجالس پڑھنے والوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ پیار و محبت کی فضا میں ذاکرین و خطباء کو سمجھانے کی ضرورت ہے جو غلطیاں اور خامیاں ذاکرین اور خطباء میں ہیں۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں اور خود ذاکرین و خطباء جانتے ہیں کہ ان کی بدعملی انہیں لوگوں میں بھی رسوا کرتی ہے اور امام زمانہؑ بھی ان پر خوش نہ ہیں'' (تبصرہ صفحہ ۸۴)

اسے کہتے ہیں۔

جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے   کیا لازم ہے کہ غیر پردہ کھولے

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ”عزاداری سید الشہداؑ اگر صحیح طریقہ سے منائی جائے تو یہ بہترین عبادت ہے۔ مذہ قومی وملی حیات کے لیے بمنزلہ شہ رگ حیات بھی ہے“ (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۳۰) اور یہ بھی درست ہے کہ عزاداری منانے کے لیے ہر وہ عقلائی طریقہ کار جو دین وملت کے لیے وھن وکمزوری اور ملت کے لیے جگ ہنسائی کا باعث نہ ہو وہ جائز ہے۔ بات تو صرف اس بارے میں تھی کہ عزاداری سے اگر مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہورہے تو ماننا پڑتا ہے کہ عزاداری منانے کے طریقہ کار میں اور ذاکرین اور مقررین میں کچھ خامیاں اور کوتاہیاں ہیں جن کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے۔ جس کا تبصرہ نگار نے بھی خود اقرار کرلیا ہے اب رہی اس بات کی تشخیص وتعیین۔ کہ اس طریقہ کار میں کیا خلل اور کیا نقص ہے۔ جس سے عزاداری غیر موثر ہورہی ہے اور ذاکرین وخطباء میں کیا خامیاں اور کوتاہیاں ہیں کہ جن کی وجہ سے ان کی رسوائی بھی ہورہی ہے اور امام زمانہ بھی ان سے ناخوش ہیں“ اور پھر ان کی اصلاح احوال کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے؟ تو اگر علامہ صاحب کی تشخیص وتجویز تبصرہ نگار کی نظر میں درست نہیں ہے۔ تو پھر وہ خود یہ فریضہ ادا کردیں ہمیں تو اصلاح احوال سے غرض ہے۔ طریقہ کار سے بحث نہیں ہے کیونکہ۔

غواص کو موتی کی طلب ہے نہ صدف کی

بہر نوع ذرا آگے چل کر تبصرہ نگار لکھتے ہیں۔ ”پانچواں باب شادی اور بیاہ کے بارے میں بدعات سے متعلق ہے تو اس میں ایک کلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ جن امور کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے ان کا بجالانا درست نہیں ہے۔ باقی رہے علاقائی رسم ورواج تو ان امور کو بجالانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس باب میں بھی عالم بزرگوار نے بعض امور کو حرام و

ناجائز بیان کرنے میں تندروی سے کام لیا ہے'' (تبصرہ صفحہ ۸۵)

کاش کہ تبصرہ نگاران امور کی نشاندہی کردیتے جن کے حرام اور ناجائز قرار دینے میں عالم بزرگوار نے تندروی کی ہے۔ خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے کا حق جب خدا نے اپنے خاتم الانبیاءؐ کو بھی نہیں دیا تو دوسرا کون ایسا کرسکتا ہے؟؟ الله اذن لكم ام على الله تفترون؟

اور علامہ صاحب کے جن بعض جملوں کے بارے میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ ان سے اہانتِ رسولؐ کریم کا پہلو نکلتا ہے'' یہ موصوف کی خوش فہمی ہے یا پھر اردو ادب کے ضرب الامثال سے عدم واقفیت کی دلیل ہے۔ ورنہ علامہ صاحب کے بارے میں اہانت رسولؐ کا تو العیاذ باللہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

باقی رہی علاقائی رسم و رواج کی بات جن کے متعلق تبصرہ نگار نے بڑی فراخ دلی اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کیا ہے اور بعض ان امور کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ جن کا جواز محل کلام ہے۔ بہر حال ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جن رسم و رواج پر عمومی یا خصوصی حرمت کا کوئی عنوان صادق نہ آئے اور وہ کسی بھی عمومی یا خصوصی حیثیت حرام کے زمرہ میں نہ آئے اسے جائز ہی تصور کیا جائے گا اور حضرت علامہ نے اسی اصول کو مدنظر رکھ کر اصلاح رسوم کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ کمالایخفیٰ

ذرا آگے چل کر تبصرہ نگار لکھتے ہیں۔ ''چھٹا باب ولادتِ اولاد سے متعلق ہے اس باب میں بھی صحیح اور نادرست مطالب میں خلط ملط کردیا ہے'' (تبصرہ صفحہ ۸۵)

یہاں بھی وہی اجمال واہمال ہے کہ صحیح اور غلط کو خلط ملط کردیا گیا ہے۔ اے کاش کہ موصوف کسی غلط بات کی نشاندہی کردیتے تاکہ اس پر غور کیا جاسکتا۔ صرف ایسا کہہ دینے

سے تو کوئی صحیح بات غلط بات سے الگ نہیں ہو سکتی۔ جب تک موازین شریعت کے مطابق اس کا غلط ہونا ثابت نہ کیا جائے۔ قل ھا توا برھانکم ان کنتم صادقین۔

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ''ساتواں باب موت سے متعلق ہے'' اس باب میں بہت ساری باتیں ایسی درج ہیں جن کو عالم بزرگوار نے منع کیا ہے جبکہ فقہا اور مجتہدین نے ان کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جیسے میت کو قبر میں امانت کے طور پر رکھنا، نجف و کربلا میں میت کو لے جا کر دفن کرنا۔ ضریحوں کے گرد طواف کرانا وغیرہ بہر حال ہر شخص اپنے موجودہ مرجع تقلید سے رجوع کر سکتا ہے۔ (التبصرہ صفحہ ۸۶)

سرکار علامہ صاحب نے بھی ان امور کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ ان امور کے جواز وعدم جواز میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے اس لیے انہوں نے اتفاق کا دعویٰ نہیں کیا ہاں البتہ اپنی تحقیق کا ماحصل بیان کیا ہے اور پھر اختلافی امور میں کئی بار لوگوں کو اپنے مرجع تقلید کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ بعد ازاں کسی بحث کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

البتہ تبصرہ نگار کا یہ کہنا غلط ہے کہ ''فقہاء و مجتہدین نے ان کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ان امور کا جواز اتفاقی ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ خود انہی جوابی کتابوں میں جو بعض اعلام کے فتاویٰ درج ہیں ان میں سے بعض اعلام نے امانتی دفن کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ جناب آقائی علوی مدظلہ سے پوچھا جاتا ہے'' کیا کسی کو بطور امانت دفن کرنا جائز ہے؟ آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں'' احتیاط یہ ہے کہ بطور امانت دفن نہ کریں (انتصار المظلوم صفحہ ۲۳۳)

نیز یہی سوال جناب آقائی حافظ بشیر حسین صاحب نجفی سے پوچھا جاتا ہے کہ آیا عارضی طور پر دفن کرنا جائز ہے'' تو جناب موصوف جواب دیتے ہیں۔ ''یہ جائز نہیں ہے بلکہ

دفن واجب ہے اور میت کو امانت کے طور پر رکھنا جائز نہیں'' (انتصار صفحہ ۲۴۹)

''ضرائح مقدسہ کا طواف کرانے کے بارے آقائی گلپایگانی سے دریافت کیا جاتا ہے۔ تو آپ جواب میں فرماتے ہیں'' اگر بقصد ورود نہ ہو تو جائز ہے (ایضا صفحہ ۲۳۰)

اور پھر ذرا آگے چل کر رقمطراز ہیں۔'' آٹھواں اور آخری باب مختلف موضوعات کے بارے میں ہے اس باب میں جو کچھ عرفاء کے بارے میں کہا گیا ہے اس سے ہمیں شدید اختلاف ہے شیعہ علماء میں عرفاء گزرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں اور ان کی اسلام پھیلانے میں بڑی خدمات ہیں'' (تبصرہ صفحہ ۸۶)

جو کچھ ہم سمجھ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ تصوف کا بدلا ہوا دوسرا نام عرفان ہے اور چونکہ تصوف اسلام میں بالعموم اور مذہب شیعہ میں (جو اسلام کی حقیقی تفسیر کا دوسرا نام ہے) بالخصوص باطل ہے اور یہ ایک اجنبی پودا ہے۔ اور اس پر تمام علماء شیعہ کا اتفاق ہے اس لیے علامہ صاحب نے عرفان بافی کو خلاف اسلام لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے وہ دلیل و برہان کے ساتھ لکھا ہے ہاں البتہ اگر عرفان سے مراد عقائد (اور وظائف دینیہ پر عمل کرنا ہے تو پھر یہ جائز ہوگا) جیسا کہ آقا جواد تبریزی مدظلہ، سے یہی سوال کیا جاتا ہے تو موصوف جواب میں لکھتے ہیں'' صوفیت اسلام میں نہیں ہے اور صحیح عرفان صوفیت نہیں ہے۔ حقیقی عارف وہ ہے کہ جو اپنے شرعی فرائض پورے کرے'' (انتصار صفحہ ۲۲) پھر ایک اور ایسے ہی سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں۔'' عرفان اگر عقائد اور وظائف دینی پر عمل کرنا ہے تو صحیح ہے لیکن تصوف ایک امر باطل اور نادرست ہے (انتصار صفحہ ۲۲۷) تبصرہ نگار نے عرفاء کے اسلامی خدمات کا تذکرہ بالکل اسی انداز میں کیا ہے جس طرح صوفیوں کے پیروکار صوفیاء کے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ انہوں نے اس طرح اسلام پھیلایا اور کفر کو مشرف باسلام

فرمایا۔ بھلا ۔

آنکہ خویشتن گم است کرا راہبری کند؟

یہاں بعض نو آموز مؤلفین نے عرفان وتصوف کی تعریف اور ان کے اقسام کا مختصر بیان کر کے بین السطور یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ گویا سرکار علامہ نجفی صاحب ان مباحث کو نہیں سمجھتے کیونکہ اس کے لیے فلسفہ اور اصول فقہ کی اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف بھی کچھ دوسرے مورکھ لوگوں کی طرح حضرت علامہ صاحب کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہے ان کے اضافہ معلومات کی خاطر صرف اتنا عرض ہے کہ علامہ صاحب نے ہدایت الحکمہ میبذی اور شمسِ بازغہ تک تو فلسفہ پاکستان میں پڑھا تھا۔ اور جہاں تک اصول فقہ کا تعلق ہے تو انہوں نے اس کا پورہ دورہ خارج کچھ آقائے مرزا باقر زنجانی اور زیادہ تر آقائی سید جواد تبریزی سے پڑھا تھا مزید برآں عرض ہے کہ عرفاء اسلام کا عرفان اگر خدا کے قرآن اور چہاردہ معصومین کے فرمان سے ماخوذ ہے تو سوال یہ ہے کہ جو شخص اللہ کا قرآن اور چودہ کا فرمان سمجھ سکتا ہے وہ ان عرفاء کا کلام کیوں نہیں سمجھ سکتا؟؟

ایضاح الموہوم

(۳) اب آیئے ذرا ایضاح الموہوم کی وضاحتوں سے اپنے دامن مراد کو پر کریں یہ ایک مشہور اور مسلم حقیقت ہے کہ کسی بھی کتاب کو جس طرح اس کا مصنف دوسروں کو سمجھا سکتا ہے ایسا کوئی بھی دوسرا شخص نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ سمجھا سکتا ہے اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ

"تصنیف را مصنف نیکو کند بیان"

مگر ایضاح الموہوم کے مرتب و مؤلف وہ واحد شخص ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ اصلاح

الرسوم کی عبارات سے جو میں سمجھا ہوں بعینہٖ مصنف کتاب کا یہی مقصود و مطلوب ہے۔ اب گر ان کا کوئی معتقد ان کی طرف سے صفائی پیش کرے کہ علامہ ڈھکو صاحب کا یہ مدعا نہیں یا یہ ہے کہ کتاب کی عبارت کوئی نہیں سمجھ سکا تو یہ غلط ہوگا (ایضاح صفحہ ۳۴،۳۵ طبع دوم) بلکہ صاف صاف کہہ دیں کہ اگر مصنف اصلاح الرسوم بھی یہ کہہ دیں کہ اس عبارت سے میرا وہ مقصود نہیں جو صاحب ایضاح الموہوم نے سمجھا ہے۔ تو مصنف کا بیان غلط ہوگا اور صاحب ایضاح کا درست۔ واہ رے جہالتِ مرکبہ۔ تیزاخانہ خراب۔ کہ تو آدمی کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔

اتنی نہ بڑھا پاکئی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

مصنف اصلاح الرسوم نے کسی امر کو ممنوع، کسی کو مکروہ اور کسی کو خلاف احتیاط کہا ہے۔ مگر مؤلف ایضاح الموہوم کو ہر چیز بدعت ہی نظر آتی ہے۔ جس طرح ساون کے اندھے کو ہر چیز سبز نظر آتی ہے۔ عقل و شعور کے اس اندھے کو ہر چیز بدعت ہی نظر آتی ہے۔ ان کی نظر میں جو چیزیں بدعات ہیں ان کی ایک جھلک دیکھیں۔ (اور دیدہ دلیری کی داد دیں کہ وہ کس ڈھٹائی سے اس کی نسبت صاحب اصلاح الرسوم کی طرف دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ چیزیں بدعت اور حرام ہیں)

''ڈھکو صاحب کے نزدیک پہلی بدعت اذان میں اشہد ان علیا ولی اللہ (صفحہ ۴۸) اس موضوع پر پہلے باب میں کما حقہ، تبصرہ کیا جا چکا ہے۔

دوسری بدعت۔ بعد از نماز درود پڑھنا۔ حالانکہ صاحب اصلاح الرسوم نے پہلے درود شریف پڑھنے کی فضیلت بیان کرنے کے بعد صرف یہ لکھا کہ نماز کے بعد اپنی طرف سے جج

کے طواف کی طرح اس طرح مخصوص عدد کا التزام نہ کیا جائے کہ اس میں کمی بیشی روا نہ ہو" کیونکہ خود محمد وآل محمد علیہم السلام نے یہ التزام نہیں کیا اور جہاں اور جس عمل میں ان کے نقش بانظر نہ آئیں وہ جائز نہیں ہوتا (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۱۶) اس مرنجاں مرنج مومنانہ عبارت کو مسخ کر کے اسے بدعت کے زمرہ میں لانا اور قارئین کو یہ تاثر دینا کہ فلاں صاحب درود شریف پڑھنے کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ خباثت اور شیطنت نہیں تو اور کیا ہے؟ جب آدمی شرم وحیا کا جامہ چاک کر دے تو پھر آزاد ہوتا ہے سچ ہے کہ ۔ بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن!

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ "تیسری بدعت مخصوص اوقات میں مصافحہ کرنا" حالانکہ مصنف اصلاح الرسوم نے مصافحہ کی عمومی فضیلت بیان کرنے اور یہ ثابت کرنے کہ بعد کہ مصافحہ ہمیشہ اور ہر وقت کیا جا سکتا ہے صرف یہ وضاحت کی تھی کہ "یہ التزام کہ نماز با جماعت کا سلام پھیرتے ہی مصافحہ کرنا اور پھر اس کے اختتام پر بھی مصافحہ کرنا اور اس مقام کے لیے خاص شرعی حکم سمجھ کر کرنا کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہے (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۱۷)

مصنف اصلاح الرسوم نے اسے صرف غیر مستحسن قرار دیا ہے اور مؤلف ایضاح اسے تیسری بدعت قرار دے رہے ہیں۔

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

مصنف اصلاح الرسوم نے چونکہ اس کے غیر مستحسن ہونے کی دلیل یہ پیش کی تھی کہ "سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی سیرت و کردار میں اس کا کوئی عملی ثبوت نہیں ملتا۔" (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۱۷) تو بجائے اس کے کہ سرکار علامہ ڈھکو صاحب کی یہ منقبت بیان کی جاتی کہ وہ سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے اس قدر متبع ہیں کہ ان کی سیرت سے ادھر ادھر ہونے کے

روادار نہیں ہیں بلکہ اسے الٹا رنگ دے رہے ہیں۔ اور پھر ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود جب پیغمبر اسلامؐ کی تیئس (۲۳) سالہ نبوی زندگی میں اس کا کوئی ثبوت نہ ملا اور نہ ہی آئمہ طاہرین کی کئی سو سالہ سیرت و کردار میں اس کا کوئی عملی نمونہ نہ مل سکا۔ تو بموجب ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، سفینۃ البحار سے ایک مرسل اور مقطوع السند حدیث معراج سے استفادہ کرتے ہوئے کہ "آنحضرتؐ نے بیت المقدس میں نماز باجماعت پڑھائی اور انبیاءؑ نے اقتداء میں نماز پڑھی نماز کے اختتام پر آنحضرتؐ حضرت ابراہیمؑ کی طرف بڑھے اور انہوں نے اٹھ کر حضورؐ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا (ایضاح صفحہ ۵۲) لطف بالائے لطف یہ ہے کہ اس خبر کے مطابق نماز تو آنحضرتؐ نے ایک لاکھ سے زائد انبیاءؑ کو پڑھائی مگر مصافحہ صرف ایک بزرگ سے کیا اور وہ بھی صرف شب معراج پھر اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی نماز کے بعد مصافحہ نہ کیا۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

چونکہ سرکار علامہ نے فضیلت مصافحہ میں وارد شدہ حدیثوں کے عموم و اطلاق کے پیش نظر یہ وضاحت کی تھی کہ "یہ سینہ گزٹ ہے کہ کسی معصوم کی شہادت کے موقع پر مصافحہ نہیں کرنا چاہیے (جیسا کہ عوام میں مشہور ہے) بلکہ ہر وقت کیا جا سکتا ہے (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۱۷) اس پر ایضاح الموہوم نے بڑی تگ و تاز کے بعد صاحب مفاتیح الجنان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "روز عاشورا، مراسم عید قائم کرنا، جیسے اہل و عیال پر توسعہ کرنا، نئے کپڑے پہننا، داڑھی مونچھ کٹوانا اور مصافحہ کرنا، بنی امیہ اور ان کے اتباع کے اعمال ہیں۔ مگر نقل را عقل باید۔ مراسم عید سمجھ کر یہ کام انجام دینا اور ہے اور سنت محمد و آل محمد علیہم السلام اور کار ثواب سمجھ کر اہل ایمان کا عند الملاقات یا نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور ہے (وانما الاعمال بالنیات)

کیا ایام عزا میں مسنون کاموں کا انجام دینا ممنوع ہے۔ مالکم کیف تحکمون؟

بعد ازاں آگے چل کر لکھتے ہیں چوتھی بدعت ''نماز کے بعد صرف تین مخصوص زیارتیں پڑھنا (ایضاح صفحہ ۵۸) حالانکہ سرکار علامہ نے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ دور و نزدیک سے سرکار معصومین علیہم السلام کی زیارت پڑھی جاسکتی ہے۔ صرف یہ لکھا ہے کہ؟؟ مگر کلام اس میں ہے کہ جو کچھ ہم ایک شرعی عبادت اور اسلامی حکم سمجھ کر بجالاتے ہیں یہ ایک رسم تو ہے مگر سیرت آئمہ طاہرینؑ واسوہ فقہاء کاملین میں اس کا کوئی عملی ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ التزام صحیح نہیں ہے (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۱۸) صرف یہ التزام صحیح نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ایک کبھی تین اور کبھی چودہ زیارتیں پڑھ لی جائیں۔ تو جائز ہیں اور کبھی ایک بھی نہ پڑھی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ بہر حال یہاں لفظ بدعت، حرام یا ناجائز کہاں لکھا ہے؟

مؤلف صفحہ ۲۲ پر بر بنائے حضرت امام رضا علیہ السلام سے پیغمبر اسلام پر نماز فریضہ کے بعد درود و سلام پڑھنے کے جواز میں یہی سوال کرتے ہیں اور امامؑ کے جواب سے رسمی تین زیارتیں پڑھنے کا استحباب تو ثابت نہیں ہوتا۔ اگر ہمت ہے تو نبی و امام کے عمل سے اس کا التزام ثابت کریں مخفی نہ رہے کہ انتصار المظلوم کے مؤلف نے گو نماز کے بعد مخصوص تعداد میں درود شریف پڑھنے نماز کے بعد مصافحہ کرنے اور نماز کے بعد زیارت پڑھنے کو صاحب ایضاح کی طرح بدعت لکھ کر سرکار علامہ کی طرف منسوب نہیں کیا۔ مگر ان کا جواز والتزام ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے جس کا جواب الجواب انہی جوابات سے واضح وعیاں ہے۔ فلا تغفل۔

آگے چل کر لکھتے ہیں ''پانچویں بدعت مسجد میں نعرہ (ایضاح صفحہ ۵۸)

موصوف خود پہلے اصلاح الرسوم کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں کہ ''مسجد میں مذہبی نعرہ

بازی کرنا مکروہات میں داخل ہے اور آدابِ مسجد کے خلاف ہے!!

(اصلاح الرسوم صفحہ ۱۲۲) اب شرارت ملاحظہ کیجیے کہ اس عبارت کی کس طرح تاویل کرتے ہیں لکھتے ہیں۔ ''گویا ان کے نزدیک مسجد میں نعرۂ تکبیر، نعرۂ رسالت اور نعرۂ حیدری لگانا بدعت اور مکروہ ہے'' گویا آدابِ مسجد کے نام پر مسجد میں ذکرِ خدا اور رسول و آئمہ معصومین علیہم السلام اور نعرہ کی مخالفت کی جا رہی ہے۔'' پھر استدلال ملاحظہ کیجیے ''اگر مسجد میں نام علیؑ بلند کرنا مکروہ ''بدعت'' ہے تو عالیجاہ مسجد تو نقل کعبہ ہے ہم تو مسجد میں نام علی بلند کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ...... نے جوف کعبہ میں علیؑ کو بھیجا تھا (ایضاح صفحہ ۵۶)

علامہ صاحب مسجد میں ہر قسم کی سیاسی و مذہبی نعرہ بازی کو آدابِ مسجد کے خلاف صرف مکروہ لکھتے ہیں اور مؤلفِ ایضاح مکروہ کے معنی بدعت کرتے ہیں اسی فہم و فراست پر ناز کرتے ہوئے صفحہ ۴۴ پر لکھا تھا کہ ''اصلاح الرسوم کی عبارات سے جو مطلب میں سمجھا ہوں بعینہ مصنف کتاب کا یہی مقصد و مطلب اور مدعا ہے۔ کیا مکروہ جو کہ حرام نہیں اور بدعت جو بالاتفاق حرام ہے۔ باہم متضاد ہیں یا مترادف؟ اگر مؤلف ایضاح کو ان کے باہمی تضادہ کا علم نہیں ہے تو ان جیسا جاہل مرکب کوئی نہیں ہے اور اگر علم ہے تو پھر ان جیسا کوئی فراڈی اور شرارتی نہیں ہے ع بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا؟

آقائی ناصر مکارم شیرازی سے دریافت کیا جاتا ہے کہ ''بدعت کی کئی اقسام ہیں یا ایک قسم ہے! آپ جواب میں فرماتے ہیں ''بدعت اصطلاح کی ایک قسم ہے اور وہ حرام ہے (انتصار صفحہ ۱۲۷)

ے میں اکثر سوچتا ہوں کس طرح ان کو سمجھاؤں
یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے نظم انجمن بگڑا

ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ الفتنة اشد من القتل

ع زبان بگڑی تو بگڑی تھی۔ خبر لیجیے دہن بگڑا

خلاصہ کلام اینکہ کہ بعد نماز زیارت ہو یا مصافحہ یا درود شریف ان چیزوں کے اصل جواز میں تو کوئی کلام نہیں ہے جو کچھ اشکال ہے وہ ان کی خصوصیات میں ہے۔ اور التزام میں ہے کہ جو شخص ایک کام بالالتزام کرتا ہے اور چند خصوصیات کے ساتھ کرتا ہے تو اس کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس عمل کو ان خصوصیات کے ساتھ حکم شرع سمجھ کر اور عبادت سمجھ کر انجام دیتا ہے جو کہ حقیقت حال کے برخلاف ہے۔

بعد ازں مؤلف ایضاح حضرت علامہ صاحب کی کتاب اصلاح الرسوم کے صفحہ ۱۴۷ پر یہ پڑھ کر کہ ”کسی چیز کا جواز محتاج دلیل نہیں ہوتا ہاں کسی چیز کی حرمت محتاج دلیل ہوتی ہے۔“ پھولے ہوئے کپڑوں میں نہیں سماتے اور یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ لو مولانا موصوف نے تمام مسائل کا جواب خود دے دیا۔ اور جن امور کو مولانا موصوف نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر حرام ثابت کیا ہے اب خود ان کا جواز ثابت کر دیا“ (ایضاح الموہوم صفحہ ۵۷)

اس بات پر خوش ہونا اور اسے اپنی تائید میں پیش کرنا مؤلف کی خوش فہمی ہے ورنہ اس عبارت کا ان کے مدعا سے کوئی ربط و تعلق ہی نہیں ہے جب ان پر اصل حقیقت کا انکشاف ہوگا تو وہ اپنی عقل وفہم کا ماتم کریں گے۔ اشیاء میں اصل حرمت ہے یا اباحت؟ اس مسئلہ میں حضرت علامہ صاحب تفصیل کے قائل ہیں۔ یعنی وہ عبادات شرعیہ اور ان کے حدود و قیود و اجزاء و شرائط میں اصل حرمت کے قائل ہیں کہ جب تک شارع اقدس کی طرف سے یہ چیزیں وارد نہ ہوں اپنی طرف سے کسی عبادت کی ایجاد کو یا کسی عبادت کے اجزاء و شرائط میں کمی کرنے یا ان میں ایزاد کو حرام جانتے ہیں کیونکہ عبادات توقیفی ہیں اور جہاں تک

دوسرے عام امور کا تعلق ہے تو ان میں وہ اصل اباحت کے قائل ہیں کہ جب تک شریعت کی طرف سے منع وارد نہ ہو وہ امور اپنی اصلی اباحت پر قائم رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ نے اذان وغیرہ عبادات میں اپنی طرف سے ہر قسم کی کمی وبیشی کی جہاں سخت مخالفت کی ہے وہاں وہ علم اور تعزیہ اور ذوالجناح وغیرہ کا جواز ثابت کرتے ہیں اسی اصل اباحت کو پیش کرتے ہیں اس باریک فرق کو جوابی کتابیں لکھنے والے اکثر حضرات نے نہیں سمجھا اور پھر اپنی ناسمجھی کی بنا پر سرکار علامہ پر تضاد بیانی کا غلط الزام عائد کیا ہے۔ متنبی نے سچ کہا تھا۔

ے وکم من عائب قولاً صحیحاً . وآفته من الفهم السقیم

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صحیح یا جس کو غلط کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ بات غلط نہیں ہوتی خود ان کا دماغ خراب ہوتا ہے امید ہے کہ اس وضاحت کے بعد ہر مؤلف زیر لب یہی کہے گا۔ کہ افسوس

ع میں الزام ان کو دیتا تھا۔ قصور اپنا نکل آیا

تھوڑا سا آگے چل کر صفحہ ۵۸ پر رقمطراز ہیں

”کتاب اصلاح الرسوم کا چوتھا باب عزاداری سید الشہدؑ میں بدعات“

چوتھے باب میں مولانا موصوف نے عزاداری سید الشہداء میں رائج شدہ غلط رسوم کی نشاندہی فرمائی ہے پہلے تو مولانا موصوف نے علماء کرام وذاکرین وواعظین ذوی الاحترام کے لیے ایسے لفظ استعمال فرمائے ہیں جو بہر حال مولانا کے قد کاٹھ سے بہت پست ہیں۔ مثلاً واعظین وذاکرین کے لیے مولانا موصوف نے جو لفظ بار بار استعمال فرمایا ہے وہ ہے ”تاجران خون حسینؑ“ ”العیاذ باللہ“ (ایضاح صفحہ ۱۵۸) اس کے بعد حضرت علامہ سے نجی قسم کا ایک سوال کیا ہے کہ ”مدرسہ محمدیہ چھوڑتے وقت مالی پوزیشن کیا تھی اور اب مالی کیفیت

کیا ہے؟ یہ جائیداد، کوٹھیاں اور کاریں ذکر امام حسین علیہ السلام کے معاوضہ میں ملی رقم سے نہیں بنی ہیں؟ اور پھر آخر میں ایک مرحوم مولانا کے عمل سے استدلال کیا ہے کہ وہ نذرانہ طے کرنے کو نہ صرف جائز جانتے تھے بلکہ ان کا معمول بھی یہی تھا اور وہ کسی طرح بھی مولانا ڈھکو صاحب سے کم نہ تھے (ایضاح صفحہ ۵۹)

اس سلسلہ میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ حضرت علامہ کی اصلاح الرسوم کے اس باب کے عنوان میں بدعات کا لفظ نہیں ہے بلکہ ''غلط رسوم'' کا لفظ مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ ہر غلط رسم بدعت نہیں ہوتی۔ مؤلف کو چونکہ بدعت کا ''فوبیا'' ہے اس لیے ان کو ہر جگہ بدعت ہی بدعت نظر آتی ہے دوسری گزارش یہ ہے کہ انہوں نے حضرت علامہ کا جو شکوہ کیا۔ کہ انہوں نے اپنے قد کاٹھ سے پست لفظ واعظین وذاکرین کے لیے استعمال کیا ہے یعنی ''تاجران خون حسینؑ'' (جب کہ وہ یہ لفظ ۱۹۶۴ سے جب کہ انہوں نے رسالہ اصلاح المجالس والمحافل لکھا تھا برابر استعمال کر رہے ہیں) اگر آپ کو یہ لفظ ثقیل نظر آتا ہے تو آپ کے واعظین وذاکرین ذوی الاحترام اس ''مکاوے چکاوے'' کی کثافت سے اپنے دامنوں کو صاف کیوں نہیں کر لیتے''

حضرت علامہ تو قرآن اور چودہ کے فرمان سے خون حسینؑ کی تجارت کو حرام ثابت کرتے ہیں (ملاحظہ ہو رسالہ اصلاح المجالس والمحافل) اور آپ جواب میں ایک مشہور عالم وواعظ کا عمل پیش کرتے ہیں کیا قرآن وسنت سے ثابت شدہ حقیقت کا یہی جواب ہے؟ کیا کسی عالم کا قول وفعل قرآن وسنت کا ناسخ ہو سکتا ہے؟ افسوس کا مقام ہے کہ بجائے اس کے کہ علماء کو قرآن وسنت پر پرکھا جاتا۔ الٹا قرآن وسنت کو علماء پر پرکھا جا رہا ہے؟

ے خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق !!

حضرت علامہ صاحب بڑے فخر سے اعتراف کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے اس درِ یتیم کو جو کچھ علم وفضل اور مال ومنال اور دینی و دنیوی جاہ وجلال عطا فرمایا ہے وہ سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے عموماً اور سرکار سید الشہداءؑ کے خصوصاً طفیل وصدقہ میں عطا کیا ہے اور انہی کے وسیلہ سے خالق اکبر نے یہ سب کچھ ان کو عنایت فرمایا ہے اور وہ بڑے ناز سے فرمایا کرتے ہیں کہ

ے از ولائے دود مانش زندہ ام

درجہاں مثل گہرتا بندہ ام

اس سلسلہ میں ان میں اور دوسرے لوگوں میں فرق صرف یہ ہے کہ وہ ذکر حسینؑ کا معاوضہ طے کرنے کو ناجائز جانتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ مجلس عزا قربۃً الی اللہ پڑھی پڑھائی جائے اور بعد میں اپنی خوشی سے بانی جو کچھ کم یا بیش خدمت کرے اسے تبرک سمجھ کر قبول کر لیا جائے اور اس کی سند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ "لا تشارط ثم اؤ خذما اعطیت" "مک مکاوانہ کرو پھر جو کچھ مل جائے اسے قبول کرلو" (تہذیب لاحکام" جب سے انہوں نے یہ لکھا ہے روز اول سے ان کا اپنا عمل بھی اسی پر ہے اور وہ بفضلہٖ تعالیٰ اپنے تمام کرم فرماؤں کو چیلنج کرتے ہیں کہ ان کے اندرون ملک یا بیرون ملک اس کی خلاف ورزی کا ایک واقعہ بھی ثابت کردیں تو وہ ان کو منہ مانگا انعام دینے کو تیار ہیں۔ اور یہی ان کے پاس اس کے جواز کا راستہ ہے انہوں نے آج تک کبھی اپنے ضمیر وایمان کا سودا نہیں کیا اور خدا نے ان کی اسی قلیل آمدنی میں وہ برکت دی ہے کہ دولتِ دین ودیانت

کے ساتھ ساتھ ان کے پاس دنیا کی ہر وہ چیز موجود ہے جو کسی بڑے سے بڑے تاجر خون حسینؑ کے پاس بھی نہیں ہے۔ والحمد للہ اور وہ دوسروں سے بھی یہی چاہتے ہیں۔

اور ان کی ہی خواہش ہے کہ تمام واعظین، مبلغین اور ذاکرین کرام اسی روشن ورفتار کا عملی مظاہرہ کریں تا کہ ان پر یہ جو الزام ہے کہ ع

خونِ اہلبیتؑ میں لقمے کو تر کرتا ہے تو

زائل ہو جائے۔ اور ان حضرات کا خلق وخالق کے نزدیک مقام بلند وبالا ہو جائے اور وہ اپنی روش ورفتار اور اخلاق واطوار کی اس طرح اصلاح کریں کہ ان کا عمل وکردار قوم کے لیے نمونہ بن جائے اور مزید برآں وہ محض لوگوں کو خوش کرنے کے لیے صحیح وسقیم بلکہ صریح غلط روایات فضائل ومصائب پڑھنے سے گریز کریں اور خداو مصطفیٰؐ اور آئمہ ھدیٰ کی خوشنودی کی خاطر صرف مستند اور باحوالہ واقعات بیان کرنے کی کوشش کریں تا کہ یہ ذواتِ مقدسہ بالخصوص امامِ زمان عجل اللہ فرجہ، الشریف ان سے خوش ہو جائیں اور بارگاہ رب العزت میں ان کی دینی اور دنیوی فوز وفلاح کے لیے دعا فرمائیں واللہ من وراء القصد وھو علیٰ کل شیٔ شھید

بعدازاں زیر عنوان جعلی مزارات (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۵۸، ۱۵۹) والی عبارت نقل کرنے کے بعد بڑے عیارانہ ومکارانہ انداز میں لکھتے ہیں (۱) ''مولانا ڈھکو صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ معصومین علیہم السلام کے نام پر قصر بنانا بدعت وحرام ہے'' (۲) معصومین علیہم السلام کے مزارات کی شبیہیں بنانا حرام ہے اور ان کی تعظیم شرک ہے اور ان کا قلع قمع کرنا واجب ہے'' (ایضاح الموہوم صفحہ ۶۰، ۶۱) اس مذہبی شاطر کے جواب میں صرف اس قدر عرض کرتا ہے کہ سرکار علامہ کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ حضرات

معصومین علیہم السلام کے نام پر قصر بنانا حرام ہیں یا ان کے مزارات کی شبیہیں بنانا حرام ہیں بلکہ ان کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے (جیسا کہ ان کی کتاب کے سلیم الطبع اور صحیح الدماغ قاری پر واضح ہے) کہ جہاں وہ ذوات مقدسہ دفن نہیں ہیں وہاں ان کا مستقل جعلی مدفن بنانا اور پھر اس جعلی مدفن و مزار پر اصلی مزار والے احکام جاری کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور یہ امر پیغمبرؐ اسلام کی اس وعید و تہدید کے ذیل میں بھی آتا ہے کہ "من زار قبراً بلا مقبور الخ...... جو ایسی قبر کی زیارت کرے جس میں کوئی دفن نہ ہو الخ (ماتین علامہ کنتوری ۵۹۵) اور اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آئندہ آنے والی نسلیں کہیں لاعلمی سے نقل کو اصل نہ سمجھ بیٹھیں اور اس طرح اصلی مزار کا تقدس پامال نہ ہو جائے ظاہر ہے کہ اس چیز کا وقتی طور پر کسی مزار مقدس کی شبیہ بنانے کے جواز سے کوئی تعلق نہیں ہے جسے خود سرکار علامہ نے اپنی کتاب اصلاح الرسوم کے صفحہ ۱۵۱ پر جائز قرار دیا ہے۔ الحمد للہ کہ موجودہ مراجع میں سے بعض حضرات نے بعینہ وہی کچھ لکھا ہے جو سرکار علامہ نے لکھا ہے چنانچہ سرکار آقائی الشیخ جواد تبریزی سے استفسار کیا جاتا ہے "کیا اپنے شہروں میں آئمہ معصومینؑ کی مزائح مقدسہ شبیہیں مستقل بنا کر ان کی زیارت کو آنا جائز ہے؟ سرکار ان کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ "یہ کام مستحب نہیں ہے (انتصار المظلوم صفحہ ۲۲۳، ۲۲۴ سوال و جواب نمبر ۴۰) ذرا آگے چل کر پھر یہی سوال دھرایا جاتا ہے "کیا ضرائح مقدسہ کی مستقل شبیہ کے طور پر شبیہیں بنانا جائز ہے" سرکار جواب میں رقمطراز ہیں "اگر یہ شبیہیں بنانے کا رمز یہ ہے کہ لوگوں کو یہ ضرائح مقدسہ یاد رہیں تو جائز ہیں لیکن ان شبیہوں پر احکام ضرائح مقدسہ و حرم جاری نہیں ہوں گے" (انتصار صفحہ ۲۲۵ سوال و جواب نمبر ۵۱)

نیز یہی سوال سرکار آقائی علوی مدظلہ سے کیا جاتا ہے "کیا ضرائح مقدسہ کی نقلیں بنانا

مستقل طور پر جائز ہے'' سرکار موصوف اس سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں'' ایسا کام نہ کریں کیونکہ ممکن ہے آئندہ نسلیں ان کو اصل سمجھ بیٹھیں'' (انتصار ۲۳۲ سوال و جواب نمبر ۳۱)

ع متفق گردید رائے بوعلی با رائے من!!

الحمد لله على وضوح الحق و الحقيقه . وما ذا بعد الحق الا الضلال

پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ''مولانا ڈھکو صاحب کے نزدیک ذوالجناح''

''ذوالجناح کے بارے میں مولانا موصوف صفحہ ۱۶۳ تا صفحہ ۱۶۶ تک رقمطراز ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ ذوالجناح کی وضع قطع اور ہیت کزائی مظلومانہ ہونی چاہیے۔ یعنی پھٹی پرانی چادر اس پر ڈالی جائے کٹی ہوئی زین اور باگ خستہ اور ٹوٹی پھوٹی ہونی چاہئیں تو اس ضمن میں جسارت کروں گا کہ

عالیجاہ۔ آپ بھی قیمتی عبا و قبا و لباس زیب تن نہ فرمائیں بلکہ چاہیے کہ آپ کی عبا و قبا پر پیوند لگے ہوں آپ کی قمیض کندھے سے پھٹی ہو الخ...... آپ نے ذوالجناح و علم مبارک پر سونے و چاندی کو ناجائز و حرام قرار دے دیا (ایضاح صفحہ ۶۳، ۶۲)

اس تحریر سراسر تفریر کے بارے میں پہلی بات قابل توجہ یہ ہے کہ حضرت علامہ نجفی مدظلہ، پر یہ سراسر بہتان ہے کہ انہوں نے ذوالجناح علم پر سونے و چاندی لگانے کو حرام قرار دے دیا ہے'' انہوں نے اصلاح الرسوم وغیرہ کسی بھی کتاب میں ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس انہوں نے یہ لکھا ہے اور قوم کو ایک مشورہ دیا ہے کہ'' جب ذوالجناح چونکہ امام مظلومؑ کے مظلوم راہوار کی شبیہ ہے تو لاکھوں روپے خرچ کر کے اسے سونے و چاندی کے زیورات پہنانے اور اسے قیمتی کپڑوں سے بنانے سنوارنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ جب اس سے تمثیلی شکل میں گریہ و بکا میں اضافہ کرنا مطلوب ہے اپنے مال و دولت کی

نمائش کرنا مقصود نہیں ہے تو اس کی وضع قطع اور ہیت کذائی ایسی مظلومانہ ہونی چاہیے کہ اسے دیکھ کر آدمی بے ساختہ رونے پر مجبور ہو جائے۔ بخلاف صورت بالا کے کہ اس سے اپنے تمول اور اپنی عقیدت کا ثبوت تو ضرور ملتا ہے مگر اس سے اس کے اثر میں خاصی کمی واقع ہو جاتی ہے" (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۶۵) قارئین کرام خدائے رحمٰن کو حاضر و ناظر جان کر مکرر سہ کر اس عبارت کو بنظر غائر و بنگاہ انصاف پڑھیں اور دیکھیں کہ آیا اس میں کہیں بھی صراحةً یا کنایةً ذوالجناح کو اچھے کپڑے پہنانے یا اسے سونے چاندی سے بنانے سنوارنے کو حرام قرار دیا گیا؟ بلکہ اسے اظہار عقیدت کا ثبوت قرار دیا گیا ہے ہاں البتہ صرف قوم کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ ذوالجناح کو دولہا میاں نہ بنایا جائے بلکہ اس کی وضع قطع اور ہیئت کذائی ایسی مظلومانہ بنانی چاہیے کہ جسے دیکھ کر آدمی بے ساختہ رونے دھونے پر مجبور ہو جائے اور گریہ و بکا میں اضافہ ہو جائے (جو کہ اس کے بنانے اور نکالنے کا اصلی مقصد ہے) کیا موصوف نے اسی فہم و فراست کی بنا پر دعویٰ کیا تھا کہ اصلاح الرسوم کی عبارات سے جو میں سمجھا ہوں بعینہٖ مصنف کتاب کا یہی مقصد و مطلب و مدعا ہے (ایضاح صفحہ ۳۵،۳۴) انا للہ و انا الیہ راجعون

دوسری بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ کیا حضرت علامہ کے اس مخلصانہ اور دانشمندانہ مشورہ کا یہ طفلانہ اور جاہلانہ جواب ہے کہ "مولانا صاحب قیمتی عبا و قبا و لباس زیب تن نہ فرمائیں بلکہ چاہیے کہ آپ کی عبا و قبا پر بھی پیوند لگے ہوں اور آپ کی قمیص کندھے سے پھٹی ہوئی ہو" (ایضاح صفحہ ۶۲) اس قیاس مع الفارق کا کیا جوڑ ہے؟ کیا حضرت علامہ صاحب ذوالجناح ہیں اور ان کو دیکھ کر رونا مقصود ہے۔ ایسی احمقانہ باتیں کتاب میں لکھتے ہوئے شرم تم کو مگر نہیں آتی؟ کہ لوگ تمہارے علم اور تمہاری عقل کا ماتم کریں گے۔ سچ

ہے۔ ے بے حیا باش وہر چہ خواہی کن

مخفی نہ رہے کہ انتصار المظلوم کے مؤلف نے بھی اس مقام پر ایسی ہی گل افشانی فرمائی ہے کہ ذوالجناح کی آرائش پر معترض مقدس لباس پہننے والوں کو اپنے لباس کی ایسی شکل بنانی چاہیے کہ جس کو دیکھ کر عوام رو پڑیں (انتصار صفحہ ۱۷۷) مؤلف یقین رکھیں کہ عوام اہل ایمان ان مقدس لباس والوں کو دیکھ کر روئیں یا نہ روئیں آپ کی یہ فاضلانہ تحریر دیکھ کر آپ کے علم وعقل پر ضرور روئیں گے بلکہ ماتم بھی کریں گے۔ نیز یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ کسی بھی نقل کا یہ کمال ہوتا ہے کہ وہ اصل کے مطابق ہو تو اصلاح الرسوم کی عبارت سے اخذ کر کے ایضاح الموہوم کے مؤلف نے ذوالجناح کا جو نقشہ پیش کیا ہے کہ پھٹی پرانی چادر اس پر ڈالی گئی ہو۔ زین اور باگ خستہ اور ٹوٹی ہوئی ہو۔ کیا شہادت امامؑ کے بعد جب ذوالجناح خیام حسینی میں پہنچا تھا اور اپنے سوار کی زبان حال سے شہادت کی خبر سنائی تھی تو کیا اس کی حالت وہیئت یہی نہیں تھی؟ اور اگر یہی تھی تو پھر اس کی نقل کیوں ایسی نہ ہو؟ بینوا توجروا۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا؟

نوٹ۔ اس مقام پر مؤلف ایضاح نے ذوالجناح اور ماتم داروں کے بارے میں اپنے استاد حضرت علامہ نجفی کی طرف غلط بیانی کی نسبت دینے کی جو احمقانہ جسارت کی ہے اگر ہمیں قوم کی ذلت ورسوائی اور اس کی جگ ہنسائی کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو ہم ناقابل رد قرائن وشواہد سے یہ باتیں ثابت کرتے کہ کس طرح اور کہاں کہاں بعض نادانوں سے یہ حرکتیں سرزد ہوئی ہیں اور قوم کے دانش مند طبقہ کے لیے رسوائی کا باعث بنی ہیں۔ کیونکہ۔

ے چوں از قومے یکے بے دانشی کرد

نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

ے مگر افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی۔ خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

بس ے

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

انتصار المظلوم

آیئے قارئین کرام ذرا لگے ہاتھوں کتاب انتصار المظلوم کے گلشن فضل وکمال کی بھی سیر وسیاحت کرتے چلیں اور اس میں جو عجائبات قدرت پنہاں ونہاں ہیں۔ ان کی ایک جھلک بھی دیکھتے چلیں۔ ان فی ذلک لایات لقوم یعقلون انتصار المظلوم کے نوخیز و نوآموز مؤلف کے جو جسم وعقل کے اعتبار سے بہت موٹے مگر علم وخرد کے لحاظ سے بہت چھوٹے ہیں نے اذان میں شہادت ثالثہ اور بعض عقائد کے بارے میں جو گوہر افشائی فرمائی تھی۔ بفضلہ تعالیٰ سابقہ ابواب میں ان کے بنے ہوئے جال کے بخیے ادھیڑ کر اس کی دھجیاں فضائے محیط میں بکھیری جا چکی ہیں اور یہ بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ بموجب من چہ سرایم وطنبورہ ام چہ سراید۔ یہ مؤلف کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ اور جن فقہاء ومراجع کے فتاویٰ حاصل کر کے شائع کئے ہیں وہ کیا فرمانا چاہتے ہیں؟ یعنی آپ تو سرکار علامہ محمد حسین النجفی مدظلہ، کی تردید کرنا چاہتے ہیں مگر جو فتاویٰ نقل کرتے ہیں ان سے غیر شعوری طور پر ان کی تائید مزید کر دیتے ہیں۔ یعنی اپنے کئے پر خود پانی پھیر دیتے ہیں۔ ولکن لایشعرون۔ دراصل باطل پرستوں حق کشوں اور باطل کشیوں کے لیے یہ قدرتی سزا ہے۔

کہ ان کے کلم و بیان میں تضاد ضرور ہوتا ہے اور قول و فعل میں اختلاف ضرور ہوتا ہے۔ یقولون مال یفعلون۔ ع سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے !!

اس کے بیسیوں شواہد اسی کتاب میں جا بجا بکھرے ہوئے نظر آئیں گے ان شاء اللہ۔ بہر حال مؤلف انتصار المظلوم نے نماز کے بعد مخصوص تعداد میں درود شریف پڑھنے، نماز کے بعد مصافحہ کرنے اور زیارت پڑھنے کو نشانہ تنقید بنانے (جن پر پہلے تبصرہ ہو چکا ہے) کے بعد اصلاح الرسوم کے صفحہ ۱۱۹ پر ایک مستحی بحث کہ "بالجہر ذکر خدا کرنا" جہاں آداب مسجد کے خلاف ہے وہاں سیرت نبیؐ و امامؑ کے بھی خلاف ہے" بلکہ یہ ذکر و دعا اخلاص و انکسار کے ساتھ اور آہستہ و چپکے سے ہونا چاہیے' اور پھر اس کے ثبوت میں جہاں قرآن مجید سے دو آیتیں پیش کی گئی ہیں کہ "ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة" اور "واذکر ربک فی نفسک تضرعاً و خفیة" ...... وہاں ایک واقعہ بخاری و مسلم کے حوالہ سے بھی نقل کیا گیا ہے اور پھر اصلاح الرسوم کے صفحہ ۱۲۲ پر مسجد میں آواز بلند کرنے کو آداب مسجد کے خلاف اور اس میں ہر قسم کی نعرہ بازی کو خواہ سیاسی ہو یا مذہبی۔ مکروہات میں داخل کیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ مستحب ہے کہ مساجد میں آواز بلند نہ کی جائے حتیٰ کہ اس میں قرآن کی تلاوت بھی آہستہ آواز سے کی جائے (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۲۲)

مگر انتصار المظلوم نے اس مرنجا مرنج قسم کی علمی بحث پر بھی جرح و قدح ضروری سمجھی ہے۔ اور کتاب کے صفحہ ۱۳۸ سے لے کر صفحہ ۱۴۴ تک پورے چھ سات صفحے اس بحث پر کالے کر دیئے ہیں۔ چنانچہ پہلے دونوں آیتوں پر ایسی الجھی ہوئی تقریر دلپذیر سپرد قلم کی گئی ہے جو ع

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

کی ...... کہ منہ بولتی تصویر ہے پھر بخاری و مسلم کے حوالہ پر اعتراض کیا ہے کہ ان کو اتنا بھی علم نہیں ہے کہ جب کتاب کا اصلی موضوع ہی اصلی اسلام اور رسمی اسلام ہے تو اس لیے جس طرح اس کی تنقید کی زد دونوں فرقوں پر پڑتی ہے تو اصلاح میں بھی دونوں فرقوں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

اور پھر انہوں نے پورے سولہ عدد آداب مسجد ذکر کیے ہیں مگر ان کو مسجد میں آہستہ بولنے والا ادب کہیں نظر نہیں آیا ع

اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

حالانکہ یہ وہ مشہور و مسلم ادب ہے جو معمولی فقہی کتابوں پر نگاہ رکھنے والوں پر بھی پوشیدہ نہیں ہے آیئے آپ کی تواضع طبع کے لیے چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔

1- العروۃ الوثقیٰ صفحہ ۲۱۳ طبع دار السلام بغداد

2- شرح لمعہ جناب شہید ثانی جلد اول صفحہ ۶۵ طبع تبلیغات اسلامی قم مقدسہ

3- جواہر الکلام جناب علامہ محمد حسن نجفی ج ۲ طبع النجف

4- حدائق ناضرہ علامہ شیخ یوسف بحرینی ج ۲۔ طبع النجف

مؤلف نے اپنے آئینہ میں دوسروں کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے سرکار علامہ پر غلط حوالہ جات دینے کا الزام دیا ہے کہ جس طرح وہ خود غلط حوالے دیتے ہیں شاید دوسرے بھی اسی طرح غلط حوالے دیتے ہیں چنانچہ موصوف ماتم کے سلسلہ میں لکھتے ہیں تاریخ طبری اور تاریخ کامل اور صواعق محرقہ جیسی متعصب کتاب کے گیارہویں باب کی فصل سوم میں صحابہ کرام اور جناب عائشہ کا وفات رسولؐ پر ماتم کرنا موجود ہے" (انتصار المظلوم صفحہ ۱۸۷)

حالانکہ صواعق محرقہ میں جناب عائشہ کا وفاتِ رسولؐ پر ماتم کرنا قطعاً مذکور نہیں ہے۔

پھر آخر میں یہ بات ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ مذہبی نعرہ بازی۔ دنیاوی نعرہ بازی میں آتی ہی نہیں بلکہ یہ ذکر خدا میں شامل ہے مگر اس کاوش کا فائدہ؟ جب ذکر خدا بھی بلند آواز سے کرنا آداب مسجد کے خلاف ہے تو پھر مذہبی نعرہ بازی کس طرح آداب مسجد کے خلاف نہ ہوگی؟ اور کس طرح مکروہات میں شامل نہ ہوگی۔ ع

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

لیجیے رفع الصوت فی المسجد ولو بتلاوۃ القرآن۔ شرح لمعہ جیسی مستند کتاب سے پیش کیا جاتا ہے چنانچہ لمعہ کی عبارت رفع الصوت کی شرح میں شہید ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں المتجاوز عن المعتاد و لو فی قرائۃ القرآن ج ۲ صفحہ ۶۵ طبع تبلیغات اسلامی قم مقدسہ اسی طرح فقہ جعفریہ کی مشہور و مستند کتاب حدائق ناضرہ؟ میں لکھا ہے۔ "المشہور بین الاصحاب کراھۃ رفع الصوت فی المسجد مطلقاً وان کان فی القرآن للاخبار المطلقه"

ذرا آگے چل کر زیر عنوان "مساجد کے دروازے بند رکھنا" لکھتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ جواد تبریزی فرماتے ہیں کہ اگر مسجد اور اموال مسجد کی حفاظت اسی پر موقوف ہو کہ دروازے بند کیے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے ورنہ دروازے بند کر دیے جائیں" استفتائی معظم ۲۹۴ (انتصار صفحہ ۱۴۵) جب ضرورت کے تحت حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔ لان الضرورات تبیح المحذورات تو صرف خلاف سنت فعل کس طرح مباح نہ ہوگا؟ وہ حکم بحالت اختیاری ہے اور یہ بحالت اضطراری ع

آنچہ کہ عیاں است چہ حاجتِ بیان است

ذرا آگے چل کر بزیر عنوان "مساجد میں محراب کی حقیقت" لکھتے ہیں مساجد میں

محراب دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) محراب داخلی (۲) محراب ظاہری۔ محراب داخلی کو بنی امیہ کی ایجاد قرار دے کر اسے ممنوع قرار دیتے ہیں نہ کہ ظاہری محراب کو جو بطور علامت بیرون مسجد ہوتا ہے اس کے بارے میں ہے کہ یہ ممنوع نہیں ہے۔

بعد ازاں جناب آقائی حافظ بشیر حسین صاحب اور جناب آقائی جواد تبریزی صاحب کے فتاویٰ سے تائید حاصل کی ہے۔ کہ ممنوع محراب سے مراد داخلی محراب ہے نہ کہ ظاہری (انتصار صفحہ ۴۵،۴۶)

اس بندہ خدا سے کوئی پوچھے کہ اس وضاحت کی ضرورت کیا ہے؟ جبکہ صاحب اصلاح الرسوم نے ممنوعہ محراب قرار ہی اسے دیا ہے۔ جس میں پیش نماز کھڑا ہو تو مقتدیوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے اور اسے ہی بنی امیہ کے عہد کی ایجاد قرار دیتے ہوئے عنوان ہی ''داخلی محراب بنانا'' قرار دیا ہے تو جسے سرکار علامہ ممنوع قرار دیتے ہیں اسے آپ بھی اور آپ کے مراجع بھی ممنوع قرار دیتے ہیں اور جسے آپ جائز بتا رہے ہیں اسے وہ بھی ناجائز نہیں کہتے تو ع

پھر یہ نزاع اے خدا کیا ہے؟

پھر ذرا آگے چل کر ''مساجد کے مینار بنانے کی حقیقت'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں ''اسی طرح مینار بھی کسی مصلحت کی وجہ سے بنائے جاتے ہیں اگر ان میناروں کو حکم شرعی سمجھ کر کوئی بنائے تو یہ عمل بدعت ہوگا لیکن اگر کوئی شخص ایک علامت مسجد یا کسی اور مصلحت کی وجہ سے مینار بنائے تو ممانعت نہیں۔ پھر لمبے مینار بنانے سب سے زیادہ مکروہ ہیں۔ حرام قطعاً نہیں ہیں۔ (انتصار صفحہ ۱۴۷)

اسے کہتے ہیں مخالفت برائے مخالفت۔ اس بندہ خدا سے کوئی پوچھے کہ جو لوگ زر کثیر

ضرف کر کے اور مسجد کا جزو لاینفک سمجھ کر منارے بناتے ہیں وہ اگر بہ خیال خویش حکم شرعی سمجھ کر نہیں بناتے تو اور کیا سمجھ کر بناتے ہیں؟ اور جب حکم شرعی سمجھ کر بنانے کو آپ بھی بدعت تسلیم کرتے ہیں اور یہی بات سرکار علامہ نجفی صاحب لوگوں کو سمجھانا چاہتے ہیں اور اسی بنا پر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے انہیں "محدثة مبتدعة" قرار دے دیا ہے تو پھر آئیں بائیں شائیں کر کے اور غلط تاویلوں کا جال بچھا کر آپ کون ہوتے ہیں انہیں جائز قرار دینے والے؟

ہوسکتا ہے تو اپنے آپ کو بدلنے کو وکشش کریں شرع شریف کو بدلنے کی کوشش نہ فرمائیں اور اپنے آپ کو تباہ ہونے سے بچائیں۔ ع

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن؟

اس کے بعد مؤلف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۸ پر یہ سرخی (Heading) قائم کر کے لکھتے ہیں "حج اور جہاد" صاحب اصلاح الرسوم نے صفحہ ۱۲۸ پر متعۃ الحج کا معنی یہ لکھا ہے حج افراد اور قران کو حج تمتع میں بدلنے کا طریقہ جبکہ ہماری تحقیق کے مطابق صاحب اصلاح الرسوم والا معنی نہ قرآن میں ہے اور نہ کسی تحقیقی کتاب میں اور نہ ہی برادران اہلسنت نے یہ معنی کیا ہے...... امام فخر الدین رازی نے اس بات کی تفصیل بیان کی ہے۔ متعۃ الحج سے مراد اعمال عمرۂ تمتع اور حج تمتع کی درمیانی مدت سے استمتاع حلال تھا جس کو عمر نے حرام کیا۔

ایک اور علامہ عبدالحسین سید شرف الدین الموسوی فرماتے ہیں کہ بین الاحرامین درمیانی مدت میں جو محرمات مباح ہو جاتے ہیں ان سے لذت اٹھانے کو حضرت عمر نے ناپسند کیا اور کہا انطلق و ذکورھا تقطر بہ۔ یہ کیسی حج ہے کہ صبح کو جاتے ہمارے مردوں سے غسلِ جنابت کے قطرے گر رہے ہوں الخ...... آیت اللہ سید محمد علی علوی اس بارے میں

فرماتے ہیں کہ عمرہ اور حج کے درمیان بعض استمتاعات جائز وحلال ہیں۔ جبکہ اہلسنت ان کو حرام سمجھتے ہیں استفالات معظم نمبر ۱۰۔ آیت اللہ جواد تبریزی فرماتے ہیں کہ اعمال عمرہ کرنے کے بعد جو محرمات حلال ہو جاتے ہیں اس کو ثانی نے حرام کیا۔ استفتاءات معظم نمبر ۵۱ اسی وجہ سے سینوں کے نزدیک اعمال عمرہ کے بعد اور احرام حج سے پہلے کی درمیانی مدت میں عورتوں سے استمتاع ناجائز ہے کیونکہ حضرت عمر نے منع کیا ہے اور شیعوں کے نزدیک جائز وحلال ہے کیونکہ رسولؐ پاک نے جائز اور حلال فرمایا ہے (اس کے بعد مؤلف نے اپنی خاندانی شرافت کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے یوں ہرزہ سرائی کی ہے)''صاحب اصلاح الرسوم نے صدر المحققین سے لے کر مجتہد العصر تک القاب کی فہرست لکھنے پر جتنا وقت صرف کیا ہے اگر متعۃ الحج کے معنی معلوم کرنے پر اتنا وقت ہی صرف کر لیتے تو شاید یہ غلطی نہ کرتے (انتصار صفحہ ۱۴۸ تا ۱۵۰)

یارب یہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات

دے اور دل ان کی جو نہ دے مجھ کو زباں اور

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ مسئلہ معرکۃ آرا ہے کہ وہ متعۃ الحج جسے حضرت عمر بن خطاب نے حرام قرار دیا تھا۔ اس سے مراد کیا ہے؟ (پہلے معنی) متعۃ الحج کے عوامی ذہنوں میں جو معنی راسخ ہیں (جس میں بعض خواص بھی مبتلا ہیں) وہ وہی معنی ہیں جن کا مؤلف انتصار نے تذکرہ کیا ہے کہ اس سے مراد وہ استمتاع ہے جو عمرہ تمتع اور حج تمتع کے درمیان ہوتا ہے۔ اسے عمر نے حرام قرار دیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ان لوگوں کے نزدیک حضرت عمر نے متعۃ الحج کو حرام قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ موصوف نے حج تمتع کو حرام قرار دیا (جیسا کہ شیخ جواد مغنیہ نے بھی اپنی کتاب الفقہ علی المذاہب خمسہ میں لکھا ہے کہ ''ان عمر

بن الخطاب نهى عن حج التمتع ''(الفقہ علی المذاہب الخمسہ صفحہ ۲۰۵)(دوسرے معنی) مگر صاحب تشئیر المطاعن جناب علامہ سید محمد قلی خان لکھنوی نے اس کے جو معنی متعین کیے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس سے مراد اشہر حج میں عمرہ تمتع کرنا ہے۔ چنانچہ جناب موصوف اپنی اس کتاب میں لکھتے ہیں۔ ''عمر بن الخطاب از متعہ در اشہر حج نہی نمودہ، نہی عمر از تمتع یعنی عمرہ کردن در اشہر حج...... و داد از متعہ کہ عمر نہی از اں کردہ متعۃ الحج یعنی عمر در اشہر حج بود''

اس سلسلہ میں موصوف ترمذی شریف کی ایک روایت لکھ کر فرماتے ہیں ''این روایت ہم دلیل صریح است بر آنکہ عمر بن الخطاب از تمتع یعنی عمرہ در اشہر حج نہی نمودہ فراجع۔

(تیسرے معنی) وہ ہیں جن کی طرف اجمالاً صاحب اصلاح الرسوم نے اشارہ کیا ہے جسے محقق اور بالغ النظر علماء اعلام نے اختیار کیے ہیں جیسے شہید ثانی اور صاحب عمدۃ البیان وغیرہ اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ حج کے تین اقسام ہیں (۱) حج تمتع (یہ ان لوگوں کا فریضہ ہے جو مکہ سے حرم یعنی ۴۸ میل کے باہر رہتے ہیں (۲) حج قران (۳) حج افراد (یہ دونوں قسمیں ان لوگوں کا فریضہ ہیں جو مکہ میں یا اس سے باہر حرم یعنی ۴۸ میل کے اندر رہتے ہیں ان تمام اقسام میں سے جو قسم افضل ہے۔ وہ حج تمتع ہے۔ ان تینوں قسموں میں باہمی فرق یہ ہے کہ حج تمتع میں پہلے عمرہ تمتع ادا کیا جاتا ہے اور اس کے پنجگانہ اعمال کے بعد آدمی محل ہو جاتا ہے یعنی اس پر وہ سب چیزیں حلال ہو جاتی ہیں جو احرام کی وجہ سے حرام ہوئی تھیں۔ بعد ازاں ۸ یا ۹ ذی الحجہ کو حج تمتع کا احرام باندھا جاتا ہے مگر حج قران و افراد میں حج پہلے ادا کیا جاتا ہے اور عمرہ بعد میں اور پھر ان دونوں قسموں (قران اور افراد میں باہمی فرق یہ ہے۔ کہ قران میں حج و عمرہ کا اکٹھا احرام باندھا جاتا ہے۔ جو دونوں کی ادائیگی کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ مگر افراد میں پہلے صرف حج کا احرام باندھا جاتا ہے اور بعد ازاں عمرہ کا۔

مگر ان دونوں قسموں میں استمتاعات صرف حج وعمرہ سے مکمل فراغت کے بعد ہی جائز ہوتے ہیں۔اب حکمِ شریعت یہ ہے کہ چونکہ حج تمتع افضل ہے لہٰذا اس کا احرام باندھنے کے بعد کسی مفضول قسم (قرآن یا افراد) کی طرف عدول نہیں کیا جاسکتا ہے۔مگر مفضول کا احرام باندھ کر افضل کی طرف عدول کیا جاسکتا ہے۔(یعنی قرآن وافراد کو حج تمتع کے ساتھ تبدیل کیا جاسکتا ہے) تاکہ درمیان میں تمتعات جائز ہوجائیں۔

مگر عمر بن الخطاب نے اس تبدیلی کو ناجائز قرار دیا تھا اور یہ لازم قرار دے دیا تھا کہ آدمی جس قسم کی حج کا احرام باندھے وہ اسی پر قائم رہ کر اسے تمام کرے چنانچہ شرح لمعہ ج ا صفحہ ۲۱۷ کتاب الحج چھاپ قدیم پر لکھا ہے ''یجوز لمن حجّ ندباً مفرداً العدول الی عمرة التمتع اختیاراً وھذہ ھی المتعة التی انکرھا الثانی''

یعنی جو شخص ندباً حج افراد کررہا ہو۔اس کے لیے حالتِ اختیاری میں عمرہ تمتع کی طرف عدول کرنا جائز ہے اور یہی وہ متعۃ الحج ہے جس کا ثانی (عمر) نے انکار کیا تھا (اور اسے حرام قرار دے دیا تھا) اسی طرح صاحب تفسیر عمدۃ البیان......

رقمطراز ہیں......

شرح لمعہ وہ مستند فقہی کتاب ہے کہ جس کو نظر انداز کرکے کوئی شخص عالم وفقیہ نہیں بن سکتا اور جس کا امتحان پاس کئے بغیر کسی کو ایران کے حوزہ علمیہ میں نہ داخلہ ملتا ہے اور نہ اقامہ، نمعلوم انتصار المظلوم کے مؤلف کو (جس نے اس کتاب کو پڑھا ہی نہیں) وہاں داخلہ کس طرح مل گیا؟ اور اقامہ کس طرح حاصل ہوگیا؟ ضرور کوئی ہیرا پھیری کی ہوگی؟ بفضلہٖ تعالیٰ صاحب اصلاح الرسوم نے شرح لمعہ اس وقت پڑھی تھی جب مؤلف انتصار کی ہنوز ولادت ہی نہیں ہوئی تھی اور پڑھا اس وقت سے رہے ہیں جب مؤلف موصوف

دوسروں کی انگلی پکڑ کر چلتے تھے۔

کار ہر خر نیست خرمن کوفتن۔ گاوٗ نرمی خواہد و مرد کہن

آیئے اب بات واضح کریں کہ متعۃ الحج کے جو معنی مؤلف انتصار اور اس کے اساتذہ نے متعین کیے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ اس کا پہلا شاہد تو یہ ہے کہ اس معنی کی بنا پر اہل سنت کے نزدیک حج تمتع ختم ہو جانا چاہیے حالانکہ یہ بات عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے کہ ہر سال لاکھوں سنی مسلمان بالکل ہماری طرح حج تمتع بجالاتے ہیں (یعنی عمرہ تمتع اور حج تمتع کی درمیانی مدت میں ان کے ہاں تمام تمتعات حلال ہو جاتے ہیں)...... یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر نے ان کو اس عمرہ تمتع اور حج تمتع سے منع نہیں کیا تھا۔

دوسرا شاہد یہ ہے کہ ان کی فقہی کتابوں میں حج تمتع کے بعینہ وہی احکام درج ہیں جو ہماری فقہی کتابوں میں ہیں۔ چنانچہ ان کی علمی کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ صفحہ ۵۷۱ پر تینوں اقسام کی تفصیل موجود ہے" ان شاءاللہ اسی طرح اہلسنت کی کتاب الحج موسوم بہ "التحقیق والایضاح لکثیر من مسائل الحج و العمرة والزیارة" صفحہ ۴۲ پر اعمال عمرہ کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے۔ فاذا فعل المحرم ماذکر فقد تمت عمرتہ دحل لہ کل شی حرم علیہ بالاحرام" یعنی جب محرم عمرہ (تمتع) کے مذکورہ بالا اعمال بجالائے گا تو اس کے لیے ہر وہ چیز حلال ہو جائے گی جو احرام کی وجہ سے حرام ہوگئی تھی۔ (کذافی الفقہ علی المذاہب الاربعہ صفحہ ۵۷۸ وبعد ان یفرغ المتمتع من اعمال العمرة یتحلل فیھا ان شاء بالحلق او التقصیر ثم یظل حلالاً الی ان یحرم بالحج فی الیوم الثامن وھو یوم الترویہ الخ۔ یعنی حج تمتع کرنے والا شخص جب عمرہ تمتع کے اعمال سے فارغ ہو جائے تو وہ حلق یا تقصیر کے ساتھ محل ہو جائے گا پھر ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ تک (جب کہ حج تمتع کا احرام باندھے گا) اس پر ہر چیز حلال ہو جائے

گی (جو کہ احرام عمرہ کی وجہ سے حرام ہوئی تھی) اب اہل انصاف بتائیں کہ جو معنی سرکار علامہ مدظلہ نے بیان کئے ہیں کیا وہ معنی قرآن، کسی تحقیقی کتاب اور برادران اسلامی کے ہاں نہیں ہیں؟ یا ان معنوں کا کہیں نام ونشان نہیں ہے جو کہ انتصار کے علمی نابالغ مؤلف نے کئے ہیں؟؟ اور کس قدر لغو اور جھوٹ کا پوٹ ہے موصوف کا یہ بیان کہ "اس وجہ سے سنیوں کے نزدیک اعمال عمرہ کے بعد اور احرام حج سے پہلے درمیانی مدت میں عورتوں سے استمتاع ناجائز ہے۔ کہ حضرت عمر نے منع کیا ہے ع

پس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا؟

اصلاح الرسوم جیسی علمی واصلاحی کتاب کے مصنف کا ایک ناقابل معافی جرم یہ ہے کہ کہ ان کی جائے پیدائش اور اب ان کی رہائش پاکستان میں ہے اور دوسرا یہ کہ وہ کوئی شہر یہ تقسیم نہیں کرتے ورنہ اگر وہ پاکستانی نہ ہوتے بلکہ ایرانی یا عراقی ہوتے یا کسی حوزہ علمیہ (نجف اشرف یا قم مقدسہ) میں ہوتے اور خاص طور پر اگر وہ شہریہ بھی تقسیم کرتے تو انتصار المظلوم جیسی کتابوں کے مؤلف ان کو آیت اللہ العظمیٰ، آیت اللہ الکبریٰ، اعلم العلماء فی العالم اور نمعلوم کن کن القابات سے یاد کرتے ع

تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

؎ اے آنکہ محو سخن رانی ہائے پیشینی۔ مباش منکر غالب کہ در زمانۂ تست

بعد ازاں صاحب انتصار صفحہ ۱۵۰ پر "جہاد میں کونسی بدعت" کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں۔ "اس کے متعلق معلوم نہیں ہو سکا کہ جہاد میں بدعت جو بقول مصنف اصلاح الرسوم کے بدعتی لوگوں کی ایجاد ہے کیا ہے؟ اور مدعتی سے مراد کون لوگ ہیں" اور بعد ازاں بلا مقصد طول لاطائل سے کام لیتے ہوئے جہاد کے اقسام اور اس کے احکام بیان کئے ہیں۔

حالانکہ اصلاح الرسوم کی عبارت اور اس کے سیاق وسباق پر نگاہ کرنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد میں بدعت سے مراد یہی ہے کہ لوگوں نے جہاد و فساد کے معنوں کو گڈمڈ کر دیا ہے اور بدعتی لوگوں سے مراد وہی لوگ ہیں جن کی نظر میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو بھی شہید ہے اور ان کو تختہ دار پر لٹکانے والا اور زمین و آسمان کے درمیان ہوائی حادثہ میں ہلاک ہونے والا ضیاء الحق بھی شہید ہے اور یہی ہے۔ مطلب شہادت کے ٹکے سیر ہونے کا ع   کردم اشارتے و مکرّر نمی کنم

یہ فسادی کھینچ تان کر اس عبارت کو جدھر لے جانا چاہتے ہیں اس کا اس سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ کما لایخفیٰ علی العوام فضلاً من العلماء الاعلام او لفضلاء الکرام۔

اس کے بعد صاحب انتصار المظلوم نے "عزاداری" کے موضوع پر چند صفحوں میں قیام حسینؑ کی توصیف، حضرت امام حسینؑ کے اغراض و مقاصد اور ھدفِ حسینؑ وغیرہ پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ حالانکہ اس سے کئی گناہ زیادہ تبصرے خود صاحب اصلاح الرسوم اپنی کتابوں بالخصوص تجلیات صداقت، اصلاح المجالس والمحافل اور خود اصلاح الرسوم میں کر چکے ہیں اور سرکار خامس آل عبا علیہ افضل التحیۃ والثناء اس کے حقدار ہیں۔ کہ ان کے قیام کی عظمت ان کے مقصد کی جلالت و جزالت اور ان کے عظیم کارنامے کی رفعت و بلندی پر زیادہ سے زیادہ لکھا جائے اور ان کی بارگاہ معلیٰ میں اپنی عقیدت وارادت کا ارمغان پیش کیا جائے۔ مگر اس کے بعد انہوں نے جس پھسپھسے اور بھونڈے اور کھسیائے ہوئے انداز میں حضرت علامہ صاحب کی اس سلسلہ میں مصلحانہ اصلاحی کاوشوں اور کوششوں کا جواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے اسے دیکھ کر ایک بچہ مردہ عورت بھی ہنس پڑتی ہے۔ (۱) مثلاً حضرت

علامہ صاحب نے فرمایا تھا کہ ان ذوات مقدسہ کے مصائب پر اشک بار ہونا اصل مقصد نہیں بلکہ اصل مقصد تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۳۱) اس پر ایراد کرتے ہوئے لکھتے ہیں "احادیث میں ...... رونے کا ثواب بتایا گیا ہے کسی ایک روایت میں بھی رونے کو ذریعہ برائے مقصد نہیں کہا گیا" (انتصار صفحہ ۱۶۲) پھر خود ہی غیر شعوری طور پر اپنے کیے پر پانی پھیرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ "صاحب اصلاح الرسوم نے صفحہ ۱۴۳ پر ایک شعر ؎ افعال یزیدی مٹ جائیں مظلوم سے الفت پیدا ہو۔

لکھ کر تائید کر دی ہے کہ مجالس عزا کا مقصد ہی رونا ہے (انتصار صفحہ ۱۶۲) صاحب اصلاح الرسوم نے تو یہ شعر لکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ مجالس عزا اور گریہ و بکا کا مقصد ہی یزیدیت سے نفرت اور حسینیتؑ سے الفت پیدا کرنا ہے ع اس واسطے ان کے درد بھرے احوال سنائے جاتے ہیں۔

اور ہمارے مورکھ مؤلف یہ سمجھ رہے ہیں کہ ؎ افعال یزیدی مٹ جائیں مظلوم سے الفت پیدا ہو" سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ مجالس عزا کا مقصد صرف رونا ہے۔

؎ پڑیں پتھر ایسی سمجھ پر تم سمجھے تو کیا سمجھے

(۲) یا حضرت علامہ نے واقعی حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے اور قومی و ملی درد سے متاثر ہو کر لکھا تھا کہ "آج کل عزاداری حسینؑ پر جس قدر روپیہ پیسہ، نفس و نفیس خرچ ہو رہا ہے۔ اُس کا عشرِ عشیر بھی حاصل نہیں ہو رہا...... بلکہ سچ پوچھیے تو نفع کی بجائے الٹا دین و ملت کا نقصان و زیاں زیادہ ہو رہا ہے" (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۳۱)

اس پر موصوف ہارے ہوئے وکیل کی طرح بڑے کھسیانے انداز میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "عزاداری پر آئمہ نے خرچ کرنے کی کافی تاکید کی ہے۔"

پھر فائدہ سے اصلاح الرسوم کی دنیاوی فوائد مراد ہیں...... یا مراد دینی فائدہ ہے تو بہت کافی ہے کہ لوگ آہستہ آہستہ عمل کی طرف رواں دواں ہیں۔ عزاداری پر اخراجات سے قطعاً نقصان کا تصور ہی شریعت کو پسند نہیں۔ اگر عزاداری کے اخراجات سے نقصان ہو رہا ہوتا تو آج تمام قوم شیعہ کافر کافر کے نعروں کے سیلاب میں ڈوب گئی ہوتی لیکن عزاداری کی اہمیت ومحبت نے ہی انہیں محفوظ رکھا ہے...... (انتصار صفحہ ۱۶۴)

قوم شیعہ زندہ امام کے ماننے والی قوم ہے اپنے آغاز سے لے کر آج تک تاریخ اسلام کے تاریک ترین ادوار سے گزرنے کے باوجود زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گی انشاء اللہ اور اس کی زندگی کے بہت سے عوامل واسباب میں سے ایک سبب خدا کا فضل وکرم اور دوسرا امام زمانہؑ کی دعا ونظر عنایت بھی ہے بے شک عزاداری سید الشہداؑ کا بھی ہماری قومی زندگی اور ہمارے اجتماعی شان وشکوہ کے اظہار میں کافی حد تک عمل دخل ہے۔ مگر یہاں (جیسا کہ ظاہر ہے) صاحب اصلاح الرسوم کی مراد واضح ہے کہ

حسینیوںؑ کی زندگی عقیدہ و جہاد ہے

اور موجودہ عزاداری سے عمومی سطح پر نہ عقیدہ کو صحت نصیب ہو رہی ہے اور نہ ہی عمل کو پختگی۔ بلکہ جو لوگ منبر ومحراب پر چھائے ہوئے ہیں اور قوم کی گردنوں پر مسلط ہیں ان کی وجہ سے عقائد کے لحاظ سے قوم شرک کے اتھاہ گڑھوں میں گر رہی ہے بلکہ گر چکی ہے اور اعمال کے اعتبار سے فسق وفجور کا شکار ہو رہی ہے بلکہ ہو چکی ہے تو پھر ارباب بست وکشاد کو سوچنا پڑے گا کہ لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے خرچ کر کے کھویا کیا ہے اور پایا کیا ہے؟ لہٰذا عزاداری کو ختم کرنے کی نہیں بلکہ اس کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے اور صاحب اصلاح الرسوم نے چند مخلصانہ تجاویز پیش کی ہیں اور کچھ عاقلانہ مشورے دیے ہیں مگر مولوی

صاحبان سے شیعہ قوم کی اصلاح احوال کرنے کی توقع ہی نہیں ہے کیونکہ یہ ۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

یہ لوگ اصلاح کی بجائے فساد اور اخلاص ومحبت کی جگہ بغض وعناد پھیلانے پر تلے ہوئے ہیں ۔

مذہب کے علمبردار ہیں جو مصروف ہیں شر پھیلانے میں

انصاف کے دعویدار ہیں جو کرتے ہیں وہی انصاف کا خون

(۳) انتصار المظلوم کے مؤلف حضرت علامہ کی اس بات پر بھی بہت سیخ پا نظر آتے ہیں کہ "فقہاء کرام کا یہ فیصلہ ہے کہ منبر پر وہ شخص آسکتا ہے جو مصلیٰ پر جا کر نماز پڑھا سکتا ہے" (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۴۰) موصوف لکھتے ہیں "یہ فقہاء کی شان میں گستاخی ہے کیونکہ انہوں نے آج تک مجلس حسینؑ میں مصائب خوان کے لیے کبھی بھی پیش نماز کی شرائط متعین نہیں کیں" (انتصار صفحہ ۱۴۴)

اس کا مقصد تو یہ ہوا کہ فقہاء کی نظر میں منبر کا تقدس مصلیٰ کے برابر بھی نہیں ہے اور جو شخص یہ کہے تو وہ ان کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوا ہے "انا للہ وانا الیہ راجعون" اے کاش! کہ مؤلف انتصار نے آقائی محدثوری کی کتاب دُرّ ومرجان یا آقائی بیرجندی کی کتاب کبریت احمر کا مطالعہ کرنے کی زحمت فرمائی ہوتی۔ تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ ان علماء اعلام نے منبر پر جانے والوں کے جو شرائط وصفات متعین کئے ہیں وہ پیش نمازوں کے شرائط سے بھی زیادہ سخت ہیں اور ماضی قریب میں سرکار آقائی شریعتمدار کا اس قسم کا فتویٰ بھی قومی اخبارات ومجلات میں شائع ہو چکا ہے اور حال میں آقائی حافظ بشیر حسین صاحب

نجفی مدظلہ کا فتویٰ بھی آ چکا ہے کہ فاسق وفاجر آدمی منبر پر نہیں جا سکتا...... فراجع

۴۔ یا صاحب اصلاح الرسوم نے تعزیہ مبارک کا جواز ثابت کرنے کے بعد چند غلط رسوم کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا تھا۔ ''اس کے بنانے کا یہ مقصد تو نہیں کہ اس کی طرف مُنہ کر کے زیارت پڑھی جائے جو کہ بالاتفاق قبلہ یا صاحب قبر مقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی جاتی ہے'' (اور پھر بحار الانوار اور مجالس مفجعہ کا حوالہ بھی دیا تھا) یا اس پر منت منوتی کے چڑھاوے چڑھا کر غیر مسلموں سے اپنے آپ کو مشابہ بنایا جائے یا اس کے ساتھ عرضیاں باندھ کر یا اس سے طلب حاجات کر کے کھلم کھلا شرک کا ارتکاب کیا جائے یا اسے سجدہ کیا جائے (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۵۱) جس پر انتصار المظلوم کے مفتی صاحب بلا دلیل و بلا بینہ و برہان اپنے دارالافتاء سے فتویٰ جاری فرماتے ہیں کہ ''حضرات معصومینؑ کی زیارت قرب و بعد سے پڑھنا مستحب ہے (انتصار صفحہ ۱۶۷) ''ایسی منت اور چڑھاووں میں کوئی حرج نہیں ہے (انتصار صفحہ ۱۶۸) یہ قطعاً شرک نہیں ہے کیونکہ جہاں عرضیاں ڈالی یا باندھی جاتی ہیں ان چیزوں کو کبھی خدا یا رب نہیں سمجھا جاتا بلکہ ہمیشہ معصومینؑ کو واسطہ قرار دیا جاتا ہے الخ...... (صفحہ ۱۶۹) ''ہم عرض کرتے ہیں کہ کوئی شیعہ اثنا عشریہ غیر اللہ کو سجدہ نہیں کرتا کیونکہ سجدہ صرف خدا کے لیے مخصوص ہے۔ یہ سجدہ شکر ہے۔'' (انتصار صفحہ ۱۶۷) اس بندہ خدا سے کوئی پوچھے کہ قریب وبعید سے زیارت کا جواز اور ہے اور منہ کدھر کرنا چاہیے؟ یہ مسئلہ اور ہے ایک کا دوسرے پر قیاس مع الفارق ہونے کی وجہ سے باطل ہے (جبکہ ہمارے مذہب میں اصل قیاس ہی باطل ہے) اور پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے من تشبہ بقوم فھو منھم ۔ جو اپنے آپ کو کسی قوم کے مشابہ بنائے وہ اسی قوم سے شمار ہوتا ہے تو جب یہ چڑھاوا چڑھانا ہندوؤں کے مذہبی مراسم سے مشابہ ہے اور زمانہ جاہلیت کے

کفار و مشرکین بھی اپنے بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے تھے اور اسلام نے ان رسوم جاہلیت کی حوصلہ شکنی کر کے انہیں ختم کر دیا ہے۔ تو اس کے ارتکاب سے کوئی آدمی کس طرح اس مشابہت اور اس کے نقصان و زیان سے بچ سکے گا؟؟

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزاء ایمان بن گئیں

لہٰذا ع

جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

اور اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان چڑھاووں کی وجہ سے صاحب شبیہ کا تقرب حاصل کر لے گا تو ہم اس پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ان ذوات مقدسہ کا تقرب حاصل کرنا ہے تو بدنی اور مالی واجبات ادا کرو اور ان کے حبداروں اور قرابتداروں کے غریبوں اور ناداروں کی مالی اعانت و امداد کرو اور ان کی اتباع و اطاعت کرو۔ اور یقین رکھو کہ

لن ینال اللہ لحومھا ولا دمائھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم (خدا تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ نہ قربانی کا گوشت ہے اور نہ خون۔ بلکہ قرب الٰہی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ تقویٰ الٰہی ہے اور جب وسیلہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں تو کیا تعزیہ مبارک یا ذوالجناح ہماری یہ عرضیاں خدا تک یا آئمہ اہلبیتؑ تک پہنچاتے ہیں؟؟ اس کا مدرک و ماخذ کیا ہے؟ کیوں نہ ان ذواتِ مقدسہ کا واسطہ دے کر براہ راست خدا سے حاجات طلب کی جائیں جیسا کہ صلحائے امت اور علماء ملت کا ہمیشہ سے طریقہ کار اور متقیوں کا شیوہ و شعار ہے اب رہی یہ بات کہ جو لوگ علم، تعزیہ یا ذوالجناح کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں وہ ان چیزوں کے احترام میں ایسا کرتے ہیں۔ یا نعمت ولایت یا دولتِ عزاداری پر خدا کا سجدہ شکر

ادا کرتے ہیں؟ یہ سوال ان ملنگوں یا مولائیوں سے کرنا چاہئے۔ جو ایسا کرتے ہیں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا اور صاحب انتصار کتنے پانی میں ہیں یہ بھی ان پر واضح وعیاں ہو جائے گا۔

(۵) اسی طرح چونکہ صاحب اصلاح الرسوم نے قوم کو مشورہ دیا تھا کہ ''جب ذوالجناح بنانے کا مقصد رونا رلانا اور مقصد شہادت حسینؑ کو زندہ رکھنا ہے تو ذوالجناح بالکل سادہ شکل کا بنانا چاہیے اور یہ کہ اس کی تزئین و آرائش پر لاکھوں روپے صرف نہ کئے جائیں۔ نیز اس کے نیچے سے بچے گزارنے اور اس کے جوٹھے دانے تبرک سمجھ کر کھانے کا کیا جواز ہے؟ (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۶۶) اس سلسلہ میں مؤلف انتصار المظلوم بعض مراجع کے فتاویٰ نقل کرتے ہیں کہ ''اگر تزئین و آرائش کو حکم شرعی نہ سمجھا جائے ...... تو کوئی حرج نہیں ہے (انتصار صفحہ ۱۷۶) بچوں کو ذوالجناح کے نیچے سے گزارنا اور دیگر امور حکم شرعی نہ سمجھے جائیں تو جائز ہے (صفحہ ۱۷۷)

یہی بات تو صاحب اصلاح الرسوم عوام اہل ایمان کو بتانا چاہتے ہیں کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں یہ شرعی حکم نہیں ہے لہٰذا اگر وہ یہ کام کرنا چاہتے ہیں تو ان کو شریعت کے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش نہ کریں ہاں البتہ اسے ایک رسم و روایت یا اپنی خود ساختہ عقیدت و ارادت سمجھ کر بجالائیں۔ جس کی غیر شعوری طور پر صاحب انتصار نے تائید مزید کر دی ہے مخفی نہ رہے کہ یہاں ذوالجناح کے جوٹھے دانے بطور تبرک کھانے کے جواز پر صاحب انتصار نے جو دلیل پیش کی ہے اسے پڑھئے اور سر دھنیے۔

''گھوڑے کا جوٹھا نہ نجس ہے۔ نہ مکروہ بلکہ گھوڑے کا جوٹھا پاک ہے (انتصار ۱۷۷) نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ چونکہ گھوڑے کا جوٹھا نہ نجس ہے اور نہ مکروہ تو اس کا بطور تبرک

انسان کے لیے کھانا جائز ہے اس خدا کے بندے سے کوئی پوچھے کہ یہ کس نے کہا ہے کہ گھوڑے کا جوٹھا نجس ہے یا مکروہ ہے۔(باوجودیکہ کراہت کی گنجائش ہے کیونکہ اس کا گوشت مکروہ ہے) بات تو یہ ہو رہی تھی کہ ایک حیوان کا جوٹھا خواہ وہ ذوالجناح ہی کیوں نہ ہو ایک انسان کے لیے اور وہ بھی آل محمدؐ کے غلام کے لیے تبرک کس طرح ہے؟ اور ایسا کر کے اغیار کو گھوڑا پرست کہنے کا جواز مہیا کرنے کا مطلب کیا ہے؟

علمی لطیفہ

اور اگر مؤلف انتصار کے مفتی صاحب کی اس منطق کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے اگر کوئی شخص ان سے یہ سوال کرنے کی جسارت کرے کہ گھوڑے کی لید اور اس کا پیشاب بھی تو نجس نہیں ہے (زیادہ سے زیادہ مکروہ ہے) لہٰذا اگر گھوڑے کی لید کو کھا لیا جائے اور اس کے پیشاب کو پی لیا جائے تو جائز ہے؟۔لان کل مکروہ جائز؟ تو مفتی صاحب موصوف کیا جواب دیں گے؟ بینوا توجروا؟ جب کہ بعض مقامات پر ایسا کرنے کی اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ (واللہ العالم) بعد ازاں موصوف نے ''زنجیر زنی کا ماتم'' کا عنوان قائم کر کے اس کے ضمن میں ادھر ادھر کا رطب و یابس اکٹھا کر کے اور کہیں سے اینٹ اور کہیں سے روڑا جمع کر کے بھان متی کا کنبہ جوڑ کر قمہ زنی کا جواز مہیا کیا ہے اور لاضرر ولاضرار اور لاتلقوا بایدیکم الی التھلکہ جیسے محکم دلائل کے ساتھ ہمیشہ علماء اعلام اور فقہائے عظام ایسے موارد و مواقع پر استدلال کرتے رہتے ہیں اور اپنے عمل و کردار سے یہ حقیقت رقم کرتے رہتے ہیں کہ ''العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص المورد'' ہمیشہ الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ آیت یا روایت وارد کس موقع پر ہوئی

ہے؟ (مگر ان حقائق و دقائق کو سمجھنے کے لیے ایک دیدۂ بینا اور گوشِ شنوندہ اور سب سے زیادہ عقل وفہم پائندہ کی ضرورت ہے) چونکہ صاحب اصلاح الرسوم نے حالات وواقعات کا صحیح تجزیہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''زنجیر، تلوار اور قمع کے ماتم کے بارے میں ہمارے موجودہ فقہاء شیعہ خیر البریہ میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے کچھ حضرات اسے جائز جانتے ہیں اور کچھ حضرات جیسے آقائی بروجردی، آقائی علامہ سید محسن امین عاملی اور علامہ سید مہدی کاظمینی اعلی اللہ مقامہم اور بہت سے دیگر فقہا اسے ناجائز جانتے ہیں (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۷۰ تا ۱۷۱) اور پھر حاشیہ پر آقائی بروجردی کا فتویٰ ان کے رسالہ عملیہ جامع المسائل اردو صفحہ ۴۰۴ سے نقل بھی کیا تھا مگر انتصار المظلوم کا مؤلف بڑی ڈھٹائی کے ساتھ لکھتا ہے کہ ''ہماری تحقیق کے مطابق زنجیر زنی کو کسی فقیہہ نے بھی ناجائز نہیں لکھا'' (انتصار صفحہ ۱۸۳) نمعلوم انہوں نے کس بند کوٹھری میں بیٹھ کر یہ تحقیق کی ہے یا افریقہ کے کس صحرائے اعظم میں رہ کر یہ کتاب لکھی ہے۔ ورنہ اگر انہوں نے یہ کتاب حوزہ علمیہ قم مقدسہ میں بیٹھ کر لکھی ہے تو ان کو کیا معلوم نہیں ہے کہ جمہوری اسلامی ایران کے رہبر وروحانی راہنما جناب آقائی خامنہ ای نے قمعہ کے ماتم کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور حوزہ علمیہ قم کے بیسیوں علماء وفقہاء نے حرف بحرف ان کی تائید مزید فرمائی ہے جناب آقائی رہبر اور ان علماء کرام کے یہ بیانات رسالہ شریفہ ''بیانات رہبر معظم انقلاب اسلامی واستفتاءات آیات عظام پیرامون عزاداری عاشوراء'' میں اپنے عکس کے ساتھ شائع ہو گئے ہیں اور یہ رسالہ دفتر تبلیغات اسلامی خوزہ علمیہ قم کے دفتر سے مل سکتا ہے اور ان کے تراجم مفید اضافہ جات کے ساتھ رسالہ شریفہ وعجالہ نفیسہ ''مثالی عزاداری کیسے منائیں'' میں مذکور ہیں ۔ جو دار الثقافۃ الاسلامیہ کراچی نے شائع کیا ہے آقائی رہبر نے یہ فتویٰ دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ

''ہمارے علماء سلف ان باتوں کو صراحت کے ساتھ اس لیے منع نہیں کرتے تھے کہ ان کے پاس قوت وطاقت نہ تھی لیکن بحمد اللہ اس وقت اسلامی حکومت ہمارے ہاتھ میں ہے اسلام کی بالادستی ہے'' (مثالی عزاداری صفحہ ۱۴۵)

مگر ہمارے علامہ نجفی صاحب مدظلہ تو باوجودیکہ نہ حکومت میں ہیں اور نہ ان کے پاس اقتدار ہے مگر پھر بھی وہ اپنا مال اور اپنی جان وعزت غرضیکہ سب کچھ داؤ پر لگا کر تقریباً پچاس سال سے آواز حق بلند کر رہے ہیں اور قوم کی گالیاں کھا رہے ہیں۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء یعنی ع

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

بہر حال شدتِ اختصار کے پیشِ نظر سب حضرات کے تفصیلی بیانات وفتاوی کو نقل کرنے کی تو یہاں گنجائش نہیں ہے البتہ صرف ان کے اسماء گرامی گنوائے اور بتائے جاتے ہیں اور پھر ان میں سے بعض حضرات کے فتوؤں کے کچھ اقتباسات بھی پیش کیے جائیں گے۔ انشاء

زنجیر اور قمہ کے ماتم کو ناجائز جاننے والے چند اعلام کے نام

(۱) رہبر جمہوری اسلامی ایران حضرت آقائی خامنہ ای مدظلہ

(۲) آقائی اراکی مرحوم (۳) آقائی محمد فاضل لنکرانی مرحوم (۴) آقائی سید علی شکینی مرحوم (۵) آقائی حسین نوری ہمدانی مدظلہ (۶) آقائی جوادی آملی (۷) آقائی اسماعیل الصالحی المازندرانی (۸) آقائی حسین راستی کاشانی (۹) آقائی محمد ابراہیم جناتی (۱۰) آقائی محمد زین (۱۱) آقائی احمد آذری قمی (۱۲) آقائی ابراہیم امینی (۱۳) آقائی سید محمد ابطحی

(۱۴) آقائی مہدی الحسینی الروحانی (۱۵) آقائی سید حسین طاہری (۱۶) آقائی سید جعفر کریمی (۱۷) آقائی سید محمود ہاشمی (۱۸) آقائی حائری عراقی (۱۹) آقائی حسین مظاہری (۲۰) آقائی سید محسن خرازی (۲۱) آقائی عباس محفوظی (۲۲) آقائی محسن حرم پناہی (۲۳) آقائی محمد یزدی (۲۴) آقائی حسن تہرانی (۲۵) آقائی سید فضل اللہ لبنانی (۲۶) آقائی السید نصر اللہ دبیر کل حزب اللہ لبنانی (۲۷) آقائی شیخ مہدی شمس الدین لبنانی (۲۸) آقائی ہاشمی اصفہانی (۲۹) آقائی طاہری امام جمعہ اصفہان (۳۰) آقائی ملکوتی امام جمعہ تبریز مداللہ تعالیٰ ظلالھم الوارفة علی رؤوس المؤمنین۔

ان علماء کرام کے علاوہ اس سلسلہ میں اور بھی بعض اکابر علماء کے نام نامی اور اسم گرامی نظر آتے ہیں جیسے (۱) آیۃ اللہ سید محسن امین عاملیؒ (۲) آیۃ اللہ آقائی سید حسین بروجردیؒ (۳) آیۃ اللہ سید محسن الحکیمؒ (۴) آیت اللہ محمد حسین آل کاشف الغطاءؒ (۵) آیت اللہ سید مہدی کاظمینیؒ (۶) آیت اللہ سید کاظم حائریؒ (۷) علامہ شیخ علی بن شیخ عبداللہ بحرانیؒ (۸) علامہ شیخ محمد جواد مغنیہؒ (۹) آقائی تسخیری (۱۰) علامہ سید مرتضیٰ عسکریؒ (۱۱) علامہ سید باقر الحکیمؒ (۱۲) اور آقائی الشیخ احمد وائلیؒ

کیا انتصار لمظلوم کے مؤلف کی نگاہ میں یہ علماء اعلام فقہاء شیعہ نہیں ہیں (ان علماء اعلام کے کلام حق ترجمان سے چند اقتباسات)

اگرچہ شدتِ اختصار دامن بیان کو پھیلانے کی اجازت نہیں دیتی اور کتاب پہلے ہی طویل ہوتی جارہی ہے جب کہ ہم اسے طویل نہیں کرنا چاہتے مگر پھر بھی اگر ان میں سے چند بزرگوں کے کلام سے کچھ اقتباسات یہاں پیش نہ کیے جائیں تو یہ موضوع تشنہ رہ جائے گا لہٰذا ان کے اصل بیانات تو مذکورہ بالا فارسی رسالہ میں موجود ہیں البتہ ان کے ترجمے اردو

رسالہ ''مثالی عزاداری کیسے منائیں'' میں مذکور ہیں۔ہم انہی اردو تراجم سے چند اقتباس بطور تبرک یہاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

(۱) مصلح کبیر حضرت علامہ سید محسن امین عاملی فرماتے ہیں'' خداوند عالم نے انسان پر اپنی قدرت وتوانائی کے مطابق نہی عن المنکر کو واجب قرار دیا ہے سب سے بڑا منکر معاشرہ میں کسی بدعت کو سنت ومستحب قرار دینا......اور کسی مستحب کو بدعت کی صورت میں پیش کرنا ہے...... جب ابلیس اور اس کے کارندوں نے عزاداری کے فوائد واثرات کو دیکھا اور تمام حیلوں سے......اسے روکنے میں ناکام ہو گئے تو ایک دوسرے راستہ سے داخل ہو کر امامؑ کے شیدائیوں کو گمراہ کرنے کی سازش تیار کی اور وہ یہ کہ عزاداری میں ایسی بدعات ومنکرات کو داخل کیا جو دیگر اہل اسلام کو بری محسوس ہوں......ان چیزوں میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) جھوٹی باتیں، یعنی عزاداری کے اجتماعات میں ایسی غیر حقیقی باتوں کا بیان کرنا جن کا مستند کتابوں میں تذکرہ نہیں ملتا (۲) عزاداری میں ڈھول اور دف کا استعمال (۳) نفس کو اذیت پہنچانے والی چیزوں کا استعمال جیسے زنجیر، چھری، تلوار، قمہ وغیرہ کے ذریعہ خون نکالنا (۴) عزاداری میں تمثیل کے دوران عورتوں کا مرد اور مردوں کا عورت کا بہروپ بھرنا (۵) بے حجاب خواتین کا محملوں میں بٹھا کر انہیں اہل حرم سے تشبیہ دینا۔عزاداری میں داخل کی جانے والی یہ تمام چیزیں حرام اور ناجائز ہیں'' (از رسالہ تنزیہ التشبیہ)

(۲) آیت اللہ سید محسن الحکیم کے فرزند جلیل آقائی سید باقر الحکیم راوی ہیں کہ ان کے والد گرامی نے فرمایا'' قمہ زنی، زنجیر زنی جیسی رسومات جو اس وقت عزاداری میں رائج ہیں ان میں کوئی استحباب نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں کے درمیان ضرر رساں ہیں۔اور اسلام اور اہلبیتؑ کی تعلیمات کو سمجھنے میں ایک رکاوٹ ہیں۔کوئی بھی ان چیزوں کے قرب خدا کا

وسیلہ ہونے کا قائل نہیں بلکہ قمہ زنی تو ہمارے گلے میں پھنسی ہوئی ایک ہڈی ہے"

(از الشعائر الحسینیہ)

(۳) **آیت اللہ شیخ محمد حسین ال کاشف الغطاء**۔ جب موصوف سے عزاداری کے بعض مراسم کی حرمت وحلت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا" اگر ہم ان کا فقہی قواعد کے تحت جائزہ لیں تو ان چیزوں کی حرمت کے سوا کوئی حکم نہیں کیونکہ فقہ کے وہ بنیادی قواعد جو مسلمات کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے تحت اپنے نفس کو اذیت دینا اور ضرر پہنچانا اور اسے ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے۔ اور ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس کی روشنی میں ہم قمہ زنی اور زنجیر زنی کو ان فقہی قواعد سے مستثنیٰ قرار دیں...... دوسری طرف ہم صراحت سے کہتے ہیں کہ مذہب امامیہ کے نزدیک واقعہ کربلا اور شہادت امام حسین علیہ السلام ایک عظیم حادثہ اور ایک دینی انقلاب ہے۔ امام حسین علیہ السلام امت مسلمہ کے لیے ایک رحمت عظمیٰ اور اس کی شفاعت ونجات کا ذریعہ ہیں۔ لہٰذا اگر مذکورہ اعمال کسی سے امام حسین علیہ السلام کے عشق ومحبت میں صادر ہوں...... فرطِ جذبات سے دل شکستہ ہو کر کسی سے یہ فعل سرزد ہوں اور ہر قسم کے ریا اور اغراض نفسانی سے مبرا ہوں تو بعید نہیں ہے۔ کہ اس کے لیے یہ عمل جائز ہو جائے لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ہاں رائج مراسم ریا اور دکھلاوے سے مبرا نہیں ہوتے لہٰذا انہیں نیتِ صادق کے ساتھ انجام دینا مشکل نظر آتا ہے۔ ان کی حرمت ہی مسلم نظر آتی ہے۔ عزاداری کے بہترین اور پاکیزہ ترین اعمال امام حسینؑ کی مصیبت میں نوحہ وفغاں گریہ وبکا امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت پر اشک فشانی اور آپ کے حرم کی زیارت ہیں" (از فردوس اعلیٰ)

(۴) علامہ بزرگ شیخ علی بن شیخ عبداللہ بحرانی (متوفی ۱۳۱۹ھ) عزاداری

سید الشہداء پر بعض لوگوں نے جو اعتراضات کیئے تھے جناب شیخ علی ان کے دندان شکن جوابات دینے کے بعد عزاداری میں رائج بعض رسوم مثلاً باجے، ڈھول تاشہ اور تفیری جیسے آلات کے استعمال، مردوں کا عورتوں کا روپ بھرنا عورتوں کا بے حجاب جلوسوں میں شامل ہونا، مرد و زن کا مخلوط عزاداری میں شریک ہونا اور مصائب امام مظلوم بیان کرتے ہوئے جھوٹی اور من گھڑت روایتیں بیان کرنے کے بارے میں فرمایا "یہ سب شیعہ عوام کی اختراعات ہیں اور ان کا مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہے (از **قامعہ آھل الباطل و دفع شھادت المجادل**)

(۵) علامہ شیخ محمد جواد مغنیہ

آپ فرماتے ہیں "عوام میں رائج عادات ورسوم کو دین کا مصدر نہ سمجھا جائے کیونکہ ان میں سے بہت سی ایسی خرافات ہیں جنہیں دین تسلیم نہیں کرتا۔ خواہ بعض علماء ان چیزوں کی تائید ہی کیوں نہ کریں جیسے لبنان، عراق اور ایران میں آج کل بعض شیعہ حضرات کفن پہن کر نکلتے ہیں اور سر و پیشانی پر تلوار مارتے ہیں یہ فعل دین میں ایک بدعت ہے یہ جاہلوں کی اختراع ہے۔ کسی بھی جید عالم کی طرف سے اس کی تائید نہیں ہوتی...... ہر مذہب و مسلک میں عوام ایسی چیزیں پیدا کرتے ہیں جو کسی طرح بھی ان کے مسلمہ عقائد سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ اگر ان چیزوں کو دیکھ کر بعض علماء سکوت اختیار کرتے ہیں تو اس کا سبب اپنی اہانت یا ضرر کا خوف ہے۔ آج بھی ہمارے بہت سے علماء میں یہ جرات پیدا نہ ہو سکی کہ وہ عزاداری میں شامل ان خرافات سے عوام کو باز رکھیں کیونکہ جو عالم اس جانب

قدم بڑھاتا ہے عوام اس کی مخالفت شروع کردیتے ہیں (کتاب شعائر حسینیہ از کتاب تجارب محمد جواد مغنیہ)

(۶) جناب آقائی تسخیری مدظلہ

اپنے طویل بیان میں فرماتے ہیں "لیکن افسوس کی بات ہے کہ شیعوں میں عزاداری امام حسین علیہ السلام کی یہ مستحسن رسم آج کل انتہائی خطرناک انحرافات سے دوچار ہے...... ان انحرافات وخرافات کو اس حد تک عروج حاصل ہوا ہے کہ بسا اوقات عزاداری کی رسوم مضر اثرات کی حامل اور عقائد امامیہ پر طنز و استہزاء کا باعث بنتی ہیں عزاداری میں رائج انحرافات میں قمہ اور تلوار زنی اور ایسی ہی دوسری رسومات شامل ہیں جو نفس کو ضرر پہنچانے کا موجب اور ذوق سلیم کو ختم کرنے والی ہیں۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہ عادات اس حد تک جاہل عوام کے درمیان رسوخ پا چکی ہیں کہ وہ اسے اصول اسلام اور اپنے مکتب کی اساس سمجھنے لگے ہیں اور اس پر بے بنیاد دلائل لے کر آتے ہیں اور ایک عالم دین پر ان کے خلاف زبان کھولنا تک مشکل ہو چکا ہے علماء کے لیے ان عظیم انحرافات کے خلاف زبان کھولنا اور ان سے روکنا آسان نہیں رہا جو مذہب تشیع کے چہرہ کو مسخ کر رہے ہیں" (از الشعائر الحسینیہ)

(۷) آیۃ اللہ فاضل لنکرانی فرماتے ہیں۔

"انقلاب اسلامی ایران کے بعد اس وقت دنیا بھر کی نظریں اسلام اور تشیع کی جانب متوجہ ہیں۔ ہمارے اعمال اور ہماری قوم کے کردار کو اسلام کا نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عزاداری سید الشہداء کے ضمن میں ایسے اعمال اور مراسم انجام دیے جائیں

جن سے لوگوں کی توجہ دین کی جانب مبذول ہو اور امام حسینؑ اور ان کی تحریک سے لوگوں کو محبت پیدا ہو۔ اس وقت عزائے حسینؑ میں قمہ زنی اور زنجیر زنی جیسے مراسم بے فائدہ ہیں اس کے جواز کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس سے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لہٰذا عزاداران امام مظلوم کو چاہیے کہ ان چیزوں سے پرہیز کریں خواہ ان کی نذر ہی کیوں نہ مانی ہوئی ہو" (از شعائر حسینیہ)

(۸) علامہ سید مرتضیٰ عسکری

عسکری فرماتے ہیں "امام حسینؑ نے اس وقت انقلاب اور قیام کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جب شریعت محمدیؐ میں انحرافات جڑ پکڑ رہے تھے ان حالات میں جب بات دین مبین پر آ گئی تو امام حسین علیہ السلام پر انقلاب کے لیے اٹھ کھڑا ہونا ایک لازمی امر بن گیا" موجودہ حالات میں بھی امام حسینؑ کی تحریک کے مخالفین اصل واقعات کربلا میں اسی لیے تحریف میں مشغول ہیں تا کہ وہ شریعت محمدی اور مقصد حسینیؑ سے اس کی اصل روح نکال باہر کریں اور یہ چیزیں اپنے اثرات کھو دیں اگر ان انحرافات کا سد باب نہ کیا گیا تو ان کے نتیجے میں امت محمدی پر انتہائی مضر اثرات مرتب ہوں گے۔"

ہمیں چاہیے کہ اسی اسلوب اور طریقہ کے مطابق عزاداری کا انعقاد کریں جو آئمہ اطہار علیہم السلام سے منسوب ہو جس کی سند اور ثبوت مستند کتب میں ملے" نیز آپ عزاداری کی بعض مراسم پر شدید تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "یہ ڈھول یہ تاشے، موسیقی، قمہ زنی، زنجیر زنی حرام اعمال میں سے ہیں اگر ان امور کو نذر کے عنوان سے بھی انجام دیا جائے تب بھی خلاف شرع ہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ امام حسینؑ کے قیام کے اہداف و مقاصد کو

کوئی چیز نہیں مٹا سکتی سوائے قمہ زنی اور ان بدمستیوں کے۔ کیونکہ اس وقت اجنبی عناصر امام حسینؑ کو ہماری ان رسومات کے حوالہ سے دیکھتے ہیں اور لازماً ان کے ذہن میں اس سے ایک منفی خاکہ ابھرتا ہے میں مطمئن ہوں کہ اگر ہم اس طرح عزاداری برپا کریں جس طرح اس کے اہتمام کا احادیث وروایات میں ذکر ہوا ہے تو پھر واقعی اس کے انتہائی مفید اور ثمر بخش نتائج برآمد ہوں گے...... اگر ہم سنتِ امام حسینؑ کو اپنائیں تو یہی سنتِ آئمہؑ اور سنت رسول ہے...... بدعات وخرافات کو واقعہ عاشورا سے دور کرنا درحقیقت خدا وسید الشہداء کی راہ میں ایک عظیم کام ہے''(ہفت روزہ مجلہ الجہاد)

(۹) آیت اللہ آقائی سید ناصر مکارم شیرازی

مراسم عزا کے بارے میں مختلف سوالوں کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔''بے شک سید الشہداء کی عزاداری منانا افضل قربات میں سے ہے اور ان کے مقصد شہادت کو زندہ رکھنا دنیا اور آخرت کی نجات کا ضامن ہے اس لیے ہر قیمت پر ان مراسم عزا کا زندہ رکھنا لازم ہے...... لیکن اس مقام پر میں اپنے تمام بھائیوں اور بہنوں کی توجہ چند امور کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

(۱) سب کو کوشش کرنا چاہیے کہ خلوص نیت کے ساتھ مراسم عزا میں شرکت کریں اور سرکار سید الشہداء کے مقصد شہادت میں غور وفکر کریں اور ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں۔

(۲) تمام بھائیوں اور بہنوں کو اس سلسلہ میں ان خلاف شرع امور سے اجتناب کرنا چاہیے جن کو دشمن ہمارے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ جیسے قمہ زنی کرنا اور بدن پر قفل لگانا

کیونکہ یہ قمہ دشمن کے سر پر رسید کرنا چاہیے نہ کہ اپنے سر پر اور یہ تالا دشمن کے منہ پر لگانا چاہیے نہ کہ دوست کے جسم پر...... بے شک ان امور کا محرک امام حسینؑ سے جذبہ عشق ومحبت ہے۔ مگر اس جذبہ کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ اس کام کی عمدگی بھی لازم ہے یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے علماء کرام نے اپنے دور کے مخصوص حالات کے پیش نظر ان امور میں سے بعض کے جواز کا فتویٰ دیا ہے لیکن اگر وہ موجودہ دور میں ہوتے اور ان حالات سے دوچار ہوتے تو یقیناً ان کا فتویٰ کچھ اور ہوتا''

(۳) عزاداروں کو اپنی تمام تر توجہ حضرت امام حسینؑ کے قیام کے اصلی مقصد پر مرکوز کرنی چاہیے۔ جو کہ آپؑ کے تاریخی وصیت نامہ میں مذکور ہے اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے لہذا مکتب سید الشہداء سے وابستہ تمام لوگوں کا فرض ہے کہ امام علیہ السلام کی تقلید وتاسی میں اس الٰہی وقرآنی فریضہ کو زندہ وپائندہ رکھنے کی کدوکاوش کریں۔ دعا ہے کہ خداوند عالم ہمیں اس بزرگوار کے مکتب کا سچا پیروکار بنائے اور دنیا وآخرت میں ان کی شفاعت سے بہرہ ور فرمائے آمین یارب العالمین (از رسالہ بیانات رہبری معظم وآیات عاظم پیرامون عزاداری عاشورا)

(۱۰) جناب شیخ احمد وائلی فرماتے ہیں

''عزاداری امامؑ کے اہم اثرات میں سے ہے کہ اس کے ذریعہ بنو امیہ اور بنی عباس کی حکومتیں اپنے انجام کو پہنچیں''

بعض دشمنان اسلام اور دشمنان اہلبیت نے یہ ناپاک کوشش کی ہے کہ عزاداری امام مظلومؑ سے اس کی اصل روح نکال کر اسے جامد کر دیں اور اسے انحرافات وخرافات سے پر

کردیں...... چاہیے تو یہ تھا کہ ہم فکرِ حسینؑ کو اپنا عقیدہ و اسلوب بناتے لیکن عزاداری کی ظاہری شکل وصورت کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور مقصد حسینؑ کو فراموش کر بیٹھے ہیں...... اس وقت عالم اسلام سخت ترین مشکلات کا شکار ہے سامراجی اور استحصالی قوتیں امت مسلمہ کا استحصال کر رہی ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ بعض افراد کا خیال ہے کہ قمہ زنی یا آگ پر ماتم ہی دین محمدی کی بقا کا موجب ہے یہ کس دور اور کس تاریخ میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہمیں آداب حسینؑ خود سیکھنا اور دوسروں کو سکھانا چاہئیں۔ فکر اہلبیت سے درس اخلاق اور درس حیات لینا چاہیے...... براہ کرم ایسی باتیں منبر سے نہ کہی جائیں کہ لوگ کہنے لگیں کہ یہ خرافات اور بے ہودہ افکار رکھنے والی قوم ہے۔ امام حسینؑ کی تحریک کے مخالفین کا تو مقصد ہی یہی ہے۔ کہ خرافات اور فضولیات کو فروغ دیا جائے تاکہ سید الشہداء کی عظیم قربانی اور اس کے نتائج پوشیدہ رہیں (از شعائر حسینیہ)

(۱۱) آقائی سید کاظم حائری

فرماتے ہیں۔ ''عزاداری سید الشہداء میں شامل بعض خرافات جیسے قمہ زنی اسلام اور شیعیت کا چہرہ داغدار کرنے کا ذریعہ ہیں اور لوگوں کو یہ باور کرانے کا سبب ہیں کہ یہ ایک کھوکھلا مذہب ہے خصوصاً دورِ حاضر میں جب کہ عالمی کفر ہمارے خلاف پروپیگنڈے اور ہمارا مذاق اڑانے پر تلا ہوا ہے ایسے حالات میں ایسے مراسم ایک بڑے حرام کی حیثیت رکھتے ہیں...... (از الشعائر الحسینیہ)

(۱۲) حضرت آقائی سید باقر الحکیم

نے ایک مفصل بیان کے ضمن میں فرمایا "وہ مقاصد واہداف جن کے لیے امام حسینؑ نے قیام فرمایا وہ درج ذیل ہیں۔

ا۔امت کے ضمیر کو بیدار کیا جائے اور اسے اس کی اخلاقی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے۔

۲۔یہ واضح کیا جائے کہ ایک ظالم حکمران کے سامنے ایک مسلمان کی ذمہ داری کیا ہے؟

۳۔دین کی تصویر کو محفوظ رکھا جائے۔

عزاداری کے انعقاد اور اس کے اہتمام کے سلسلہ میں آئمہ اطہار کے پیش نظر درج ذیل مقاصد تھے۔

(۱) آئمہ اطہار علیہم السلام جو کہ دین اسلام کی فکری، عقیدتی اور اخلاقی تعلیمات کے محافظ تھے۔وہ اس عزاداری کے ذریعہ ان چیزوں کا تحفظ چاہتے تھے۔

(۲) اہلبیت علیہم السلام عزاداری کو ایک تربیت گاہ کی حیثیت دیتے تھے جس کے اجتماعات میں مسلمان اسلامی مفاہیم اور امام حسین علیہ السلام کے مقدس اہداف کو سمجھیں۔

عزاداری کے ذریعہ امت کے دلوں میں اہلبیتؑ سے وابستگی اور ولایت کی تجدید آئمہ معصومینؑ کے پیش نظر تھی......مزید فرماتے ہیں۔"عزاداری ایک شرعی حکم ہے آئمہ معصومین علیہم السلام نے اس میں ہدایت فرمائی ہے اس کے حدود وابعاد روایات اور علماء کی سیرت میں ملنے چاہیں۔اس کی حفاظت ونگہداری علماء کی ذمہ داری ہے اسے جاہل اور نادانوں کے ہاتھ پر نہیں ہونا چاہیے۔ہم نے کبھی کسی عالم کو قمہ زنی اور زنجیر کا ماتم کرتے نہیں دیکھا نہ سنا اگر یہ علماء کے نزدیک مستحب ہوتی تو یقیناً علماء اس کا حکم دیتے (اور عمل بھی کرتے) پھر اپنے والد ماجد سرکار آیت اللہ الحکیم رضوان اللہ علیہ کا نظریہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔"مذہب تشیع کو جن دو چیزوں نے نقصان پہنچایا ان میں سے ایک عزاداری میں داخل کی جانے والی بعض غلط

رسومات ہیں (عربی ہفت روزہ..... صدر ۹ محرم ۱۴۱۵ھ ۱۹ جون ۱۹۹۴ء)

قوم وملت کے ان ذمہ دار علماء اعلام راہنمایان عظام کے کلام حق ترجمان کی روشنی میں قوم شیعہ خود فیصلہ کرے کہ اصلاح الرسوم کے خلاف قلم اٹھانے والے ننگِ قوم وملت اور دشمن عقل وخرد گستاخ طفل ہائے مکتب کہاں کھڑے ہیں؟ اور وہ کیا چاہتے ہیں؟ کیا وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ جو کام قوم کے چند جاہل احمق اور بھنگی چرسی اور حالات حاضرہ سے ناواقف عوام کالانعام انجام دیں ان کی اصلاح کرنے اور ان کو روکنے ٹوکنے کی بجائے الٹا ان کی ہاں میں ہاں ملا دی جائے اور ان کی خوشنودی کا سرٹیفکیٹ حاصل کر کے، بام شہرت تک پہنچ کر اپنے دنیوی مفادات کا تحفظ کیا جائے۔ خواہ قوم ومذہب کا جنازہ ہی نکل جائے اور خواہ قرآن وسنت کے گلوئے اقدس پر کند چھری پھر جائے اور خواہ مقصد شہادتِ امام بالکل ختم ہو جائے اور دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے سامنے ہماری قوم کی اور ہمارے مذہب کی اس طرح تذلیل وتضحیک ہو کہ دنیا ہماری قوم کو وحشی قوم اور ہمارے مذہب کو خرافاتی مذہب کہنے اور قرار دینے پر مجبور ہو جائے اور وہ ترقی پذیر قوموں کے ساتھ شانہ ملا کر چلنے اور ان کو منہ دکھانے کے قابل ہی نہ رہ جائے۔ اقبال نے ایسے ہی ننگ دین، ننگ قوم اور ننگ وطن ملاؤں کے بارے میں کہا تھا۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

اور ایسے ہی فتویٰ فروشوں کے متعلق کہا تھا۔

مجھ کو تو ہے سکھلا دی افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملاں ہیں کیوں ننگ مسلمانی

گویا کہ یہ لوگ زبان حال سے کہہ رہے ہیں ۔

ہم طالب شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

جس قوم کے ایسے رہبر ہوں اس قوم کا ع انجام گلستان کیا ہوگا

گر ہمیں مکتب است و ہمیں ملاں
کار طفلاں تمام خواہد شد

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اس کے بعد مؤلف انتصار صفحہ ۱۹۵ پر زیر عنوان ''کسی قبر کا طواف کرنا یا جناز روضہ کا طواف کرانا'' لکھتے ہیں ''اصلاح الرسوم کا نظریہ'' لوگ مرنے والوں کو مزارات مقدسہ کا طواف کراتے ہیں حالانکہ یہ رسم بدو وجہ غلط ہے اولاً طواف خانہ کعبہ سے مخصوص ہے ثانیاً روایت میں اس کی ممانعت ہے (اصلاح صفحہ ۲۷) پھر اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہاں قبروں سے مراد معصومینؑ کی ضرائح مقدسہ ہیں۔ ان کا طواف کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ بہت بڑا ثواب ہے۔ اولاً کوئی شخص ضریح معصوم کو کعبہ نہیں سمجھتا اور نہ طواف کی نیت سے چکر لگاتا ہے پھر طواف کعبہ کی شرائط ہیں جبکہ صریح معصوم کے اردگرد چکر لگانے میں شرائط ہی نہیں پس جائز ہے۔ ثانیاً کعبہ کے علاوہ کسی شئی کے طواف کی ممانعت پر کوئی دلیل معتبر نہیں۔ جن روایات کے بل بوتے پر اصلاح الرسوم نے حرمت کا فتویٰ جاری کیا ہے وہ اس مسئلہ سے مربوط ہی نہیں دوسری روایت جو انہوں نے ذکر کی ہے امام نے فرمایا پیشاب کھڑے ہو کر نہ کرو۔ کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرو۔ قبر پر طواف نہ کرو۔ اس میں عربی کا جملہ جو قابل غور ہے وہ لا تطف بقبر اس کا معنی قبر کا طواف نہ کرو غلط ہے کیونکہ یہاں

لاتطف طواف سے نہیں بلکہ طوف سے ہے جس کا معنیٰ الفائظ یعنی پاخانہ پھرنا ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث لایصل احدکم وھویدرفع الطّوف میں ہے...... اس سلسلہ میں نعت حدیث کی معتبر کتاب مجمع البحرین دیکھیں تو انہوں نے لاتطف بقبر کا معنیٰ قبر پر پاخانہ نہ کرو کیے ہیں اگر اس معنی پر اصلاح الرسوم کو یقین نہ آئے تو کم از کم احتمال مساوی تو ہے اور اصول ہے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال (انتصار صفحہ ۱۹۷)

قبل ازیں بھی کسی مناسب جگہ پر اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ حضرت علامہ نجفی نے اصلاح الرسوم میں زندہ یا مردہ کو کسی قبر مقدس کے طواف کی جو ممانعت بیان فرمائی ہے تو وہ بہ نیت طواف کرنے کرانے کی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ طواف کے لغوی معنیٰ کے اعتبار سے اگر صرف کسی قبر مقدس کا چکر لگایا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور جب انتصار کے مؤلف یہی کہتے ہیں "کہ کوئی بہ نیت طواف چکر نہیں لگاتا اور نہ ہی یہاں طواف کعبہ والی شرائط ملحوظ ہیں تو پھر یہ بحث ہی ختم ہو جاتی ہے اور اگر کوئی شخص بہ نیت طواف کسی قبر مقدس کا طواف کرے تو پھر یہ بات شرعاً جائز نہیں ہے اور اس کے مختصر دلائل یہ ہیں۔

اولاً یہ طواف عبادت ہے اور دو رکعت نماز کے برابر ہے بلکہ بعض روایات میں اسے خود نماز کہا گیا ہے (مستدرک الوسائل جلد۲ صفحہ ۱۵۳ طبع قدیم ایران)

ثانیاً۔ طواف خانہ خدا کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ قائد انقلاب آقائی خمینیؒ فرماتے ہیں کہ "طواف تو صرف کعبہ ہی کا جائز ہے" کعبہ بنایا ہی صرف طواف اور عبادت کے لیے گیا ہے یہ طواف کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی مستحب۔ بہر حال اسلام میں طواف کا تصور ہی خانہ کعبہ کے ساتھ وابستہ ہے۔"

ثالثاً۔ قبر کے طواف کے عدم جواز کا دارومدار صرف اس روایت پر نہیں جس کے معنوں

میں مؤلف نے خدشہ ظاہر کیا ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی متعدد روایات موجود ہیں جن میں کسی بھی قبر کے طواف کرنے کی مناہی کی گئی ہے جو کہ بحار الانوار الوسائل اور مستدرک الوسائل میں موجود ہیں...... جبکہ سرکار علامہ شیخ حر عاملی نے الوسائل میں اس حدیث کے وہی معنیٰ متعین کیے ہیں جو کہ سرکار علامہ نجفی مدظلہ نے اصلاح اکرام الرسوم میں کیے ہیں فراجعر ابعاً۔ مؤلف نے اصلاح الرسوم کی پیش کردہ روایت کے مفہوم میں خدشہ وارد کیا ہے (اور ان کی طرح تائید معصوم کے ایک مضمون نگار نے بھی بعینہٖ یہی بحث کی ہے کیونکہ اگرچہ ان جوابی کتابوں کے ٹائٹل پر تو بالعموم ایک آدھ مؤلف کا ہی نام لکھا ہوا ہے مگر کتابیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کتاب مختلف اور متعدد حضرات کی کاوشوں اور کاہشوں کا ثمرہ و نتیجہ ہے مگر۔

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

بہر حال یہ حدیث فی الجملہ متشابہ ہے اور ع ہر کس بقدر فہمش فہمید مدعا را کی مصداق ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے دونوں معنیٰ کا مادہ ایک باب ایک تعدیہ ایک اور صیغہ بھی ایک مثلاً لا لطف بقبر "یہ طاف یطوف سے نہی مذکر مخاطب واحد کا صیغہ ہے جس کا مصدر طواف بھی ہے اور طوف بھی پھر طوف کے تین معانی ہیں (۱) طواف (۲) تیرنے کا آلہ (۳) پاخانہ۔

پس اگر طواف بمعنیٰ طواف سے ہو تو باب وصیغہ اور تعدیہ یہی ہوگا اور اگر "طوف" بمعنیٰ غائط سے ہو تب بھی باب، صیغہ اور تعدیہ بالباء یونہی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مجمع البحرین کے مصنف نے اس کے معنیٰ الغائط کے کیے ہیں تو محدث خبیر حضرت شیخ حر عاملی نے اس کے معنیٰ طواف کے کیے ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے الوسائل کے

کتاب المزار میں ایک باب کا عنوان ہی یہ قرار دیا ہے کہ "عدم جواز طواف القبور"

اور پھر اس میں یہی حدیث درج کی جاتی ہے فراجع اور حضرت علامہ مجلسی نے دونوں معنیٰ بیان کیے ہیں چنانچہ وہ بحار الانوار جلد ۸۰ صفحہ ۲۷ پر اسی حدیث لاتطف بقبر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ استدل به علی کراهة الدوران حول القبور و اظن ان المراد بالطواف هنا الحدث...... اور جلد ۱۰۰ صفحہ ۱۲۶ پر اسی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یحتمل ان لیکون النهی عن الطواف المخصوص الذی یطاف بالبیت یعنی اس حدیث سے قبر کے اردگرد طواف کرنے کی کراہت پر استدلال کیا جاتا ہے مگر میرا خیال ہے کہ یہاں طواف سے پاخانہ پھرنا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے وہ مخصوص طواف مراد ہو جو کہ خانہ کعبہ کے ساتھ مراد مخصوص ہے کہ اس طرح قبروں کا طواف کیا جائے۔ اور یہی معنیٰ فاضل جونپوری نے اصلاح الرسوم بکلام المعصوم مین لکھے ہیں فراجع لہٰذا اگر یہ احتمال راجح نہیں ہے تو کسی طرح مرجوح بھی نہیں ہے لہٰذا اس کی وجہ سے سرکار علامہ پر تنقید کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ کما لایخفیٰ

خامساً...... جائز (مباح) بھی احکام خمسہ میں سے ایک حکم ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کام کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہے یعنی نہ اس کے کرنے پر ثواب ہے اور نہ کرنے پر عذاب، جب کہ مؤلف انتصار یہ لکھتے ہیں کہ "ضرائح مقدسہ کا طواف کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ بہت بڑا ثواب ہے۔ جب یہ بہت بڑا ثواب ہے تو پھر تو یہ مستحب ہوا اور معصوم کبھی بھی مستحب کام کو ترک نہیں کرتے مگر تمام آئمہ طاہرینؑ کی پوری زندگیاں گواہ ہیں۔ کہ نہ انہوں نے کبھی یہ کام کیا تھا اور نہ ہی کبھی کسی کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ بعد ازیں ماننا پڑتا ہے کہ یہ فعل مستحب نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی ان ذواتِ مقدسہ کی اتباع کرتے ہوئے اس کام سے

اجتناب کرنا چاہیے اور یحییٰ بن اکثم کی جس روایت میں امام محمد تقی علیہ السلام کے قبر نبیؐ کے طواف کرنے کا تذکرہ ہے قطع نظر اس کی سند وصحت سے اس سے طواف کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی چکر لگانا۔ نہ کہ شرعی و اصطلاحی معنی۔ کمالا یخفیٰ چنانچہ سرکار علامہ شیخ حر عاملی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اقول هذا غير صريح فی اكثر من دورة واحدة لاتمام الزيارة والدعا من جميع الجهات كما ورد فی بعض الزيارات لابقصد الطواف (الوسائل باب المزار یعنی میں کہتا ہوں کہ اس روایت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیارت اور دعا کی تکمیل کی غرض سے قبر کا چکر لگانا نہ کہ طواف کی نیت سے طواف کرنا''۔

اور یہی مطلب ہے زیارت کے اس فقرہ کا ''بابی و امی یا آل المصطفیٰ انا لا نملک الاان لطوف حول مشاهد كم الخ ...... وهذا اوضع من ان يخفی.

سادسا۔ انہی حقائق کی بنا پر وہ مراجع جن سے مؤلف نے فتاویٰ حاصل کیے ہیں انہوں نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ یہاں نہ کعبہ والا طواف مراد ہے اور نہ اس میں قصد ورود کرنا چاہیے چنانچہ جب حضرت آقائی گلپائیگانی مرحوم سے ''طواف و زیارت میت اطراف ضرائح مقدسہ کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا ''جائز است اگر بقصد ورود نباشد'' اگر حکم شرعی نہ سمجھ کر ایسا کیا جائے تو جائز ہے (ایضاح الموہوم صفحہ ۲۲۹)

اور جب یہی سوال آقائی فاضل لنکرانی سے کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا ''طواف میت در اطراف ضرائح مطہرہ بعنوان طواف نیست بلکہ بعنوان زیارت یعنی میت کو ضرائح مقدسہ کا طواف کرانا طواف کے عنوان سے نہیں ہے بلکہ زیارت کے عنوان سے ہے (ایضاح صفحہ ۲۳۰)

اور یہی سوال جب آقائی جواد تبریزی سے کیا گیا تو انہوں نے فرمایا" اگر کوئی زیارت کی نیت سے ضریح معصوم کا طواف کرے تو جائز ہے" (انتصار صفحہ ۲۰۰)

ان سب فتاویٰ کا مفہوم ایک ہی ہے کہ اگر یہ کارروائی بقصد طواف ہو تو پھر جائز نہیں ہے۔ اسے کہتے ہیں الحق یعلو و لا یعلی علیه ؏ جادو وہ جو سر چڑھ بولے

اس سے بڑھ کر علامہ نجفی مدظلہ کے موقف کی تائید مزید اور کیا ہو سکتی ہے؟ بعد ازاں زیر عنوان "**میت کو مقامات مقدسہ کی طرف لے جانا**"

انتصار کے مؤلف رقمطراز ہیں" اس مسئلہ پر اصلاح الرسوم کا عقیدہ ہے کہ جو شخص جہاں مرے اسے وہاں ہی دفن کر دیا جائے اور میت کو مقامات مقدسہ کی طرف لے جانے پر سخت تنقید کی ہے" (انتصار صفحہ ۲۰۰) اور ایضاح الموہوم کے مؤلف نے اور بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر لکھا ہے کہ" مولانا شیخ محمد حسین ڈھکو صاحب کے نزدیک اموات کو نجف اشرف اور کربلا معلّٰی منتقل کرنا اور ضرائح مقدسہ کا طواف کرانا بدعت اور حرام ہے" (ایضاح صفحہ ۲۲۸)

سبحان اللہ ھذا بہتان عظیم۔ حضرت علامہ نجفی صاحب نے نہ ضرائح مقدسہ کے طواف کو بدعت و حرام لکھا ہے اور نہ ہی مقامات مقدسہ کی طرف میت کے منتقل کرنے کو کہیں بدعت و حرام قرار دیا ہے۔ یہ ان مفتریوں کا محض افتراء ہے۔ وانما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون یعنی افترا پردازی وہی لوگ کرتے ہیں جو بے ایمان ہوتے ہیں۔ خدا کا یہ تحفہ مبارک ہو۔ طواف کی بحث گزر چکی ہے حضرت علامہ مدظلہ نے اس رسم کو بدو وجہ غلط قرار دیتے ہوئے آخر میں صرف یہ لکھ کر اس بحث کو ختم کیا ہے کہ" اس سے اجتناب کرنا

چاہیے اور طواف صرف خانۂ کعبہ کا کرنا چاہیے۔ وبس'' (اصلاح الرسوم صفحہ ۲۵۸) اور جہاں تک میت کو مقامات مقدسہ کی طرف منتقل کرنے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں سرکار علامہ مدظلہ نے فقہاء کے اختلاف کا علمی انداز میں تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں صرف یہ لکھا ہے ''کہ احوط واولیٰ یہی ہے کہ جس کا جہاں انتقال ہو اسے وہیں سپرد خاک کر دیا جائے'' (اصلاح الرسوم صفحہ ۲۶۰) کہاں ہے۔ لفظ ''بدعت'' اور کہاں ہے لفظ ''حرام'' اور کہاں ہے ''سخت تنقید'' ہمارے ان برخورداروں کے نزدیک اسی چیز کو دیانتداری کہتے ہیں کہ کسی کے موٴقف کو یوں مسخ کر کے پیش کیا جائے؟ اور اگر یہ دیانتداری ہے تو پھر یہ عزیزان ہی بتائیں کہ بددیانتی اور خیانتکاری بلکہ حرام کاری کس چیز کا نام ہے؟ آہ۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

بہرحال اس موضوع کے بارے میں حضرت علامہ مدظلہ نے اصلاح الرسوم میں قوم و ملت کی اصلاح کے جذبہ سے سرشار ہو کر جو کچھ لکھا ہے اس کا محرک چند چیزیں ہیں۔

(۱) اولاً۔ اسلام میں نجات دارین اور فلاح کونین کا دارومدار ایمان اور نیک کام پر ہے (جسے عقیدہ و عمل کہا جاتا ہے) لہٰذا جو مومن ہے اور نیکوکار۔ وہ ضرور بخشا جائے گا۔ خواہ یہود کے قبرستان میں دفن ہو یا نصاریٰ کے گورستان میں اور جو بے ایمان و بدعمل ہے وہ ضرور واصل جہنم ہوگا۔ خواہ مدینۃ النبیؐ میں دفن ہو یا نجف و کربلا میں۔ لہٰذا جب حقیقت الامر یہ ہے تو پھر سینکڑوں زحمتیں برداشت کر کے اور لاکھوں روپے خرچ کر کے دور دراز مقامات سے گلے سڑے مردوں کو مقامات مقدسہ کی طرف منتقل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ان ذوات مقدسہ کی شفاعت کی یہ شرط ہے کہ یہ ذوات مقدسہ صرف ان اہل ایمان کی

شفاعت کریں گے جوان کے پاس دفن ہوں گے؟ ہے۔ کوئی ایسی بات؟ قل ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین؟

(۲) ثانیاً۔ یہ صرف علامہ صاحب کا عقیدہ نہیں بلکہ تمام شیعہ فقہاء کا یہی نظریہ ہے کہ آدمی جہاں مرے اسے وہیں دفن کرنا افضل ہے اور خاندانی قبرستان یا دیگر مقامات میں لے جاکر دفن کرنے کی اسلام میں کوئی اہمیت نہیں ہے اور فقہاء شیعہ کا یہ نظریہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے ان فرامین پر مبنی ہے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں اور جو کتب اربعہ کے علاوہ الوافی، الوسائل اور بحار الانوار وغیرہ کتب احادیث میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں ان کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ نیز فقہاء کے فتاویٰ ان کی فقہی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں ع انجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است

(۳) ثالثاً۔ اس سلسلہ میں یہی جو دو تین واقعات بیان کیے جاتے ہیں ان کا اس متعلقہ مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ صفا صافی نام کے جس یمنی شہید کا قصہ بیان کیا جاتا ہے وہ داستان امیر حمزہ کا حصہ معلوم ہوتا ہے اور جہاں تک حضرت موسیٰؑ کے جناب یوسفؑ کی ہڈیوں کو زیر آب آجانے کی وجہ سے دریائے نیل سے نکال کر شام لے جانے یا جناب یوسفؑ کو اپنے والد ماجد حضرت یعقوبؑ کے تابوت کو شام لیجانے اور وہاں جاکر دفن کرنے کا تعلق ہے تو وہ ہمارے محلِ نزاع سے خارج ہیں۔ کیونکہ یہاں محل بحث خاندانی قبرستان یا کسی بزرگ کے مزار کے پاس لے جاکر دفن کرنا ہے تو کیا شام میں ان حضرات کا کوئی خاندانی قبرستان تھا؟ یا وہاں پہلے سے کوئی بڑے بزرگ دفن تھے؟ جب ایسا نہیں ہے تو پھر ان کے وہاں منتقل کرنے کی کوئی اور معقول وجہ ہوگی؟ ظاہر ہے کہ الضرورات تبیح المحذورات، یعنی ضرورتیں تو حرام کو بھی حلال بنا دیتی ہیں۔ بھلا اس امر کا عام اختیاری

حالت سے کیا تعلق ہے؟ نیز یہ امر بھی مدنظر رہے کہ اس نقل وانتقال کا تعلق سابقہ شرائع سے ہے جب کہ ہماری گفتگو کا تعلق شریعت محمدیؐ کے احکام سے ہے۔ لقد بنيا الايات لقوم يعقلون۔ حضرت علامہ بحرانی اسی قصہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ظاهر هذه الاخبار جواز نقل الموتىٰ بعد الدفن الى المواضع الشريعة و ظاهر الاصحاب تحريم ذلک حتى قال ابن ادريس انه بدعة فى شريعة الاسلام سواء كا الانتقال الى مشهدا وغيره (درۂ نجفیہ صفحہ ۲۲۵) یعنی ان اخبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ دفن کے بعد مردوں کا مقامات شریفہ کی طرف منتقل کرنا جائز ہے مگر اصحاب (علماء شیعہ) کے اقوال سے اس کی حرمت ظاہر ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ابن ادریس حلی نے فرمایا ہے کہ یہ فعل شریعت اسلامیہ میں بدعت ہے خواہ یہ انتقال کسی مشہد کی طرف ہو یا کسی اور جگہ کی طرف"، اور فاضل خراسانی اپنی کتاب ذخیرہ میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" ان وقوع ذلک فى شرع من قبلنا لايدل على جوازه فى شرعنا۔ (ایضاً صفحہ ۲۲۶) کہ اس فعل کا پہلی شریعت میں جائز ہونا ہماری شریعت میں اس کے جائز ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ فتدبر و تشكر

بعد ازاں انتصار کے مؤلف نے قبروں پر مساجد بنانے اور قل خوانی، قرآن خوانی اور کونڈوں کے بارے میں طائر بسمل کی طرح ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار کر جس طرح اپنی رسموں کو مشرف باسلام کرنے کی مذبوحی حرکت کی ہے اس پر تبصرہ کرنا علم وعلماء کی توہین ہے نہ معلوم ان لوگوں نے ہر جاہلانہ رسم ورواج کو اسلام میں داخل کر کے اس کا چہرہ بگاڑنے کی کیوں قسم کھائی ہے؟ اگر وہ یہ کہہ دیں کہ ہاں یہ رسمیں اسلامی نہیں ہیں اور اسلام نے انکا کوئی حکم نہیں دیا تو ان کا کیا نقصان ہوتا ہے؟ اصلاح الرسوم کے مصنفِ علام نے جہاں ان

رسموں کے جواز کو چیلنج کیا ہے اور ان کی تباہ کاریوں پر تبصرہ کیا ہے وہاں انتصار سے بہتر انداز میں ''ان امور کے جواز کا طریقہ'' کے زیر عنوان (اصلاح صفحہ ۲۶۶) پر جواز واضح کیا ہے۔ اس کی موجودگی میں اس رطب ویابس کی بھرتی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر ان حقائق کو سمجھنے کے لیے علم وعقل کی ضرورت ہے۔ لہٰذا وہ لوگ جن کا سرمایہ فخر وناز یہ ہو کہ ''یہ عشق و محبت کے کام ہیں۔ جو فقہ وعلم وعقل سے مربوط نہیں ہیں'' (انتصار صفحہ ۲۱۰) بھلا ان علم وعقل سے عاری لوگوں کا ان علمی مباحث سے کیا تعلق ہے؟

قدر مجموعۂ گل مرغ سحری داند
نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست؟؟

چونکہ سرکار علامہ نجفی صاحب نے اصلاح الرسوم میں بزرگوں اور پیروں کے نام پر بچوں کے سروں پر لٹیں رکھوانے کو غیر اسلامی فعل قرار دیا تھا (صفحہ ۲۲۹ اصلاح) اس پر صاحب تائید اور صاحب رسوم الشیعہ نے منتہی الامال اور معالی السبطین کے حوالہ سے آنحضرت کا حسنین شریفینؑ کے سروں پر مو تراشی کراتے وقت گیسو رکھنے کا تذکرہ کیا ہے تائید صفحہ ۲۵۶، ۲۵۷ و رسوم الشیعہ) حضرت علامہ مدظلہ نے اپنے نظریہ کی تائید میں وسائل الشیعہ، حلیۃ المتقین وغیرہ کتب معتبرہ سے لٹوں کی مذمت میں متعدد حدیثیں پیش کی ہیں جن میں سے ایک میں یہاں تک وارد ہے۔ کہ جب ایک ایسے بچے کو بارگاہ رسالتؑ میں دعا کے لیے لایا گیا جس کے سر پر لٹ تھی۔ تو جب تک آنحضرتؑ کے حکم سے اس لٹ کو کٹوایا نہیں گیا۔ تب تک آنحضرتؑ نے اس کے حق میں دعا خیر نہیں فرمائی (الوسائل حلیۃ المتقین) کیا کوئی عقل سلیم آنحضرتؑ کے اس تضاد کو باور کر سکتی ہے؟ کہ آپؑ اپنوں کے ساتھ یہ سلوک کریں اور دوسروں کے ساتھ وہ؟؟

یہی وجہ ہے کہ سرکار علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں "اور سر منڈانے میں یہ سنت ہے کہ سارا سر منڈا دیا جائے کوئی زلف یا چوٹی نہ چھوڑی جائے۔ (تہذیب الاسلام اردو ترجمہ حلیۃ المتقین صفحہ ۱۵۹) اس کے بعد اس کی تائید میں زلف والے بچہ کو دعا کے لیے لانے والی روایت درج کی ہے، بعد ازاں حسنین شریفینؑ کی زلفیں چھوڑنے والی روایت نقل کر کے اس کی مناسب تاویل کی ہے۔ فراجع۔ مخفی نہ رہے کہ منتہی الامال کی روایت میں وارد ہے۔ کہ سر کے بائیں جانب دو گیسو چھوڑے اور المعالی السبطین کی روایت میں وارد ہے کہ سر کے وسط میں بالوں کا ایک گچھا چھوڑا ان روایتوں میں یہ باہمی تضاد ہی ان کے نا قابل اعتماد ہونے کے لیے کافی ہے۔ بہر حال اختلاف کی صورت میں ترجیح انہی روایات کو دی جائے گی جو لٹ رکھنے کی مذمت و مناہی کرتی ہیں۔ کیونکہ یہی روایات دین فطرت اسلام کے مزاج اور متدینین کی سیرت کے عین مطابق ہیں۔ واللہ الموفق

قد جاء کم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ و من عمی فعلیھا وما انا علیکم بوکیل۔ یعنی ۔

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

کیونکہ ع

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

پانچواں باب

آیت اللہ نجفی صاحب پر بعض مؤلفین وغیرہ کے ذاتی رکیک اور بودے ایرادات واعتراضات اور ان کے مکمل بادلائل جوابات واضحات

اگر چہ دین فطرت اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ قائل کی ذات کو دیکھنے کی بجائے اس کی بات کو دیکھا جائے (کماقال علی علیہ السلام انظرالیٰ ماقال ولا تنظرالی من قال) چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ "بشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا لالباب (القرآن) کہ میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دو جو ہر کہنے والے کی بات کو کان لگا کر (توجہ سے) سنتے ہیں اور (پھر اسے میزان عقل وخرد پر تول کر) اس کی احسن وعمدہ بات کی اتباع وپیروی کرتے ہیں (اور غلط بات کو دور پھینک دیتے ہیں) ایسے ہی لوگوں کو خدا (راہ راست) کی ہدایت کرتا ہے اور ایسے ہی لوگ صاحبان عقل کہلانے کے حقدار ہیں" مگر عملی طور پر ہر معاشرہ میں اکثر وبیشتر ہوتا یہ ہے کہ لوگوں کی نگاہیں ہمیشہ قول کی بجائے قائل کی طرف اٹھتی ہیں اور عام لوگ کسی کی بات پر توجہ کرنے کی بجائے اپنی توجہ کا مرکز اس بات کے کہنے والے کی ذات کو ہی بناتے ہیں۔ یہ روش اگر چہ عام کہنے سننے والوں کے لیے چنداں مفید نہ ہو مگر راہنمائی قوم وملت کے دعویداروں کے لیے چنداں مضر بھی نہیں ہے۔ بے شک عوام کو ان

راہنمایانِ قوم وملت کے قول وفعل پر نگاہ رکھنی چاہیے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں۔ اس پر عمل بھی کرتے ہیں یا نہ؟ جب کہ ایک عالمِ دین کی معصومؑ (حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام) نے تعریف ہی یہ کی ہے کہ **العالم من صدق فعله قوله**۔ کہ عالم وہ ہے جس کا فعل اس کے قول کی تصدیق کرے (اصول کافی) یعنی وہ جو کچھ زبان سے کہے یا لکھے وہ خود اس کے مطابق عمل بھی کر کے دکھائے۔ یہی وجہ ہے کہ فاران کی چوٹی پر کھڑے ہو کر بانی شریعت نے اپنی نجی زندگی کو ہی سند ٹھہرا کر للکارا تھا۔ ذوالعشیرہ میں ذاتی زندگی سے متعلق افراد ہی کو بلایا گیا تھا اور وہ ذاتی زندگی پر تنقید نہ کر پائے تھے (تائید صفحہ ۲۵۷)

یہی وجہ ہے کہ سرکار علامہ ڈھکو صاحب بالعموم اپنی تقریروں میں قوم کو اپنے علماء وخطباء اور واعظین ومقررین کی خلوت وجلوت پر کڑی نگاہ رکھنے کی تلقین کیا کرتے ہیں تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ راہنما کون ہے اور رہزن کون مصلح کون ہے اور مفسد کون؟ قوم وملت کا سچا خیر خواہ کون ہے اور بدخواہ کون؟ مگر ہر معاملہ کی طرح یہاں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے (کیونکہ خیر الامور اوسطہا)

اگرچہ انبیاء وآئمہ ھدیٰ معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ مگر ترکِ اولیٰ تو عام معصومین سے بھی ہو جاتا ہے لیکن علماء کرام معصوم نہیں ہیں۔ اس لیے ان سے فروگزاشتیں سرزد ہو سکتی ہیں لہٰذا قوم کو صرف یہ امر مدنظر رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے علماء اور قومی زعماء کو اس معیار ومیزان پر نہ تولے جس پر وہ انبیاء اور ان کے اوصیاء کو تولتی اور پرکھتی ہے۔ آخر معصوم معصوم ہے اور غیر معصوم غیر معصوم وبینهما بون بعید" اس مختصر تمہید کے بعد اور ناقدین کی تنقید شروع کرنے سے بیشتر ہم یہ بتا دینا ضروری جانتے ہیں کہ حضرت علامہ ڈھکو صاحب معصوم نہیں ہیں اور نہ ہی انہوں نے کبھی اس کا دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی ہم ان کو معصوم عن الخطاء جانتے ہیں۔ کیونکہ

ہم جب انبیاء وآئمہ کی سرکار میں غلو کرنے کو جائز نہیں جانتے تو علماء کے بارے میں کس طرح غلو کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم سرِ افتخار بلند کر کے بلاخوفِ تردید یہ اعلان کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ ہمارے آیت اللہ نجفی صاحب کی پوری زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح قوم وملت کے سامنے ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ آسمانی پانی کی طرح صاف وشفاف ہے بالخصوص ۱۹۶۰ء سے لے کر (جب کہ وہ نجف اشرف عراق سے فراغت کی سند لے کر اور فضیلت کی دستار باندھ کر واردِ پاکستان ہوئے اور مدرسہ محمدیہ سرگودھا کی پرنسپلی کے عہدہ پر فائز ہوئے اور اس کے بعد آج تک۔

جبکہ ان کا زیادہ تر وقت مجالس ومحافل خوانی میں اور کچھ وقت تصنیف وتالیف میں اور کچھ تعلیم وتدریس میں گزر رہا ہے۔ ان کی جلوت وخلوت اور ان کے شب وروز برابر منظر عام پر ہیں اور اپنوں وبیگانوں سب کے سامنے ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ آج تک ان کا کوئی بڑے سے بڑا مخالف ومعاند بھی ان کی ردائے عدالت پر کسی شرعی واجب کے ترک کرنے یا کسی شرعی حرام کے ارتکاب کرنے کا یعنی کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کرنے کا جرم ثابت نہیں کر سکا اور نہ ہی بفضلہٖ آئندہ ثابت کر سکے گا ان شاء اللہ العزیز۔ ”ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء“۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں؟

وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ کہیں ان کی وجہ سے حقیقی علماء ومجتہدین بدنام نہ ہو جائیں وہ ہر وقت اپنے آپ کو پل صراط سے گزرتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ ہاں البتہ معمولی معمولی فروگزاشتیں بتقاضائے بشریت ہر چھوٹے بڑے ادنیٰ واعلیٰ سے ہوتی رہتی ہیں۔ تو

ظاہر ہے کہ سرکار علامہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں کیونکہ وہ عالم باعمل ضرور ہیں مگر معصوم نہیں ہیں۔ اس کے بعد آیئے سرکار موصوف کے مختلف کرم فرماؤں کی تنقیدوں کا جائزہ لیں۔ اور دیکھیں کہ وہ کس قسم کی ہیں اور یہاں تک مبنی بر صداقت ہیں۔ اور ان میں کس قدر وزن ہیں؟ اور کہاں تک مبنی بر صدقت ہیں اور ان میں کس قدر وزن ہے؟

سرکار علامہ نجفی مدظلہ پر مختلف ناقدین کی تنقیدات کے مختلف نمونے

(۱) ایک صاحب ''ڈھکو صاحب کے تضادات کے زیر عنوان بہت سے بے سروپا حکایات لکھ کر اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کچھ عرصہ قبل لاہور میں ایک صاحب کے مرحومین کے ایصال ثواب کی مجلس تھی پھل فروٹ مٹھائی کے ٹرے بھرے تھے۔ کپڑوں کے ڈھیر موجود تھے...... موصوف نے ان پر ختم پڑھنا شروع کر دیا الخ...... لاہور، سرگودھا، خوشاب اور جھنگ کے روسا کے ہاں ڈھکو صاحب اس بدعت کو بجالاتے رہتے ہیں'' اس کے متعلق گزارش ہے کہ کسی بھی ہادی اور رہنما کا کام حق و باطل بتانا اور سمجھانا ہوتا ہے اس کا منوانا اس کا فرض نہیں ہوتا کیونکہ ع بر رسولاں بلاغ باشد و بس

چنانچہ اگر سرکار موصوف کے ساتھ بھی کبھی کبھار کوئی ایسا واقعہ پیش آئے تو وہ صاحب ماتم کو بات بتا دیتے ہیں اور مسئلہ سمجھا دیتے ہیں کہ ان چیزوں کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے یہ سب غلط رسمیں ہیں لہٰذا اگر ان کو سماجی تعلقات کی بنا پر کسی امیر یا فقیر کی کسی ایسی تقریب میں شرکت کرنا پڑے تو حتی الامکان وہ اس سے اجتناب کرتے ہیں کہ ان کے سامنے کوئی ایسی چیز نہ رکھی جائے اور اگر وہ کچھ سور و آیات پڑھتے ہیں۔ تو اسی عمومی قصد کے ساتھ جس کا انہوں نے اصلاح الرسوم کے صفحہ ۲۶۶ پر تذکرہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حضرت

علامہ کو بلاتے ہیں تو وہ یہ چیزیں ان کے سامنے لاتے ہی نہیں ہیں......

(۲) ایک بار ڈھکو صاحب مجالس پڑھنے کے سلسلہ میں عرب امارات گئے وہاں شہزادہ قاسم کی مہندی کی زیارت برآمد کرنے کا مسئلہ تھا۔ موصوف نے انکار کر دیا کہ یہ روایت درست نہیں ہے مراجع کی طرف رجوع کریں۔ انٹرویو میں جب فتاویٰ مہیا کیے گئے تو فتویٰ صادر فرمادیا کہ مراجع تاریخ نہیں جانتے'' کونسی بات درست ہے؟ (تائید صفحہ ۲۵۷)

یہ بات سراسر غلط ہے کہ ''حضرت علامہ نے انٹرویو میں فرمایا کہ مراجع تاریخ نہیں جانتے'' لعنت اللہ علی الکاذبین۔ یہ انٹرویو خود معترض کی اپنی کتاب تائید کے اندر صفحہ ۶۷ سے لے کر صفحہ ۹۷ تک پورے تیس صفحات پر پھیلا ہوا موجود ہے اس میں اس بات کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے''

بات دراصل یوں ہے کہ ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ آغا سید محمد شیرازی نے شہزادہ قاسم کی سیج نکالنے کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے'' تو علامہ صاحب نے اس کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے صرف اتنا فرمایا کہ یہ فتوؤں کا مسئلہ نہیں یہ تاریخ کا مسئلہ ہے۔ فتوے ہوتے ہیں فقہی مسائل میں...... تاریخ میں فتوے نہیں دیے جاتے بلکہ تاریخ پڑھی جاتی ہے کہ موٴرخین نے کیا لکھا ہے'' (تائید صفحہ ۸۶) پر یہ سوال وجواب موجود ہے) یہاں کہاں لکھا ہے۔ کہ مراجع تاریخ نہیں جانتے اور جب یہ مسئلہ تاریخی ہے اور موٴرخین کا اتفاق ہے کہ جناب شہزادہ قاسم کی شادی واقعۂ کربلا میں نہیں ہوئی تو پھر کسی مفتی کے کھو کھلے فتویٰ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ اور اگر فتویٰ کا توڑ فتویٰ ہے تو پھر وہ بھی حاضر ہے یہی سوال آقائی شیخ جواد تبریزی مدظلہ سے کیا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں ''بعض کتابوں میں واقعی یہ روایت موجود ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کی سند معتبر نہیں ہے۔'' (انتصار صفحہ ۲۲۳)

نیز یہ سوال جب آقائی علوی مدظلہ سے کیا جاتا ہے تو آپ جواب میں فرماتے ہیں۔

''بعض کتابوں میں یہ روایت موجود ہے لیکن اکثر کتابوں نے اسے نقل نہیں کیا''

(انتصار صفحہ ۲۲۸) دیکھا ان مراجع نے فقہی طور پر فتویٰ نہیں دیا بلکہ تاریخی حوالوں کی روشنی میں بات کی ہے۔ ع شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

معترض نے حضرت علامہ پر ایک بے بنیاد اعتراض تو جڑ دیا مگر ان کی اصول پرستی کی داد کیوں نہ دی کہ پاکستان سے عرب امارات تک عشرہ محرم پڑھنے جاتے ہیں مگر غلط رسم کو دیکھ کر اس وقت تک مجلس نہیں پڑھی جب تک انجمن کے صدر گرامی قدر ڈاکٹر چنگیزی زید عزہ نے اس رسم کو ختم نہیں کر دیا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جسے مل گیا

(۳) مساجد میں مجالس پڑھنے کو بدعت فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں مگر خود اس بدعت کے مرتکب ہیں...... اور اگر کوئی ٹوک دے تو کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے۔'' (تائید صفحہ ۲۵۸)

یہ اعتراض ''بناء الفاسد علی الفاسد'' کی بدترین مثال ہے علامہ صاحب نے یہ کہاں فرمایا ہے اور کہاں لکھا ہے؟ کہ ''مساجد میں مجالس پڑھنا حرام ہے'' ھاتوا برھانکم؟ اس قدر سفید جھوٹ الامان والحفیظ۔

وہ مساجد میں آواز بلند کرنے اور نعرہ بازی کرنے کو صرف آداب مسجد کے خلاف جانتے ہیں اور اسے مکروہات میں سے شمار کرتے ہیں (ملاحظہ ہو اصلاح الرسوم صفحہ ۱۲۲) لہٰذا جب یہ فعل حرام ہی نہیں ہے تو پھر اس کے ارتکاب پر اعتراض کیوں؟ حالانکہ خود معترض نے یہی سوال اپنے انٹرویو میں بھی کیا ہے جس کا حضرت علامہ نے یوں جواب دیا ہے۔ ہاں میں خود مجالس پڑھتا ہوں لوگ نعرے بھی لگاتے ہیں اور آواز بھی بلند ہو جاتی ہے اور یہ بات

خلاف ادب مسجد ہے" (تائید صفحہ ۸۶)

(۴) نماز و مجالس کے بعد تین زیارتوں کو بدعت لکھا ہے مگر خود تینوں زیارتوں کو لاوڈ سپیکر پر پڑھتے ہیں" (تائید صفحہ ۲۵۸)

معترض کی یہ ایک بہت بری عادت ہے یا ان کی بدقسمتی ہے کہ وہ پہلے ایک غلط مفروضہ قائم کرتے ہیں اور پھر اس پر اعتراض کی کھوکھلی دیوار کھڑی کرتے ہیں لیکن جب وہ مفروضہ ہی غلط ثابت ہو جاتا ہے تو دھڑام سے وہ اعتراض والی پوری دیوار گر جاتی ہے یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے حضرت علامہ نے نماز یا مجالس کے بعد تین زیارتوں کو کہاں بدعت لکھا ہے یہ مسئلہ اصلاح الرسوم کے صفحہ ۱۱۸ کی پہلی سطر سے شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۱۱۹ کی دوسری سطر پر جا کر ختم ہوتا ہے وہاں بدعت یا حرام وغیرہ الفاظ کا کوئی نام و نشان تک نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ لکھا ہے کہ یہ ایک رسم تو ہے مگر سیرت آئمہ معصومین اور اسوۂ فقہاء کاملین میں اس کا کوئی عملی ثبوت نہیں ملتا۔ لہذا یہ التزام صحیح نہیں ہے" (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۱۸) یہی وجہ ہے کہ وہ ان تین زیارتوں کا التزام نہیں کرتے بلکہ کبھی تینوں پڑھ لیتے ہیں اور کبھی ایک زیارت جامعہ پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی کچھ بھی نہیں پڑھتے اور یہی بات ان کے قول و فعل کی مطابقت کی ناقابل رد دلیل ہے...... والحمدللہ اور یہی جواب ہے مصافحہ اور نعرہ والے اعتراض کا۔ کما لا یخفیٰ

(۵) اذان میں علی ولی اللہ کو بدعت لکھا ہے جبکہ انٹرویو میں اعتراف کیا ہے کہ ان کے اپنے مدرسہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا میں اذان کے اندر علی ولی اللہ کہا جاتا ہے اپنے زیر نگرانی چلنے والے مدرسہ میں اس بدعت کو رکوانے کی کیوں کوشش نہیں کی گئی۔ اور خود ایک عرصہ تک اذان و اقامت میں کیوں پڑھتے رہے (تائید صفحہ ۲۵۹)

سرکار علامہ نے اصلاح الرسوم کے صفحہ ۹۴ سے لے کر صفحہ ۹۹ تک اذان میں شہادت ثالثہ کے مسئلہ پر بحث کی ہے مگر کہیں بھی لفظ ''بدعت'' یا حرام یا ''تشریع محرم'' استعمال نہیں کیا۔ اس تناظر میں اس نسبت کا کیا جواز ہے؟ باقی رہا اپنی زیر نگرانی چلنے والے جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا میں شہادت ثالثہ کے زبردستی رکوانے کا مسئلہ۔ تو یہ بات سرکار علامہ کے عامل بالشرع ہونے کی ناقابل رد دلیل ہے جیسا کہ پہلے اعتراض کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ کسی بھی ہادی اور راہنما کا کام صرف آواز حق بلند کرنا ہوتا ہے۔ اس کا منوانا اور زبردستی اس پر عمل کرانا اس کا کام نہیں ہوتا مدرسہ قوم کی امانت ہے اس کے تمام مدرسین اور طلبہ حضرت علامہ صاحب کے مقلد نہیں ہیں۔ تو وہ کس طرح اپنا فیصلہ ان پر مسلط کر سکتے ہیں لا اکراہ فی الدین اور جہاں تک ان کے اپنے پڑھنے کا تعلق ہے تو جب تک وہ مقلد تھے تو پڑھتے تھے۔ مگر جب سے بفضلہ تعالیٰ درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ نیز حضرت شیخ صدوق اور دیگر بعض اعلام کی تحقیق سے اتفاق کیا ہے تب سے حضرت رسول خدا اور آئمہ ھدیٰ والی اذان پڑھتے ہیں ع

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

(۶) مجالس کی نیاز طے کرنے کو ڈھکو صاحب حرام سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بقول...... وہ خود نیاز طے کرتے ہیں اور پیسوں پر جھگڑتے ہیں'' (تائید صفحہ ۲۵۹)

سرکار موصوف نے ۱۹۶۴ء میں اپنا رسالہ اصلاح المجالس والمحافل شائع کرایا تھا جس میں مجالس سید الشہداء پر اجرت طے کرنے کو حرام ثابت کیا تھا اس دن سے لے کر آج تک انہوں نے اندرون ملک اور بیرون ملک ہزار ہا مجالس پڑھی ہیں اور برابر پڑھ رہے ہیں۔ اگر معترض میں ہمت ہے تو بقول فلاں پر اکتفا نہ کریں ہم ان کو اور ان کے سب ہم نوالہ و ہم

پیالہ حضرات کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کسی ایک مجلس میں بھی ان کا نیاز طے کرنا یا نیاز پر جھگڑنا ثابت کر دیں تو ہم ان کو منہ مانگا انعام دیں گے۔

اس کے برعکس ہم ان کا سینکڑوں مجالس مفت پڑھنا اور کئی کئی عشرہ ہائے محرم مفت پڑھنا زندہ شواہد اور ناقابل رد ثبوتوں سے ثابت کر سکتے ہیں۔

(نوٹ) جن صاحب کا نام یہاں استعمال کیا گیا ہے ان کا تردیدی بیان اسی کتاب میں شائع ہو رہا ہے۔ لعنة الله على الكاذبين.

الغرض حضرت علامہ نے ۱۹۶۴ء میں جو لکھا تھا کہ پہلے اجرت طے نہ کرو اور بعد میں جو نیاز مل جائے اسے تبرک سمجھ کر قبول کر لو۔ اسی پر ان کا اپنا عمل ہے اور جو کچھ کوئی پیش کر دے وہ خندہ پیشانی سے قبول کر لیتے ہیں اور اگر کوئی کچھ نہ دے تو اس سے کبھی مطالبہ نہیں کرتے اور نہ ہی اس کا کبھی تذکرہ کرتے ہیں۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟؟

(۷) ڈھکو صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت سکینہ کا سن زیادہ تھا مگر فلاں...... مولانا نے کہا کہ کچھ عرصہ قبل ملتان میں ڈھکو صاحب نے مجلس میں کہا "جب ذوالجناح خالی آیا تو سید الشہداء کی چار سالہ بیٹی گھوڑے سے لپٹ گئی" اس تقریر و تحریر میں تضاد کی وجہ بتائیے؟ (تائید صفحہ ۲۵۰)

اگر فلاں مولانا نے یہ بات بیان کی ہے تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے سننے یا سمجھنے میں اشتباہ ہوا ہے ورنہ سرکار علامہ صاحب نے شہید مطہری کے حوالہ سے کئی بار مجالس میں یہ واقعہ پڑھا ہے مگر کبھی بھی لفظ "چار سالہ بیٹی" ذکر نہیں فرمایا۔ اگر کسی کا دعویٰ ہے کہ

انہوں نے یہ لفظ کہا ہے تو وہ کوئی کیسٹ پیش کرے۔ قل ھا تو ابرھا نکم ان کنتم صادقین۔

واضح رہے کہ ملتان کی مجالس کی...... سب کیسٹیں محفوظ ہیں۔

شگفتہ کسے باتو دارد نہ کار۔ ولیکن چوں گفتی دلیلش بیار

(۸) اصلاح الرسوم میں جہیز پر موصوف نے اپنا زور قلم صرف فرمایا مگر اپنی دختر کی شادی پر دور جدید کی ہر ضرورت مہیا کی۔ کیا یہ بدعت اور اسراف کے کھاتے میں نہیں آئے گا (تائید صفحہ ۲۶۰)

سینکڑوں لوگوں کے سامنے حضرت علامہ نے ۱۲ اپریل ۱۹۸۸ء کو اپنی لخت جگر کو ایک اٹیچی کیس دے کر رخصت کیا تھا یہ "دور جدید کی ہر ضرورت" کہاں سے آ ٹپکی؟ انہی غلط بیانیوں کی وجہ سے تو ہم نے کسی جگہ تائید معصوم نامی کتاب کو "تائید ابلیس" کہا ہے کیونکہ "ان الشیاطین لیوحون الیٰ اولیا ئھم" علاوہ براین یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت علامہ نے جہیز کی نفی کرتے ہوئے ان لوگوں کی سرزنش کی ہے جو صرف جہیز نہ ہونے کی وجہ سے یا محض نام ونمود کی خاطر زیادہ جہیز مہیا نہ ہونے کی وجہ سے لڑکیوں کی زندگیاں تباہ کرتے ہیں اور ان کی شادیاں نہیں کرتے لیکن اگر کوئی شخص دے سکتا ہے تو وہ جو چاہے اپنی لخت جگر کو دے کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟۔

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

(۹) مجالس کی تاریخوں کے لیے ڈائری کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ انہیں خدا پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے اور اس شرک سے بچنا چاہیے۔" (تائید صفحہ ۲۶۰)

خدا پر بھروسہ کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ظاہری اسباب کو خیر باد کہہ دیا جائے۔

گفت پیغمبرؐ باآواز بلند۔ بر توکل زانوے اشتر ببند

کپڑے کو گرہ دینا، یا انگوٹھی کا بدلنا یا تاریخ کا ڈائری میں درج کرنا" تب شرک خفی کے زمرہ میں آئے گا کہ جب خدا کو چھوڑ کر صرف انہی ظاہری اسباب پر ہی بھروسہ کیا جائے۔ ورنہ اگر خدا کو سبب الاسباب سمجھ کر ان ظاہری اسباب کو عمل میں لایا جائے تو یہ شرک نہیں ہے۔

اے بسا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

(۱۰) جھک کے کسی سید کو گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کسی کے سلام کرنے اور حضرت علامہ صاحب کے ناراض ہونے اور پھر اپنے گھٹنے پکڑنے والے پر خوش ہونے والے فرضی قصے میں کوئی صداقت نہیں ہے......ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اگرچہ علامہ صاحب سادات کرام اور بزرگان عظام کے احترام کے نہ صرف یہ کہ قائل ہیں بلکہ اس پر عامل بھی ہیں مگر وہ فرمایا کرتے ہیں کہ اسلامی طریقہ یہ ہے کہ پہلے اسلامی طریقہ پر سلام کیا جائے اور اس کے بعد مصافحہ کیا جائے اور سب کے آخر میں معانقہ کیا جائے کسی کے سامنے اس حد تک جھکنا کہ رکوع و سجود سے مشابہت لازم آئے اسے نہ وہ اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی دوسرے کے لیے۔ لان الرکوع والسجود لایکون الاللہ (مفاتیح الجنان) اسی طرح حضرت علامہ نے ہاتھ کے اشارہ سے سلام کو کہیں بھی بدعت نہیں کہا (یہ پوری بحث اصلاح الرسوم کے صفحہ ۲۹۷ سے لے کر ۲۹۹ تک پھیلی ہوئی ہے) لہٰذا اگر سرکار دور بیٹھے کا سلام اشارے سے قبول کریں اور خود بجالائیں تو یہ کسی فعل حرام کا ارتکاب نہیں ہے زیادہ سے زیادہ مکروہ کے زمرہ میں آتا ہے وبس۔

(۱۱) ڈھکو صاحب مجالس میں اکثر کہتے رہتے ہیں کہ اصلاح الرسوم میں جو لکھا ہے

وہی قرآن میں ہے۔ اور اپنے انٹرویو میں بھی یہی کہا۔ کہ میں وہی کہتا ہوں وہی لکھتا ہوں جو قرآن اور چودہ کا فرمان ہوتا ہے۔ مگر فلاں صاحب راوی ہیں کہ ملتان میں ڈھکو صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ میرا لکھا کیا حرف آخر ہے اس میں ترمیم بھی ہو سکتی ہے" (تائید صفحہ ۲۶۱)

ان دو بیانوں میں ہرگز کوئی تضاد نہیں ہے یہ اعتراض معترض کی کج فہمی کی دلیل ہے، یہ ٹھیک ہے کہ حضرت علامہ ہمیشہ یہ فرمایا کرتے ہیں کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں یا کہتے ہیں وہ اللہ کے قرآن اور چودہ کے فرمان سے لکھتے اور کہتے ہیں کیونکہ وہ

ع کہتے ہیں وہی بات سمجھتے ہیں جسے حق

اور جب لوگ ان کی تقریر یا تحریر پر اعتراض کریں تو وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میری سوچ حرفِ آخر نہیں ہے (کیونکہ وہ ایک غیر معصوم کی سوچ ہے وفوق کل ذی علم علیم) لہٰذا وہ اپنی تحریر و تقریر میں ترمیم کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ بشرطیکہ کوئی مائی کا لال یہ ثابت کر دے کہ ان کی فلاں بات قرآن اور چودہ کے فرمان کے خلاف ہے افسوس کہ یہ "بشرطیکہ الخ ......کی عبارت کو چھوڑ دیا گیا اور اعتراض جڑ دیا گیا۔

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

(۱۲) ڈھکو صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ میں ہر چار سال بعد ایک وٹہ پھینکتا ہوں کچھ عرصہ ہاؤ ہو ہوتی ہے اور پھر یہ لوگ تھوک بھونک کر چپ ہو جاتے ہیں کیا یہ ایک عالم کی زبان ہے (تائید صفحہ ۱۶۱)

یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ سرکار علامہ نے ہرگز کبھی اس قسم کی کوئی بے پر کی نہیں اڑائی اور نہ ہی کوئی شریف النفس انسان ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ جب سرکار علامہ سے اس بات کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے یہ شعر پڑھا

کس روز تہمتیں نہ تراشا کرے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلایئے

ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم. نعوذ باللہ من شر الشیاطین من الانس والجن اجمعین.

(۱۳) اسراف وتبذیر کا باہمی فرق اس مقام پر معترض نے اصلاح الرسوم ۱۸۷ سے ایک عبارت نقل کی ہے "کہ ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ قیصر وکسریٰ نے کس طرح اپنی شہزادیوں کی شادیاں کیں...... مگر ڈھکو صاحب نے اپنی دختر کی شادی خانہ آبادی پر مندرجہ ذیل بدعتیں خود انجام دیں۔ (۱) بیٹی کو لاکھوں کا جہیز دیا (۲) پانچ چھ ہزار کے لگ بھگ لوگوں کی پرتکلف ضیافت (۳) لاکھوں روپے نیوندرا اسلامی وصول کی۔ کیا یہ سب اسراف نہیں میانہ روی ہے (۱۸۹) جہیز کے ذکر میں لکھتے ہیں۔" اس فہرست میں اگر بالفرض کار نہ ہوتو فریج ٹی وی اور ایئر کنڈیشنر بلکہ وی سی آر تو ضرور ہی ہوتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب انہوں نے جہیز کی فہرست لڑکے والوں کی طرف سے گنوا کر انا للہ پڑھا ہے اور انا للہ وانا الیہ راجعون اس لیے پڑھ رہے ہیں۔ کہ انہوں اپنی بیٹی کو جہیز میں مندرجہ بالا ہر شی مہیا کی ہے" (تائید صفحہ ۱۶۳)

اور ہم تائید ابلیس لکھنے والے کی اسلامی غیرت، ایمانی حمیت بلکہ ان کی آدمیت و انسانیت کے سانحہ ارتحال پر ایک بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہیں سچ ہے کہ

ع بے حیاباش وہر چہ خواہی گو۔ جب آدمی شرم وحیا کا جامہ چاک کردے اور کسی محسن کے سب احسانات کو دیدہ دانستہ بھلا دے اور سگ دنیا بن کر حمام میں بالکل ننگا ہو جائے تو پھر وہ ایسے ہی گل کھلاتا ہے جیسے تائید ابلیسؒ کا مرتب کھلا رہا ہے۔ اس بندہ خدا کو اگر حشر ونشر کا کوئی خوف نہیں ہے۔ تو کیا دینوی رسوائی اور جگ ہنسائی کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہے اور قلم کی عصمت کا بھی کوئی خیال نہیں ہے کہ جب حقیقت حال سے آگاہ لوگ یہ خرافات پڑھیں گے تو اس کے محرر کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ اس تحریر سراپا تغریر میں صدفی صد جھوٹ بولا گیا ہے اور اپنے صحافتی پیشہ کا جنازہ نکالا گیا ہے اگر آسمان پر تھوکا منہ پر آتا ہے تو پھر یہ صاحب بھی یقین رکھیں کہ انہوں نے یہ خرافات کا پلندہ چھاپ کر اپنی ذات پہنچوائی ہے ورنہ ان کے عوعو کرنے سے حضرت علامہ ڈھکو صاحب کی عظمتِ مقام وعلمی شان میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ کیونکہ

ماہ نُور می افشاند وسگ بانگ می زند
سگ رابگو کہ خشم تو باماہتاب چیست؟

سچ یہ ہے کہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ موصوف کی یہ ساری ہاؤ ہو اور عوعو محض اس لیے ہے کہ حضرت علامہ صاحب نے اس بلیک میلر کو ہڈی نہیں ڈالی تھی تو اس میں قصور اس کا اپنا ہے کہ وہ علامہ صاحب کے قریب رہ کر بھی ان کے مزاج کو نہ سمجھ سکا ان سے کچھ کام لینا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ برخوردار بن کر اور عزیز و وفادار بن کر لیا جائے نہ کہ دھونس دھاندلی یا مکاری وعیاری کے ساتھ کیونکہ وہ کسی دھونس یا عیاری مکاری کا شکار ہونے والے نہیں ہیں۔

گویا علامہ صاحب زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ

ع سو بار کر چکا ہے۔ تو امتحان ہمارا

اس سلسلہ میں ایک اور صاحب نے لکھا ہے کہ "مبلغ چالیس ہزار کی سٹیل کی الماری کس لیے خریدی گئی (ایضاح صفحہ ٦٧) اور ایک صاحب نے لکھا کہ دو ٹرک سامان دیا گیا (یہ ہیں ڈھکو صاحب)

بہر حال قارئین کرام اس افتراء پردازی کا جواب ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) صرف ایک اٹیچی کیس دے کر رخصت کیا گیا (۲) صرف دو سو دعوت نامے چھپوائے گئے اور تقسیم کیے گئے (پریس بھی موجود ہے۔ چھپوانے والے افراد بھی موجود ہیں اور تقسیم کرنے والے افراد بھی موجود ہیں) اور بارات کے ساتھ کل پچاس ساٹھ افراد آئے تھے باقی آسمان سے فرشتے اتر آئے تھے؟ (۳) نیوندر اسلامی جس کو علامہ صاحب نے اصلاح الرسوم کے صفحہ ۲۱۳ پر غلط رسموں میں ضرور درج کیا ہے۔ مگر کہیں بھی اسے بدعت اور حرام نہیں کہا) اس کی کل مقدار تیس ہزار سے بھی کم تھی۔ اور جہاں تک جہیز میں ٹی وی۔ وی سی آر اور ایئر کنڈیشنر دینے کا تعلق ہے جس پر موصوف نے انا للہ پڑھا ہے اگر ان چیزوں میں سے موصوف کسی ایک چیز کا نام ونشان بھی دکھا دیں تو جو چور کی سزا وہی یہ چیزیں دینے والے کی سزا اور اگر وہ صبح قیامت تک ایسا نہیں کر سکتے تو پھر ایسی حرکتیں کر کے اپنی دنیا و آخرت کو تباہ و برباد نہ کریں ع تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

(۱۴) اجرت پر قرآن پڑھنا اصلاح الرسوم کے صفحہ ۲۳۸ پر اجرت پر قرآن پڑھنا عنوان قائم کر کے مصنف لکھتے ہیں "واجبات پر اجرت لینا تو بالاتفاق حرام ہے مگر بہت سے ایسے مستحب بھی ہیں جن پر اجرت لینا بہت سے علماء و فقہاء کے نزدیک حرام ہے منجملہ ان کے اذان قرآت قرآن اور نماز باجماعت پڑھانا بھی ہے...... جناب ڈھکو صاحب جو اپنے

ملازم/ڈرائیور/ کو لاہور سے اجرت پر قرآن پڑھانے کے لیے دیتے تھے وہ رزق کس کھاتے میں جائے گا (تائید صفحہ ۲۶۰) ایسی ہی بے سروپا تحریروں کو دیکھ کر بے ساختہ یہ شعر زبان پر آجاتا ہے۔

بک رہے ہیں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

ڈھکو صاحب کا کون ملازم؟ کون ڈرائیور؟ لاہور قرآن پڑھانے پر کس نے اجرت دی؟ کس نے دلوائی؟ کیا دلوائی؟ علامہ صاحب کہتے ہیں کہ ہمارے تو کراماً کاتبین کو بھی کوئی علم نہیں ہے اگر اس مفتری کے پاس کسی شیطانی وحی کے ذریعہ کچھ معلومات ہیں تو کھل کر بات کریں!!

بیفکن پردہ تا معلوم گردد۔ کہ یاراں دیگرے را می پرستند

اور اگر کوئی ثبوت فراہم نہ کر سکیں تو پھر خدا کی لعنت کا طوق گردن میں ڈالنے کے لیے تیار رہیں۔ لعنة الله على الكاذبين۔

(۱۵) تصویر کشی۔ اصلاح الرسوم کے صفحہ ۱۶۱ پر تحریر ہے "حالانکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ جس قدر اسلام نے تصویر سازی اور تصویر نوازی کے غلط جذبہ کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ اس کی دوسرے مذاہب میں نظیر نہیں ملتی...... اب ڈھکو صاحب نے کبھی بھی کسی مقام پر ان کی اپنی تصویر بنانے والے کو منع نہیں کیا بلکہ شوق سے تصویر بنواتے ہیں (تائید صفحہ ۲۶۶)

اسے کہتے ہیں ؎ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا

حضرت علامہ صاحب نے اصلاح الرسوم کے صفحہ ۱۶۱، ۱۶۲ پر حضرت رسول خدا اور

آئمہ ھدیٰ کی جعلی تصویریں اور عزاخانوں اور اپنے گھرانوں میں ان کے سجانے کے خلاف قلم اٹھایا اور تائید ابلیسؒ والے ا۔ ے دوسری طرف کھینچ کر لے گئے ہیں کہ علامہ صاحب اپنی تصویریں کیوں کھنچواتے ہیں؟ یہ درست ہے کہ وہ اسے پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ اسلام نے اس کی حوصلہ شکنی کی ہے ورنہ ان کا فتویٰ حرمت کا تو نہیں ہے تا کہ ان پر یہ الزام عائد ہو کہ وہ فعل حرام کے مرتکب ہوئے ہیں جب تمام علماء وفقہا اپنی تصویر کھنچواتے ہیں اور اپنے معتقدین میں تقسیم بھی فرماتے ہیں۔ تو اگر عقیدتمندوں کے اصرار پر سرکار علامہ بھی اپنی تصویر کھنچوالیں۔ تو اس میں اعتراض کی بات ہے؟ علامہ صاحب نے کبھی بھی اپنے ذاتی شوق سے نہ تصویر کھنچوائی ہے اور نہ کبھی کسی کتاب میں شائع کرائی ہے اور نہ ہی کبھی تقسیم کرائی ہے یہ اس بات کی ناقابل تردید شہادت ہے کہ اسلام کی ناپسندیدہ چیز ان کی پسندیدہ نہیں ہے اعزا واحباب کی دلجوئی چیزے دیگر است۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

(۱۶) زیادہ تعلیم کا کھڑاگ: اصلاح الرسوم کے صفحہ ۱۹۴ پر مندرجہ بالا عنوان قرار دے کر مصنف لکھتے ہیں۔ ”لڑکیوں کو بقدر ضرورت دینی تعلیم دلوانا واجبات میں سے ہے۔ مگر دنیوی تعلیم بھی فی الجملہ ممنوع نہیں ہے۔ بلکہ جائز ہے بلکہ کسی حد تک فی زمانہ ضروری بھی ہے۔ مگر نہ اس حد تک کہ جس حد تک بعض مغرب زدہ لوگوں کو جنون ہے کہ پہلے پرائمری اس کے بعد مڈل اس کے بعد......

ایم۔اے۔ ڈبل ایم۔اے اور پی ایچ ڈی وغیرہ......

اب جناب ڈھکو صاحب سے ہمارا ایک سوال ہے کہ ایک شخصیت مندرجہ بالا دعویٰ بھی کرتی ہے اور اس کی بیٹی نے مخلوط تعلیم میں داخلہ لے رکھا ہے۔ آپ اس کے بارے میں

کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے۔ (تائید صفحہ ۲۶۷)

یہ اس مفتری اور کذاب کے ترکش کذب و افترا میں آخری تیر تھا۔ جو اس نے چھوڑا ہے! وانما یفتری الکذب الذی لایؤمنون!!

یکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

ہم پوری دیانت داری اور ذمہ داری اور ریکارڈ درست کرنے کے لیے حقائق عرض کر رہے ہیں کہ سرکار علامہ نے مقام عمل میں اپنی تحریر سے سر مو انحراف نہیں کیا بلکہ جو کچھ لکھا ہے اس کے عین مطابق عمل بھی کیا ہے ان کی کل تین بیٹیاں ہیں (بیٹا صرف ایک تھا جو کہ نجف اشرف میں دورانِ تعلیم اللہ کو پیارا ہو گیا اور اپنے والدین کے لیے ذخیرۂ آخرت بن کر ہمیشہ کے لیے وادئ نجف کے جوارِ پرانوار میں وادی السلام کے اندر قیام پذیر ہو گیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

سرکار موصوف نے اپنی سب بیٹیوں کو قرآن اور دینیات کی گھریلو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی بڑی بیٹی کو صرف ایف اے تک اور دو چھوٹی بیٹیوں کو بی اے تک تعلیم دلوائی ہے اور وہ بھی شرعی پردہ کے اندر رکھ کر اور صرف لڑکیوں کے سکولوں میں۔ مخلوط تعلیم تو ایم اے کی کلاسوں میں ہوتی ہے اور یہاں اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے جن بے دین اور بے لگام لوگوں نے یہ بے بنیاد الزام لگائے اور پھر پوری بے حیائی اور ڈھٹائی سے ان کی تشہیر کی اور اب انہی لوگوں کے اموختہ واندوختہ کو تائید ابلیس کے مرتب دھرا رہے ہیں۔ ہم ان کا معاملہ احکم الحاکمین کی عدالت میں پیش کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وھو اسرع الحاسبین ہے۔

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستین کا

حضرت علامہ کا یہ شیوہ وشعار ہے کہ وہ اس قسم کی خرافات وبکواسات سن کر یہ شعر گنگناتے ہیں۔

یا اللہ! تیری بندہ پروری سے میرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت۔ زمانہ

(۱۷) مولانا موصوف اپنے حلقۂ عقیدت مندان میں فخریہ فرمایا کرتے ہیں ''اگر میں نے اور کچھ کام نہیں کیا تو قوم میں آگ تو لگا دی ہے اور قوم کو دو حصوں میں تقسیم تو کر دیا ہے۔ نان......'' (ایضاح المو ہوم صفحہ ۴۲ اور احسن المفہوم صفحہ ۹)

عقل و دانش سے بے بہرہ ان مؤلفین سے کوئی پوچھے کہ قوم کو آگ لگانا اور اس کے حصے بخرے کرنا بھی کوئی قابلِ فخر کارنامہ ہے کہ جس کا حلقۂ عقیدت مندان میں فخریہ اظہار کیا جائے؟۔

یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

اور دشمن بھی وہ دشمن جو عقل وخرد کا دشمن ہے۔ علم و دانش کا دشمن ہے اور سب سے بڑھ کر وہ قوم وملت کا دشمن ہے۔

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

یہ اور بات ہے کہ ہر دور کے باطل نواز اور باطل پرست، آوازِ حق بلند کرنے والوں پر تفریق کا الزام لگاتے رہے ہیں ع

کہ ہوتی آئی ہے اچھوں کو برا کہتے ہیں

حالانکہ آوازِ حق بلند کرنے والوں پر یہ الزام عائد نہیں ہوتا بلکہ ان پر عائد ہوتا ہے جو

ان آواز حق بلند کرنے والوں اور ان کی آواز پر لبیک کہنے والوں کے خلاف محاذ آرائی اور پنجہ آزمائی کر کے تفریق کا بیج بوتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جس دشمن دین وایمان نے یہ بے پر کی اڑائی ہے اسے خدا کی لعنت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ لعنة الله على الكاذبين۔

(۱۸) مولانا ڈھکو صاحب کی عادت ہے کہ وہ فضائل ومناقب اہلبیتؑ کی روایات کو مرسل، مجہول، خبر واحد کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں۔ اور جن روایتوں سے ان کی کسرِ شان ہوتی ہو۔ ان کو قبول کر لیتے ہیں'' (اکثر مؤلفین)

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

بلکہ ع

تلک شنشنۃ اعرفھا من اخزم

حضرت علامہ کے مخالفین اس وقت سے برابر ان پر اس قسم کے ایرادات کے تیر برساتے رہتے ہیں جب سے انہوں نے اسلامی وایمانی عقائد پر اپنی دو عظیم کتابیں احسن الفوائد اور اصول الشریعہ لکھی ہیں بات دراصل یہ ہے کہ حضرت علامہ چونکہ طبعاً محقق واقع ہوئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر کسی محبوب کی مدح وثنا کی جائے تو بھی احسن وعمدہ طریقہ پر اور اگر کسی دشمن پر جرح وقدح کی جائے تو بھی اچھے سلیقہ پر۔ ان کے نزدیک سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام اس سے بہت اجل وارفع ہیں کہ ان کی رفعتِ شان اور بلندیٔ مقام ثابت کرنے کے لیے کمزور دلیلوں اور ضعیف روایتوں کا سہارا لیا جائے جبکہ وہ ان کی کسی فضیلت اور منقبت کے انکار کو نہ صرف خروج از ایمان بلکہ خروج از اسلام کا باعث جانتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ فضیلت ثابت ہو کیونکہ اگر وہ قرآن سے ثابت ہے۔ تو اس کا انکار موجب خروج از اسلام ہے اور اگر ان ذواتِ مقدسہ کے فرمان سے ثابت ہے تو اس کا انکار

باعث خروج از ایمان ہے ہاں شرط یہ ہے کہ وہ اصول روایت و درایت کے مطابق ثابت ہو۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بقول صاحب حدیقۂ سلطانیہ "از طرف خود امرے تراشیدن و بے دلیل و برہان صفتِ حضرات قرار دادن روا نیست" (صفحہ ۷۷)

(۱۹) بعض بے توفیق حضرات نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ حضرت علامہ نے تو یہ کتاب اصلاح الرسوم اہلسنت کو بالخصوص دیو بندیوں کو اور بالاخص سپاہ صحابہ کو خوش کرنے کے لیے لکھی ہے۔ (بعض مؤلفین و ناقدین)

مگر ان حضرات کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ سرکار علامہ نے اثبات الامامت تنزیہہ الامامیہ اور تجلیات صداقت کن کو ناراض کرنے کے لیے لکھی ہیں؟؟ عجیب اتفاق ہے۔ کہ جب سے سرکار علامہ نے اصلاح المجالس والمحافل، احسن الفوائد اور اصول الشریعہ لکھیں تو شیعا نحید رکرار ناراض ہو گئے اور جب اثبات الامامت تنزیہہ الامامیہ اور تجلیات صداقت لکھیں تو اہلسنت ناخوش ہو گئے اور جب اصلاح الرسوم لکھی تو دونوں روٹھ گئے اور حضرت علامہ صاحب یہ شعر گنگناتے ہیں۔

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے کی بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

در اصل بات یہ ہے کہ حضرت علامہ نہ کسی مذہب والے کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور نہ کسی کو ناراض کرنا چاہتے ہیں ان کے مدنظر ہے تو صرف اور صرف خدا مصطفیٰ اور آئمہ ھدیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ وبس۔ واللہ علی مانقول وکیل۔ کوئی ناراض ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔

(۲۰) بعض دشمنانِ دین و دیانت اور مخالفان عقل و امانت نے اپنے آئینہ میں دیکھتے ہوئے سرکار علامہ پر اغیار کا آلہ کار اور ان کے قلم کو مستعار ہونے کا گھٹیا اور گھناؤنا الزام بھی

لگایا ہے (بعض مؤلفین وناقدین) اس الزام کا جواب سرکار علامہ آج سے کئی سال قبل ڈوگر کو دیئے گئے انٹرویو میں تفصیل سے اس الزام کی دھجیاں فضائے بسیط میں بکھیر چکے ہیں اور واضح کر چکے ہیں کہ آج تک کسی ماں نے وہ بچہ نہیں جنا جو سرکار علامہ نجفی کے قلم کا کوئی تراشہ یا بیان کا کوئی شوشہ خرید سکے اور اگر کوئی ان پر کسی ملک وملت کا ایک روپیہ لینا ثابت کر سکے تو اس کے لیے ان کا خون حلال ہے؟ والحمد اللہ۔۔

(۲۱) مولانا ڈھکو صاحب مجتہد نہیں ہیں۔ انہوں نے رسائل و مکاسب اور درس خارج کا منہ نہیں دیکھا اجتہاد کے لیے کئی سالوں تک پڑھنا اور پڑھانا لازم ہے جبکہ مولانا موصوف زیادہ تر مجالس پڑھتے رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ (اکثر مؤلفین ومعاندین) یہ آدمی کی طبعی کمزوری ہے کہ وہ ہر شخص کو اپنے آئینہ میں دیکھتا ہے یعنی المرء یقیس علی نفسہ۔ یہ لوگ دس دس پندرہ پندرہ سال حوزہ ہائے علمیہ میں رہ کر بموجب خرِ عیسیٰ گر بمکہ رود۔ چوں بیاید سنور خر باشد۔ کورے کے کورے آتے ہیں تو یہ ضرور سوچتے ہوں گے کہ یہ شخص (حضرت علامہ ڈھکو صاحب) کس طرح چھ سات سال کی مختصر مدت میں وہاں مجتہد العصر بن کر آ گیا۔ تو ان کے اضافہ معلومات کی خاطر (نہ کہ منوانے کی خاطر۔ ورنہ ہم جانتے ہیں کہ ساری دنیا خدا کو خدا مصطفیٰ کو رسول خدا اور مرتضیٰ کو امام ھدیٰ نہیں مانتی تو علامہ ڈھکو صاحب کو مجتہد کیسے مان سکتی ہے۔ عرض ہے کہ حضرت علامہ صاحب بعض طلبہ کی طرح صرف فاضل ایران وعراق کا پیوند لگوانے کے لیے نہیں بلکہ اسلامی علوم کی تکمیل کے لیے گئے تھے۔ سطحیات کی اکثر وبیشتر کتابیں یعنی درس نظامی اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کر کے اور عربی علوم فنون کی وسطانی کتابیں پاکستان میں استاد العلماء علامہ سید محمد یار شاہ صاحب اعلی اللہ مقامہ سے پڑھ کر نجف اشرف گئے تھے......

اور رسائل، مکاسب اور کفایہ وغیرہ انہوں نے حضرت آقائی ابوالقاسم الرشتی اور حضرت آقائی مست نبط مرحوم اور حضرت آقائی مرزا حسن مرحوم کے ہاں خصوصی دروس رکھ کر اور شب و روز ایک کر کے ختم کیں اور اصول فقہ کا عمومی درس خارج حضرت آیت اللہ مرزا باقر زنجانی اعلی اللہ مقامہ اور خصوصی درس خارج اصول فقہ (کفایہ جلدین) حضرت آیت اللہ سید محمد جواد تبریزی اعلی اللہ مقامہ سے حاصل کیا اور فقہ کا عمومی درس خارج عمومی حضرت آیت اللہ آقائی سید محسن الحکیم اور حضرت آیت اللہ سید محمود الشاہرودی اعلی اللہ مقامہ سے حاصل کیا اور مختلف علوم و فنون میں حضرت آیت اللہ شیخ عبدالکریم زنجانی، حضرت آیت اللہ شیخ احمد امینی اور حضرت آیت اللہ آقائی بزرگ طہرانی و امثالہم کے افادات عالیہ سے بھرپور استفادہ کیا اور آقائی فاضل...... سے علم کلام کا درس خارج لیا۔ اور منظومہ سبزواری کا درس آقائے محقق ایرانی سے اور فلسفہ کی اسفار ملاصدرا کا درس جناب آقائے ملاصدرا النجفی سے حاصل کیا۔

نجف اشرف جیسے شہر کی آب و ہوا میں رہ کر جہاں ایرانی حضرات کیا کرتے ہیں کہ ایک درس کم اور دو زیادہ ہیں۔ حضرت آیت اللہ ڈھکو شب و روز میں دس دس درس پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک دن آیت اللہ سید جواد تبریزی مرحوم نے مزاحاً فرمایا تھا کہ آغا اگر شمار دعوائے نبوت بکنی اول کسے کہ بشما ایمان می آورد من می باشم، پھر درس کم کرنے کی فہمائش فرمائی۔ جبکہ معاشی حالت یہ تھی کہ مکھن اور گھی تو بجائے خود چائے کے لیے دودھ میسر نہ تھا۔ اور جب اکلوتا بیٹا مرحوم بیمار ہوا تو علاج کے لیے پیسہ نہ تھا اس طرح سرکار علامہ ڈھکو صاحب نے چھ سات سال کی مختصر مدت میں وہ کچھ حاصل کیا جو دوسرے بیس سال میں بھی شاید حاصل نہ کر سکیں اور بفضلہ تعالیٰ وہاں کے اکابر علماء و اعاظم فقہاء سے اجازہائے اجتہاد لے کر وطن واپس آئے اور یہاں بموجب "ولینذر و اقومھم اذا رجعوا الیھم

۱۹۶۰ سے برابر ملک اور قوم وملت کی درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور مجالس ومحافل کے ذریعہ سے خدمت عررہے ہیں اور جاہلوں کی گالیاں کھا رہے ہیں اور حمد وشکر خدا بجالا رہے ہیں۔

بلاتشبیہ۔ جس طرح ڈاکٹری کی ڈگری ہے (ایم بی بی ایس) وکالت کی ڈگری ہے (ایل ایل بی) اسی طرح اجتہاد کی بھی ایک سند (ڈگری) ہے تو جو ڈاکٹری کا کورس کرے اسے ڈاکٹری کی سند مل جاتی ہے اور جو اجتہاد کا کورس کرے اسے اجتہاد کی سند مل جاتی ہے۔ جن لوگوں نے رسائل ومکاسب اور کفایہ جیسی کتابیں لکھی ہیں وہ بھی مجتہد تھے مگر انہوں نے یہ کتابیں پڑھی نہیں تھیں اجتہاد کا ملکہ ایک خداداد چیز ہے ایک آدمی پورا علم عروض وقوافی پڑھ جاتا ہے لیکن اگر طبیعت میں موزونیت نہیں ہے۔ تو وہ ایک شعر بھی نہیں کہہ سکتا اور اگر خداداد موزونیت طبعاً حاصل ہے تو تھوڑا علم عروض پڑھ کر بھی شعر وشاعری کر سکتا ہے بالکل یہی کیفیت ملکہ اجتہاد کی ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ درجہ اجتہاد پر فائز ہونے کے بعد بے شک پڑھنے پڑھانے سے اس ملکہ کو جلا ضرور ملتی ہے مگر اجتہادی کورس کو پڑھانا کوئی شرط اجتہاد تو نہیں ہے تعجب ہے کہ غیر پرستی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے ایران وعراق کے نابالغ بچے بھی مجتہد اور عورتیں بھی مجتہد اور یہاں متحدہ پاک وہندوپاک میں کوئی سفید ریش عالم دین بھی مجتہد نہیں ہے نہ علامہ سید علی نقی نقوی اور نہ علامہ محمد حسین النجفی مجتہد نہ علامہ سید احمد علی مجتہد اور نہ علامہ سید علی حائری مجتہد۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اجتہاد ایک اکتسابی چیز ہے کوئی منصب نبوت وامامت کی طرح وہبی تو نہیں ہے حسد اور بغض وعناد اور رقابت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے علامہ ڈھکو صاحب کے بغض وعناد میں اندھے ہو کر کم از کم علماء لکھنؤ کے اجتہاد کا تو انکار نہ کریں ان کی علمی جلالت کا تو علماء ایران وعراق بھی اعتراف کرتے ہیں کیا قرآن وسنت کی کوئی نص موجود ہے کہ مجتہد صرف سرزمین ایران وعراق میں

پیدا ہوتے ہیں کسی اور جگہ نہیں ہو سکتے؟ اور پاک و ہند میں کوئی مجتہد نہ ہوگا...... ان السعادۃ لیست وقفاً علی قوم دون قوم ۔ بلفضلہ ہماری ملت پاکستان و ہند عقل وفہم علم ودانش اور فضل وکمال میں کسی سے پیچھے نہیں ہے ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اور یاد رکھیں کہ اگر علامہ سید علی نقی نقوی اور علامہ الشیخ محمد حسین النجفی جیسی جامع المعقول والمنقول اور اصول واخبار کے حسین امتزاج والے لوگ مجتہد نہیں ہیں تو پھر مجتہد نام کی کوئی چیز روئے زمین پر موجود نہیں ہے۔ اور علامہ ڈھکو صاحب کا بھی یہی قصور ہے کہ وہ پاکستانی ہیں۔ ع

مباش منکر غالبؔ کہ در زمانۂ تست

چہ می بری اے سست رائے برحافظ۔ قبول خاطر ولطف سخن خداداد است !!

اگر یہ حقیقت ہے کہ بموجب مشک آنستکہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

تو حضرت علامہ نجفی کی ذات جامع الکمالات اپنے اجتہاد وکمال کی آپ دلیل ہے کیونکہ ع آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ اور ان کو مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے

ع آزمائے جس کا جی چاہے

مگر محض اتمام حجت کے لیے ایران وعراق اور پاکستان کے بعض اکابر علماء وفقہاء اور مراجع کے اجازہ ہائے اجتہاد واعتماد یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ لیہلک من ھلک عن بینۃ ویحی من حیَّ عن بینۃ

ایضاح۔ مخفی نہ رہے کہ علامہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہ، صرف فقہ ہی میں مجتہد نہیں بلکہ وہ علم کلام علم تفسیر اور علم حدیث وغیرہ اسلامی علوم فنون میں بھی مجتہد ہیں۔ والحمدللہ

اجازة اجتهاد سيد المجتهدين سركار آية الله آقاي [illegible] السيد محمد جواد التبريزي النجفي اعلى الله مقامه

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله [illegible] العالمين وافضل صلواته وتحياته على من اصطفاه من الاولين والآخرين وبعثه رحمة للعالمين

محمد وآله الكرام [illegible] غياث المضطر المستكين وعصمة المستعصمين واللعنة الدائمة على اعدائهم والمخالفين

عليهم ابد الآبدين [illegible] علم لا يخفى وفضل لا يحصى وممن تصدى للطلب والعمل به

هو جناب [illegible] العلام [illegible] العالم ذي القريحة السليمة والطريقة المستقيمة [illegible]

الاعلام [illegible] الاسلام [illegible] الشيخ محمد حسين [illegible] فانه قد بذل في [illegible]

[illegible] وحضر ابحاثنا [illegible] في النجف الاشرف [illegible]

وتحقيق [illegible] فبلغ [illegible] الاجتهاد [illegible]

وان يروي عني جميع ما صحت لي روايته سيما الكتب الاربعة التي عليها المدار الكافي والفقيه والتهذيب

والاستبصار وكذلك الجوامع [illegible] الوافي والبحار وغيرها من مصنفات اصحابنا [illegible]

عن مشايخنا العظام بأسانيدهم [illegible] الى ارباب المصنفات والكتب والاصول

ومنهم الى اهل بيت النبوة ومهبط الوحي ومعدن العصمة صلوات الله عليهم اجمعين واوصيه [illegible]

نصب عينيه [illegible] الدنيا [illegible] كأن لم تكن وما هو كائن [illegible]

[illegible] جميعا ان نكون ممن غرته الدنيا فاخلد الى الارض واتبع هواه وكان امره

فرطا [illegible] صالح الاعمال [illegible] بالنبي وآله الطاهرين [illegible] ان لا ينسانا من صالح الدعوات

137

[illegible] والسلام عليه [illegible] حرره [illegible] في اليوم [illegible] شوال

([illegible] التبريزي)

اجازه اجتهاد. استاذ المجتهدين آية الله آقای آقا السيد ابو القاسم الحسينی الرشتی النجفی اعلی الله مقامه

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذی جعل العلماء ورثة الأنبياء وفضّل مدادهم على دماء الشهداء والصلوة
والسلام على أشرف الأنبياء محمد وآله السفراء الأمناء وبعد فان جناب العالم الفاضل
ملاذ الأنام مروج الأحكام مفخر الأعلام صفوة العلماء العظام ذو الذكر الصائب فی النظريات
الشيخ محمد حسين البنجابی الباكستانی زيد توفيقه ممن صرف فی النجف الأشرف برهة
من عمره وشطراً من دهره فی اكتساب المعالم الالهية وتحصيل القواعد الشرعية من الأساتيذ
العظام والمدرسين الكرام وقد حضر ابحاثی الأصولية والفقهية حضور تدقيق وتحقيق حتى نال مناه
وبلغ مبتغاه وفاز بحمد الله رتبة من الاجتهاد معروفاً بالصلاح والسداد فله العمل بما يستنبطه من الأدلة
الشرعية على النهج المألوف بين علماء الامامية وقد اجزت له التصدی لما لا يجوز فی عصر الغيبة على [illegible]
الأمور الحسبية والشئون لغير الفقهاء والمجتهدين العظام الا باذنهم واجزت له ايضاً ان يروی عنی جميع ما صح
لی روايته من مصنفات علمائنا الأبرار سيما الكتب الأربعة القديمة التی عليها المدار فی سالف الأعصار
كالكافی ومن لا يحضره الفقيه والتهذيب والاستبصار والوسائل والوافی وساير الكتب المعتبرة
بطرقی المعتبرة المنتهية الى ارباب الجوامع والأصول ومنهم الى اهل بيت النبوة ومعدن الرحمة صلوات
عليهم اجمعين واوصيه بالوقوف على مسلك الاحتياط والتجنب من ان تغره الدنيا وان لا ينسانی من صالح
الدعوات ان شاء الله والسلام عليه ورحمة الله وبركاته وقد حررته فی ٢٢ من شهر ذی القعدة سنة ٧٩

الاقل الحاج سيد ابو القاسم الرشتی الحايری عفی عنه

اجازه اجتهاد ـ ملجأ العلماء الکاملین سرکار آیة الله آقای آقا میرزا عبد الکریم الزنجانی النجفی اعلی الله مقامه

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی فضل مداد العلماء علی دماء الشهداء
والصلوة والسلام علی سید الانبیاء محمد واله
سادة الاوصیاء واللعنة الدائمة علی اعدائهم
الی یوم اللقاء. اما بعد فان العالم العامل والکامل
الفاضل فخر المحققین العظام عمدة العلماء الاعلام
رکن الاسلام الشیخ محمد حسین النجابی الپاکستانی

دامت توفیقاته وتاییداته قد وفقه الله تعالی
للمهاجرة من تلک البلاد وتحمل له وسائل مجاورة
النجف الاشرف فی سنین کثیرة لتکمیل العلوم الدینیة
والمعارف الیقینیة فلم یزل کان یجد ویجتهد فی
الترقی الی مدارج العلم والعمل مستمدا من برکات
باب مدینة العلم مجدا فی حضور الابحاث العلمیة
العالیة لدی اساطین الفرقة دامت برکاتهم حضور
تحقیق وتدقیق حتی حاز قصب السبق من الاقران
وسبقهم فی هذا الشأن وبلغ بحمده تعالی مرتبة
الاجتهاد ونال المراد فلیحمد الله تعالی علی هذه
النعمة العظمی والمنحة الکبری وقد اجزت له حفظه الله

ان يروي عني جميع ما صحت لي روايته من مشايخي
العظام شكر الله مساعيهم الجميلة باسانيدي المنتهية
الى الائمة الطاهرين صلوات الله عليهم اجمعين
واوصيه بالتقوى والاحتياط فانه سبيل النجاة
فعلى اخواننا المؤمنين التقدير لشأنه الرفيع
والاكبار بمقامه المنيع والاتعاظ بمواعظه الشافية
ونصائحه الكافية والاقبال عليه والحضور لديه لتعلم
المسائل الدينيه والمعارف اليقينية ايده الله
وإيانا واوصيه بالتقوى والاحتياط في جميع اموره
وان لاينساني من صالح دعواته في مظان الاجابة
والسلام عليه وعلى جميع اخواننا المؤمنين ورحمة الله
وبركاته حرر في ١٨ محرم الحرام سنة ١٣٧٩ هـ
حرره الاحقر عبد الكريم الزنجاني

اجازه اجتهاد عماد المجتهدين سركار آية الله آقاى آقا نجم الدين الشريف سامرائى مدظله

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خير خلقه محمد وآله الطيبين الطاهرين واللعنة على أعدائهم
أجمعين وبعد فإن المولى الأجل والعالم الفاضل التقي عمدة الفضلاء والمتقين والعلماء
الصالحين مولانا الأكرم الأمجد الشيخ محمد حسين ابن المغفور له العبد الصالح رضا الحاج
البحراني الزنجاني أيده الله تعالى في صرف أيام عمره ولياليه في تحصيل العلم والكمال حتى
وبذل جده وجهده في تكميل المنقول والمعقول حتى بلغ درجة الاجتهاد فله أن
يعمل بما يستنبطه من الأحكام الشرعية عن أدلتها المرعية ويحرم عليه التقليد
الحر حيث أنه ... الجامع للشرائط ... وقد حاز
في أقرانه في الأخلاق الحسنة والآداب وذلك بعد ما أتم من الفقه
والأصول والتفسير وسائر العلوم التي يحتاج إليها العالم في استنباط الفروع
من الكتاب والسنة وقد سبرته واختبرته فوجدته ممن ارتقى بفطرته الثاقبة
أسنى الكمالات وأعلى المراتب وكان من نعم الله تعالى أن تشرف علينا بالاجتماع
بحضرته في البلدة المباركة والناحية المقدسة (سامراء) في أيام من شهر
شهر رمضان المبارك من سنة ١٣٧٩هـ فوجدته في أعلى العلم والتقى من أكبر أفراد
جائزا أعلى مراتبه كابدة أعاظم العلماء ... والمجتهدين أرشدهم وزاده الله في علمه
وسداده في القول والعمل وأبعده عن الخطأ والزلل يجب عليه أن يصلي الله عليهم ...
ثم إني قد أجزته أن يروي عني جميع مؤلفاتي ومصنفاتي (الأزهار على الخمسة ...)
التي أرويها عن أساتيذي الكرام من جميع علماء الإسلام علماء النجف الأشرف وكربلاء
والكاظمين وسامراء والشام ومصر والمدينة المنورة والبلد الحرام وأوصيه

بحمد الله

ايده الله وسدده بسلوك طريق الاحتياط فانه سبيل النجاة كما اوصاني به
مشايخي العظام وارجو من سماحته ان لا ينساني من الدعاء في مظان الاجابة
كما اني لا انساه ان شاء الله في امثال ذلك وهو الموفق

كتبه بيمناه الداثرة جعفر بن محمد المغفور له الملقب بنجم الدين الشريف العسكري
في اصفهان [illegible] ١٣٧[illegible]

تأييديه عماد المجتهدين حضرت آقاى آقا السيد محمد رضا الموسوى

بسم الله الرحمن الرحيم

نعم انى اعرف [illegible] حضرة [illegible] الشيخ محمد [illegible] المسند
[illegible] كما هو [illegible] [illegible]

الاحقر محمد رضا الموسوى الگلپايگانى [illegible]
[illegible]

قدوة المجتهدين سركار آية الله آقاى آقا السيد محمد مهدي الكاظميني أعلى الله مقامه

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله والصلوة والسلام على جدنا محمد رسول الله وآله آل الله ثم على
رواة أحكام الله ومشيدي دين الله وبعد فلا يخفى على كل قريب وبعيد
ومن ألقى السمع وهو شهيد وخلا الدار بن سعيد شرف العلم وفضله وسمو قدره
ومحله بما لا يخفى سمو درجة حامله وفضل طالبه وقد وردت بذلك
الآيات وتظافرت الروايات وقد هاجر جمع كثير وجم غفير من قديم الزمان
إلى هذا الأوان من أقاصي البلدان وهجروا الأوطان والأخوان لطلب ذلك
والوصول إلى ما هنالك فكدوا وجدوا وسعوا واجتهدوا حتى وصلوا
إلى ما وصلوا وبلغوا إلى ما بلغوا وممن هاجر بلاده وترك أخوانه جناب
العالم الألمعي والفاضل اللوذعي الأديب الأريب ذو الوافر النصيب الفائز بالقدح المعلى
والرقيب الفقيه النبيه والمحقق الوجيه والثقة الأمين والجوهر الثمين علم الأعلام
وحجة الإسلام المتحلي بكل زين والمتخلي عن كل شين ابن المرحوم تاج العرب جناب
الشيخ محمد حسين البنجابي الپاكستاني نزيل النجف الأشرف دار العلم والتقى
دامت بركاته وحط أثقاله فسكن أرض الغري السري وأخذ في الاشتغال
في العلوم من المنطوق والمفهوم سنين عديدة ومدة مديدة على
جماعة من الأعلام المعاصرين وثلة من الفقهاء الماهرين فأخذ منهم فوائدهم
وتلقى عنهم علومهم وحضر دروسهم وضبط تقاريرهم وأبحاثهم حتى بلغ

مرتبة

درجة الاجتهاد وحاز ملكة الاستنباط وصار من أهل الارشاد وعد في عداد الفقهاء الامجاد فالف وصنف كتباً جمة في مواضيع مهمة وقد اطلعني على تحقيقات الغريقين في حديث الثقلين وكتاب اثبات امامة الائمة الاطهار في ضوء العقل والآيات والاخبار ولكن لما كان ذلك باللغة الهندية ولم يكن لنا حظ من ذلك حرمنا من ذلك لكنه سلمه الله وابقاه ومن كل مكروه وقاه قرأ علينا بعض فصولهما مترجماً ذلك لنا بالعربية فرأيته قد اتى بما لم يسبقه احد من الاعلام ولا حام احد حول هذا المقام فلله دره وعليه اجره نسئل الله ان يوفقه لاخراج ذلك الى اللغة العربية ليعم نفعه ويعظم وقعه فانه على ما يشاء قدير وبالاجابة جدير وقد زارنا الشيخ المتحبب المشار اليه في دارنا وخزانة كتبنا في هذا الشهر العظيم اعني شهر رمضان الفخم حين تشرف بزيارة الامامين الكاظمين عليهما السلام فسررنا بزيارته غاية السرور ودخل في قلبنا من ملاقاته ومكالمته كمال الحبور فاخذ يزورنا مرة بعد اخرى وكرة بعد اولى ونحن نتكلم معه في جملة من المسائل العقلية والنقلية والفقهية والاصولية فرأيته محيطاً بتلك واقفاً على ما هنالك وحيث قد استجازنا الحسن ظنه بنا تأسياً بالسلف الكرام ودخولاً في سلسلة مشايخنا العظام اعلى الله مقامهم في دار السلام رواية الاخبار عن معادن العلوم والاسرار سلام الله عليهم ما بقي الليل والنهار فاجزته ادام الله فضله وكثر في العالم مثله ان يروي عني كلما صحت لي روايته وجازت لي اجازته من كتب الاخبار وصحف الابرار لاسيما الكافي والفقيه والتهذيب والاستبصار والوافي والوسائل والبحار ومولانا في وولي الله ولي الحسنات وهو على كل شيئ قدير حرر هذه الاجازة العبد الفقير الحاج الى رحمة ربه الغني مهدي بن هادي الموسوي الاصفهاني

اجازہ اجتہاد فخر المجتہدین سرکار آیۃ اللہ آقای آقا السید احمد المستنبط النجفی مد ظلہ العالی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله مسدي النعم والآلاء المفضل مداد العلماء على دماء الشهداء ونوامي صلواته
وزواكي تسليماته على سيدنا خاتم الانبياء وسيد الاولين والآخرين من السماء
وآله الائمة الميامين الاصفياء، وبعد فان العالم العامل والناقد الكامل
الفاضل ثقة الاسلام تاج الدين الشيخ محمد حسين النجفي الباكستاني ممن
اتعب نفسه الشريفة مدة مديدة فحضر بحاضر اساطين النجف الاشرف وجد
واجتهد حتى صار بحمد الله وحسن توفيقه واجدا للاستعداد لتحصيل الاحكام من
مداركها واوصيه بتقوى الله سبحانه وتعالى والسداد ولا يجعل نفسه جسرا للنار
ومراعات كمال الاحتياط فقد ورد ليس بناكب عن الصراط من سلك سبيل الاحتياط
وان لا ينساني من صالح الدعاء واوصي على اخواننا المؤمنين وفقهم الله تعالى
لمراضيه تقدير مساعيه المشكورة واكبار مقامه العلمي والاتعاظ بمواعظه
الشافية واقتفاء اثره في الخلائق الكريمة والمعرفة عليه والسلام عليه
١٣٧٩
وعلينا ورحمة الله وبركاته حرره الاحقر احمد الموسوي المستنبط النجفي ٧ ...